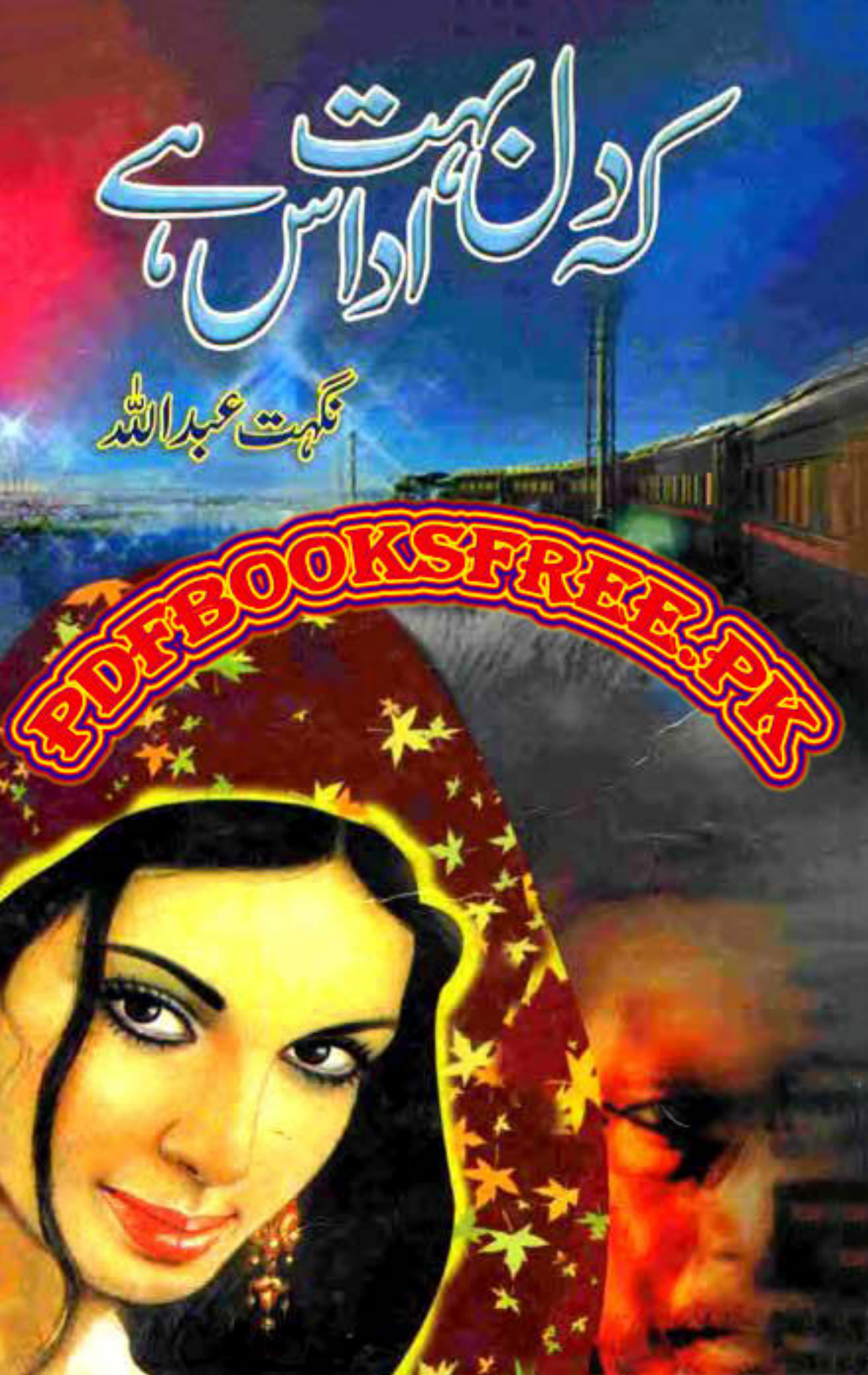
# کہ دل بہت اداس ہے

نگہت عبداللہ

PDFBOOKSFREE.PK



Courtesy www.pdfbooksfree.pk


# عرض ناشر

ساگر پبلشرز کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ آپ تک ایسی معیاری، اچھوتی اور نئی قلمی تخلیق اور ادبی کاوش پہنچائی جائے جو زندگی آمیز بھی ہو اور زندگی آموز بھی۔ جو قلب و ذہن کی تسکین کا سامان کرے، جس سے آپ میں عمل و حرکت کا کوئی داعیہ پیدا ہو اور جس سے آپ کے ذوق مطالعہ کی تشنگی کا مداوا ہو۔ اس سلسلہ میں ہمارے ادارہ کے کئی ایک خوبصورت ناول زیور طباعت سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچے اور داد تحسین وصول کی۔ آپ نے انہیں خوب سراہا اور بڑی پذیرائی بخشی۔ یہ آپ کی پسندیدگی کا نتیجہ ہے کہ ہم آپ کے لئے نئی نئی تخلیقات کا اہتمام کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

اپنی اسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اب ہم ملک کی ایک معروف خاتون ناول نگار محترمہ نگہت عبداللہ کے سات ناولوں کا ایک دلکش اور مہکتا گلدستہ آپ کی نذر کر رہے ہیں۔ ان میں ایک حسین ناول ''کہ دل بہت اداس ہے'' اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

محترمہ نگہت عبداللہ محتاج تعارف نہیں۔ ناول کی دنیا کا جانا پہچانا نام ہے۔ محترمہ لکھنے میں اپنا خاص اسلوب رکھتی ہیں۔ جس موضوع پر قلم اٹھاتی ہیں اس کا حق ادا کر دیتی ہیں۔ یہ ناول بھی آپ کی دلفریب اور نظر افروز تخلیقی کاوش ہے۔ امید ہے ہماری یہ تازہ کاوش بھی پہلے کی طرح جسے ہم دیدہ زیب ٹائٹل اور عمدہ گیٹ اپ کے ساتھ آپ کے خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ آپ کو پسند آئے گی اور آپ اسے پذیرائی بخشیں گے۔ اپنی قیمتی آراء سے ضرور مطلع فرمائیں۔

منیجر

ساگر پبلشرز، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



# کہ دل اُداس بہت ہے

''سنا نانی اماں آپ نے۔ اماں ہمیں پاکستان بھیجنا چاہتی ہیں، خالہ اماں کے پاس، لیکن ہم نے صاف منع کر دیا ہے۔ ہم نا ئیں جائیں گے۔''

نانی اماں کے سر میں تیل لگاتے ہوئے جب اس نے اماں کا ارادہ بتانے کے بعد اپنا ارادہ ظاہر کیا تو نانی اماں اس کے ہاتھ جھٹک کر بولیں۔

''کاہے نہیں جائے گی؟''

''بس نہیں جائیں گے اور آپ اماں کو بھی سمجھا دیجئے کہ آئندہ وہ ہمیں خالہ اماں کے پاس بھیجنے کی بات نہ کیا کریں۔''

وہ تیل والے ہاتھ اپنے سر سے صاف کرتے ہوئے نانی اماں کے سامنے آ بیٹھی اور قدرے الجھ کر پوچھنے لگی۔

''آخر اماں ہمیں وہاں کیوں بھیجنا چاہتی ہیں؟''

''لو کیا تمہارا دل نہیں چاہتا خالہ، ماموں سے ملنے کو۔''

''ہم نے انہیں دیکھا کہاں ہے، ہمیں کیا پتا خالہ کیسی ہوتی ہے اور ماموں کیسے ہوتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''تو اب جا کر دیکھ لیجیو۔''

''لیجیے۔ ہم آپ کے پاس اس لیے آئے تھے کہ آپ اماں کو سمجھائیں، الٹا آپ ہمیں۔''

''تیرے بھلے کو کہہ رہی ہے بیٹی! تو سمجھتی کیوں نہیں!'' نانی اماں ٹوک کر بولیں پھر اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں ''تو اب نادان نہیں ہے اپنی ماں کی مجبوری سمجھ۔ وہ تجھے اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتی۔''

''کیا کہا آپ نے؟'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

''اماں ہمیں اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتیں۔ کاہے؟''

''مجبوری ہے۔''

''مجبوری؟'' وہ کچھ دیر تک کھوجتی ہوئی نظروں سے نانی اماں کو دیکھتی رہی پھر سمجھ کر بولی۔ ''آپ ابا کی وجہ سے کہہ رہی ہیں ناں، لیکن نانی اماں ابا تو بہت اچھے ہیں، اپنی اولاد کی طرح ہمیں چاہتے ہیں اور ہم نے بھی کبھی انہیں سوتیلا نہیں سمجھا۔''

''اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ بس اب تُو یہاں نہیں رہے گی، تو ری اماں نے ٹھیک سوچا ہے۔ تو جا پاکستان، خالہ، ماموں پھر تو را ددھیال بھی وہیں ہے جس کے پاس دل چاہے رہ لینا۔'' نانی اماں اس کی کم ہمتی پر جھنجھلا کر بولیں تو وہ رونے لگی۔

''ہم اتنی دور نہیں جائیں گے۔ اگر اماں ہمیں اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتیں تو آپ کے پاس رہ لیں گے۔ کیا آپ بھی ہمیں نہیں رکھیں گی۔''

''ہائے میری چندو!'' نانی اماں نے اسے پچکارتے ہوئے اپنی آغوش میں سمیٹنے کی کوشش کی۔ ''میں تو ہمیشہ تجھے اپنے کلیجے سے لگا کر رکھوں پر میری حالت تو دیکھ رہی ہے۔ کیا پتا کب آنکھیں بند ہو جائیں پھر تو کہاں جائے گی۔''

''ہم اب بھی کہیں نہیں جائیں گے۔ یہیں مر جائیں گے اور اللہ کرے ہم مر جائیں۔''

''بھگوان نہ کرے۔'' اندر آتے ہوئے دلیپ نے اس کی آخری بات سن لی تھی۔ بے ساختہ اونچی آواز میں بولا تو وہ فوراً نانی اماں کی آغوش سے نکل کر سیدھی ہو بیٹھی اور دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کرنے لگی۔



''سوری ماں جی! ہم سمجھے آپ اکیلی ہوں گی جب ہی بنا دستک دیئے چلے آئے۔'' دلیپ نے پہلے معذرت کی پھر اس سے پوچھنے لگا۔

''تم کاہے کو رو رہی ہو؟'' اس نے جواب نہیں دیا تو وہ سوالیہ نظروں سے نانی اماں کو دیکھنے لگا۔

''باؤلی ہے۔ تم ہی سمجھاؤ اسے۔'' نانی اماں نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

''کچھ نہیں سمجھیں گے ہم۔'' اس کے ساتھ ہی اٹھ کر اندر چلی گئی۔

شام میں اماں آئیں تو نانی اماں کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھ گئیں، وہ اِدھر سے اُدھر آتے جاتے دونوں کو سرگوشیوں میں باتیں کرتا دیکھتی اور اندر ہی اندر جھنجھلاتی رہی۔

''ضرور ہمارے خلاف سازش ہو رہی ہے۔'' اس نے سوچا اور پھر بہت خاموشی سے اماں کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔

''ہم کا کریں ماں جی! منا کے ابا نے ہمارا جینا دوبھر کر دیا ہے کہویں ہیں خالدوا کے ساتھ دو بول پڑھا کر رخصت کرو صوفیہ کو، آپ بتائیں ہم آنکھوں دیکھی مکھی کیسے نگل لیں۔ ادھر صوفیہ نے الگ پریشان کر رکھا ہے۔ ایک ہی رٹ ہے اس کی ہم پاکستان نائیں جائیں گے اور ہم کہاں بھیجیں اسے۔'' وہ ایک دم سناٹے میں آ گئی جبکہ اماں روہانسی ہو کر کہہ رہی تھیں۔

''ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ آپ نے بات کی صوفیہ سے کیا بولی؟''

''وہی کہ ہم نائیں جائیں گے۔'' نانی اماں نے بتایا پھر کہنے لگیں۔ ''کاہے کو اتنا سوچتی ہے۔ پڑھوا دے خالدوا کے ساتھ دو بول اور رخصت کر دے۔''

''کیا؟'' وہ بے اختیار چیخ پڑی۔ ''اماں! اگر ہم آپ پر اتنے ہی بھاری ہیں تو پھینک دیجیے ہمیں کنویں میں۔''

''ہائیں!'' اماں اور نانی اماں نے چونک کر اسے دیکھا پھر اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور دھیرج سے کہنے لگیں۔

''بیٹی! ہم اسی لیے یہاں سے بھیج رہے ہیں۔ وہاں سب تمہارے اپنے ہیں۔ ننھیال دُدھیال جہاں تمہیں اچھا لگے وہیں رہ لینا۔''

''ہمیں کہیں اچھا نہیں لگے گا اماں! ہم آپ کے بنا نہیں رہ سکیں گے۔'' وہ رونے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''باؤلی ہوگئی ہے کیا؟ بیٹیاں تو یوں بھی پرایا دھن ہوتی ہیں۔ سدا اماں باوا کے پاس بیٹھی نہیں رہ جاتیں۔'' نانی اماں نے اپنے دوپٹے سے اس کے آنسو صاف کیے پھر اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر کہنے لگیں، ''کوئی زبردستی نہیں ہے اگر وہاں تمہارا دل نہ لگے تو واپس چلی آنا۔''

''تو اور کیا، ہم تمہیں ہمیشہ کے لیے تھوڑی بھیج رہے ہیں۔'' اماں کے فوراً کہنے پر اس نے باری باری دونوں کو دیکھا اور روٹھے لہجے میں بولی۔

''ہاں، ہم واپس آ جائیں گے۔''

اور فی الحال اماں اور نانی کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ جانے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ اسی وقت پڑوس سے دلیپ کو بلا کر اس کے پاسپورٹ اور ویزے وغیرہ کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ ساتھ ہی تاکید بھی کی کہ جلد سے جلد اس کے جانے کا انتظام کر دے۔ چھوٹی جگہوں کی یہی بات اچھی ہے کہ لوگ بلا امتیاز رنگ و نسل و مذہب ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ دلیپ نے بھی نانی اماں کے کہنے کے مطابق چند دنوں میں اس کا پاسپورٹ اور دیگر کاغذات مکمل کروا دیئے یہاں تک کہ ٹکٹ بھی لا کر نانی اماں کے ہاتھ پر رکھ دیا اور جس روز اس کی روانگی تھی۔ صبح ہی سے اس کی تمام سہیلیاں اس کے پاس آ گئیں۔

''کاہے کو جا رہی ہو؟''

''واپس کب آؤ گی؟''

''وہیں مت رہ جانا۔''

وغیرہ وغیرہ اور اس نے سب سے یہی کہا کہ وہ اپنے عزیزوں، رشتہ داروں سے ملنے جا رہی ہے۔ جلد ہی واپس بھی آ جائے گی لیکن جب وقت رخصت اماں کے سینے سے لگی تو آنسو ایک تواتر سے بہہ نکلے۔

''اماں! ہمیں بہوت ڈر لگ رہا ہے۔ ہم واپس تو آئیں گے ناں؟'' اماں نے اثبات میں سر ہلا کر اس کی پیشانی چومی پھر سمجھا کر بولیں۔

''کسی کو تنگ نہیں کرنا اور جب تک ہم نہ کہیں، واپس نہیں آنا۔''

اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن اماں کی آنکھوں میں ٹھہرے آنسو دیکھ کر خاموش ہو رہی تھی۔

☆☆☆



یہ اس کی زندگی کا پہلا سفر تھا۔ گو کہ اپنوں کے پاس جا رہی تھی پھر بھی۔ سب اجنبی تھے کیونکہ اس نے کسی کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ بہت چھوٹی تھی غالباً سال ڈیڑھ سال کی جب والد کا انتقال ہوگیا یوں ددھیال سے ایک طرح سے ناتا ٹوٹ ہی گیا پھر ابھی اماں عدت سے نکلی ہی تھیں کہ نانی اماں نے دوسری جگہ ان کا نکاح کر دیا۔ اس وقت نانی اماں کو صرف اماں کا خیال تھا جو بھری جوانی میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ دوسری اولادوں کی طرف دھیان نہیں گیا جو وقتاً فوقتاً پاکستان ہجرت کر گئی تھیں۔ جب اماں کا عقد ثانی کر چکیں اس کے بعد اپنی جلد بازی کا احساس ہوا کہ بیٹی اور نواسی کو لے کر پاکستان چلی جاتیں اور وہیں نئے سرے سے ان کا گھر آباد کرتیں تاکہ ساری اولادیں ایک ہی جگہ تو رہتیں۔

پھر انہوں نے بہت کوشش کی کہ ناظم الدین پاکستان چلنے پر آمادہ ہو جائیں لیکن وہ اپنا گھر بار چھوڑنے پر تیار نہیں ہوئے اور ظاہر ہے نانی اماں انہیں مجبور تو نہیں کر سکتی تھیں۔ پھر بیٹی کا دوبارہ گھر آباد ہوا تھا اور وہ اسے آباد ہی دیکھنا چاہتی تھیں جبھی دوسری اولادوں کی طرف سے اپنے سینے پر پتھر رکھ لیا۔ گو کہ ابھی تک ان کے بڑے بیٹے اور بیٹی بہت اصرار سے بلاتے تھے کہ وہ ان کے پاس آ کر رہیں لیکن وہ اپنی سب سے چھوٹی اولاد کو اکیلا چھوڑ کر جانے پر تیار نہیں تھیں۔

یوں تو اس کی اماں اپنے گھر میں کافی حد تک مطمئن اور خوش تھیں۔ ناظم الدین ان کے لیے اچھا شوہر ثابت ہوا تھا اور اس کے لیے اچھا باپ بھی۔

اب تک تو اس نے اپنی اولادوں اور اس میں کوئی فرق نہیں سمجھا تھا لیکن اب اچانک اسے پتا نہیں کیا ہوگیا تھا کہ اپنے بھتیجے خالد کے بارے میں جانتے بوجھتے کہ وہ غیر تعلیم یافتہ اور آوارہ مزاج لڑکا ہے۔ اس سے صوفیہ کی شادی کی بات کر رہا تھا بلکہ اماں کو بھی مجبور کر رہا تھا جبھی اماں نے آناً فاناً اسے خالہ ماموؤں کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کر لیا اور وہ بھی ایک طرح سے مجبوراً ہی جانے پر آمادہ ہوئی تھی اور کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا۔

اسے اپنے عزیزوں، رشتہ داروں سے ملنے کا شوق تو تھا لیکن یہ گمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی اس طرح اپنے حالات سے فرار کی خاطر ان کے پاس جائے گی۔ جب ہی اب اسے بہت دکھ ہو رہا تھا۔ تمام راستہ ہی سوچتی رہی کہ پتا نہیں سب لوگ کیسے ہوں گے اور اس سے کس انداز سے ملیں گے اور پتا نہیں اسے کتنا عرصہ ان سب کے ساتھ رہنا پڑے۔ عجیب طرح کے واہمے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اندیشے تھے جن سے وہ کسی طرح پیچھا نہیں چھڑا سکی، پھر ایک ذہن ایسی ہی سوچوں سے پریشان تھا دوسرے کراچی ائیر پورٹ پر اترتے ہی اس خیال نے ہراساں کر دیا کہ اگر اسے لینے کوئی بھی نہ آیا تو۔ حقیقتاً اس وقت وہ بے حد گھبرائی ہوئی کھڑی تھی اور دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کر رہی تھی کہ اچانک کسی نے رک کر پوچھا۔

''آپ صوفیہ ہیں؟'' اس نے چونک کر دیکھا اور جواب دینے کے بجائے الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

''آپ کون ہیں؟''

''میرا نام ریحان ہے۔ باپ کا نام فیضان احمد اور دادا'' ایک دم ہونٹ بھینچ کر شرارت سے دیکھنے لگا پھر اسی انداز میں بولا۔ ''اب تو بتا دیجیے آپ صوفیہ ہیں۔''

''ہاں'' وہ اثبات میں سر ہلا کر کہنے لگی۔ ''اچھا ہوا آپ نے ہمیں پہچان لیا ورنہ ہم تو بہت پریشان ہو رہے تھے۔''

''ہم۔'' وہ اس کے اطراف نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھنے لگا۔ ''آپ کے ساتھ اور کون آیا ہے؟''

''کوئی نہیں۔ ہم اکیلے ہی آئے ہیں۔''

''ہم اکیلے۔'' ادھر ادھر بھٹکتی نظریں اس پر ٹھہر گئیں پھر بے ساختہ ہنس کر بولا۔ ''سوری میں تو بھول ہی گیا تھا کہ آپ سیدھی پٹنہ سے تشریف لا رہی ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''کچھ نہیں، آیئے میرے ساتھ۔'' وہ اس کا بیگ اٹھا کر چل پڑا تو وہ بھی ساتھ ہو لی پھر پارکنگ ایریا سے گاڑی نکالنے تک وہ کچھ نہیں بولا اور جب شفاف سڑک پر آیا تو پوچھنے لگا۔

''نانی اماں اور خالہ جان کیسی ہیں؟''

''ٹھیک ہیں۔''

''وہ کیوں نہیں آئیں۔ کم از کم نانی اماں آ جاتیں۔ ممی اتنا یاد کرتی ہیں انہیں۔''

''وہ بھی بہت یاد کرتی ہیں لیکن آ نہیں سکتیں۔ بہت بوڑھی ہو گئی ہیں ناں۔'' وہ سادگی سے بولی۔



''پھر تو انہیں ضرور آنا چاہیے تھا، وہاں اکیلی کیا کر رہی ہیں، کوئی دیکھ بھال کرنے والا بھی نہیں ہوگا۔''

''کیوں، ہم ہیں ناں۔'' اس کے بے اختیار کہنے پر وہ ہنس پڑا۔

''آپ تو یہاں ہیں۔''

''اب آئے ہیں ناں پہلے تو انہیں کے پاس تھے اور ہم تو آنا بھی نہیں چاہتے تھے، انہوں نے زبردستی ہمیں بھیجا ہے۔''

وہ بے دھیانی میں بول رہی تھی۔ اصل میں سارا دھیان اطراف میں تھا۔ بلند و بالا عمارتیں، صاف شفاف اور کشادہ سڑکیں جن پر گاڑی یوں پھسل رہی تھی جیسے پانی کی سطح پر تیر رہی ہو پھر آگے پیچھے گاڑیوں کی لمبی قطاریں۔ وہ بھی پٹنہ سے باہر نہیں گئی تھیں۔ بس ایک بار نانی اماں کے ساتھ ''گیا'' گئی تھی اور وہ بھی چھوٹی سی جگہ تھی اور یہ اتنا بڑا شہر اس کے تصور سے بھی کہیں بڑا۔ جبھی وہ بہت دلچسپی اور شوق سے دیکھ رہی تھی۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا، زبردستی کیوں لیکن گھر آ چکا تھا۔ گاڑی روک کر بولا۔

''سنو، میں نہیں جانتا کہ تم ہمارے بارے میں کیا تصور لے کر آئی ہو۔ تمہارا تصور قائم بھی رہ سکتا ہے اور ٹوٹنے کا امکان بھی ہے۔ لہٰذا اپنے آپ کو ہر دو صورتوں کے لیے تیار رکھنا۔''

وہ اس کی بات پر گم صم سی ہو گئی۔ تب وہ ہنس کر بولا۔

''ڈرو نہیں، کوئی تمہیں مارے گا نہیں۔ چلو آؤ۔''

وہ کہتا ہوا اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گیا تو اُسے بھی اترنا پڑا اور کچھ سہمی ہوئی سی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔

''ممی!'' کوریڈور سے اندر داخل ہوتے ہی وہ پکار کر بولا۔ ''لے آیا ہوں آپ کی بھانجی صاحبہ کو، جلدی سے دیکھ کر تصدیق کر دیجیے۔ کہیں مجھے دوبارہ نہ جانا پڑے۔''

''آ گئی صوفیہ!'' ممی کہتے ہوئے کمرے سے نکلیں اور اُسے دیکھ کر بازو پھیلا کر بولیں۔ ''ہاں یہ صوفیہ ہے۔''

''ٹھیک ہے دیکھ لیجیے۔'' وہ شرارت سے کہہ کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا تو ممی اسے سینے سے لگاتے ہوئے بولیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"یہ تو ہو بہو زہرہ کی تصویر ہے۔ مجھے تو پہلی نظر میں یوں لگا جیسے زہرہ سامنے آ گئی ہے۔"

پھر اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر کہنے لگیں۔

"تم اس کی باتوں کا برا نہیں ماننا بیٹا۔ اسے یونہی الٹا سیدھا بکنے کی عادت ہے۔ راستے میں تو تمہیں تنگ نہیں کیا۔"

"نہیں۔"

"اچھا اپنی بہنوں سے ملو۔ یہ نشا اور یہ روبی ہے۔" وہ خود ہی ان کی طرف بڑھی اور ان سے مل کر بیٹھی تو ممی اماں اور نانی اماں کا حال احوال پوچھنے لگیں۔

"ممی! پہلے چائے وغیرہ کا انتظام تو کر دیجئے۔ بیچاری اتنی دور سے آ رہی ہے۔ پٹ۔ ناسے۔" وہ چھیڑنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔

"ناں ہم چائے نہ پئیں گے۔" وہ برا مانے بغیر فوراً بول پڑی۔

"پھر کیا بہاری کباب کھاؤ گی؟" اس نے کچھ اس انداز سے کہا۔ کہ نشا اور روبی بے ساختہ ہنس پڑیں جبکہ ممی کو غصہ آ گیا۔

"ریحان۔ یہ تم کس کا مذاق اڑا رہے ہو؟"

"توبہ کریں ممی! میں کیوں کسی کا مذاق اڑانے لگا، میں تو مذاق کر رہا ہوں اور اگر صوفیہ کو برا لگا ہے تو آئی ایم سوری۔" اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر کہا تو وہ سٹپٹا کر بولی۔

"نہیں خالہ اماں! ہمیں بالکل برا نہیں لگا" اس کے خالہ اماں کہنے پر ممی خاصی جز بز ہوئیں پھر فوراً اٹھتے ہوئے بولیں۔

"نشا! صوفیہ کو کمرے میں لے جاؤ۔ تھکی ہوئی ہے۔ کچھ آرام کر لے گی۔"

"آؤ۔" نشا اور روبی دونوں کھڑی ہو گئیں تو اس نے بھی ان کی تقلید کی۔

پھر رات کے کھانے پر گھر کے باقی افراد سے ملاقات ہوئی۔ خالو جان کے علاوہ سب سے بڑے ذیشان احمد بہت ریزرو اور حد درجہ لیا دیا سا انداز تھا، اس کے سلام کا جواب سر کے اشارے سے دیا اس کے بعد متوجہ ہی نہیں ہوئے۔ ان کے بعد فرحان احمد، انہوں نے بہت خوشدلی کا مظاہرہ کیا۔ لہجہ بھی بے حد شائستہ تھا پھر ریحان، نشا اور روبی سے تو وہ مل ہی چکی تھی۔



گو کہ سب کا اپنا اپنا انداز تھا پھر بھی بہت سی قدریں مشترک تھیں اور اسے پہلے مقام پر ہی محسوس ہوا کہ وہ زیادہ عرصہ ان کے درمیان نہیں رہ سکے گی۔ جب ہی پوچھنے لگی۔

"چھوٹے ماموں اور بڑے ماموں جان کہاں رہتے ہیں؟"

"اسی شہر میں ہیں، مل لینا ان سے بھی، ابھی تو کچھ دن یہیں رہو گی ناں۔"

ممی کی آخری بات پر اس نے چونک کر دیکھا اور پھر فوراً سر جھکا لیا۔ اچانک جہاں بے سروسامانی کا احساس ہوا وہاں یہ خیال کہ اپنوں کے درمیان آ کر بھی کچھ تنہائی ہے، اُسے آزردہ کر گیا۔

"کیا بات ہے۔ آپ کھانا نہیں کھا رہیں۔" فرحان احمد نے اسے سوچوں میں گم دیکھ کر کہا تو وہ آہستہ سے بولی۔

"بس ہم نے کھا لیا؟"

"کیا کھایا، سب تو ویسے ہی رکھا ہے۔" ریحان اس کی پلیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "کھانا اچھا نہیں ہے یا گھر والے یاد آ رہے ہیں۔"

"نہیں بس۔" وہ اسی قدر کہہ سکی۔ آنکھوں میں اس روانی سے پانی اترا تھا کہ اسے روکنے کی کوشش میں حلق میں گولہ سا اٹک گیا اور اس سے پہلے کہ کوئی ٹوکتا وہاں سے اٹھ آئی۔

رات دیر سے سونے کے باعث صبح وہ بہت دیر سے اٹھی۔ منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے نکلی تو کوئی بھی نہیں تھا۔ اتنے بڑے گھر میں اتنی خاموشی اسے عجیب سی لگی۔ برآمدے میں آئی تو ممی کو دیکھ کر ان کے پاس آ بیٹھی۔

"اٹھ گئیں، میں تمہارے لیے ناشتا بنا دوں۔" ممی کہتے ہوئے اٹھنے لگیں کہ اس نے روک دیا۔

"آپ بیٹھیں خالہ اماں! ہم خود بنا لیں گے۔"

"نہیں بیٹا! چار دن کے لیے آئی ہو اور کام کرو گی۔

آرام سے بیٹھو۔"

ممی نے اسے اٹھنے ہی نہیں دیا اور اب اس میں اٹھنے کی سکت تھی بھی نہیں۔ بہت خاموشی سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا پھر گہری سانس لے کر خود کو سرزنش کرنے لگی کہ وہ کیوں ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



باتوں کو اتنا محسوس کر رہی ہے یوں بھی اسے ہمیشہ تو یہاں نہیں رہنا، واپس تو جانا ہی ہے۔

"ارے تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" ریحان کی آواز نے اس کی سوچوں کو منتشر کر دیا۔

کچھ دیر بے خیالی میں اسے دیکھے گئی پھر اخبار سامنے پھیلا کر اس پر نظریں دوڑانے لگی۔

"کیوں بھئی خفا ہو کیا؟" وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"نہیں۔ ہم کیوں خفا ہوں گے۔" پھر ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگی۔ "اور سب لوگ کہاں ہیں؟"

"بھائی لوگ ڈیڈی کے ساتھ آفس، نشا یونیورسٹی، روبی کالج اور میں آج کل فارغ ہوں۔"

سامنے کرسی پر ٹانگیں پھیلائے ہوئے اپنی فراغت کا ذکر اس نے بڑے شاہانہ انداز میں کیا تو وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اصل میں رزلٹ کا انتظار ہے۔ اس کے بعد ایف آر سی ایف کے لیے امریکہ فلائی کر جاؤں گا۔"

"واقعی؟" وہ متعجب ہوئی۔ "ہمیں یقین نہیں آ رہا۔"

"کسی کو بھی یقین نہیں آتا۔ سب یہی سمجھتے ہیں کہ میں چھولے بیچتا ہوں۔"

وہ ہنس پڑی۔

"کیا کروں شاید میری شکل ہی ایسی ہے۔" وہ چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"نہیں خیر شکل تو اچھی خاصی ہے۔"

"سچ کہہ رہی ہو۔"

"ہاں، ہم جھوٹ کیوں بولیں گے بھلا۔"

"یہ تو ہے۔" وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کی سادگی سے خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

پھر بھٹکتی ہوئی نظریں اس پر جا پڑیں۔ کھلتی ہوئی رنگت، بڑی بڑی آنکھوں پر گھنی پلکوں کا پہرہ "اندر جھانکنا منع ہے۔" کا اشارہ دے رہا تھا۔ پیشانی سے اوپر سیدھی شفاف مانگ، کہیں کوئی پیچ و خم نہیں پھر بھی وہ بھٹکنے لگا تو فوراً نظریں چرا کر پوچھا۔



"تم کیا کرتی ہو، میرا مطلب ہے۔ کہاں تک پڑھا ہے؟"

"ہم نے گریجویشن کر لیا ہے۔"

"واقعی۔" اب کے وہ حیران ہوا اور بے یقینی سے دیکھ رہا تھا کہ ممی اس کے لیے ناشتا لے کر آ گئیں تو وہ ان سے کہنے لگا۔

"آپ نے سنا ممی! صوفیہ گریجویشن کر چکی ہے۔" "تو اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ نشاء کے ساتھ کی ہے اور نشاء نے گذشتہ سال بی اے کیا ہے۔" ممی کے سرسری انداز پر وہ خاموش ہو رہا۔

پھر کتنے دن گزر گئے۔ وہ اب بور ہو گئی تھی کیونکہ سب کی اپنی اپنی مصروفیات تھیں اور کوئی بھی اس کے مہمان ہونے کا خیال کرتے ہوئے بھی اس کے لیے وقت نکالنے کو تیار نہیں تھا۔ نشا اور روبی یونیورسٹی اور کالج سے آ کر کھانا کھاتے ہی اپنے اپنے کمرے میں بند ہو جاتیں۔ غالباً انہیں دوپہر میں بھرپور سونے کی عادت تھی۔ ذیشان اور فرحان صبح کے گئے رات میں لوٹتے جبکہ ممی، ذیشان اور نشا کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ بس ایک ریحان ہی تھا جو زیادہ تر گھر میں نظر آتا اور اس کا بھی اپنا موڈ تھا کبھی تو سارا دن دوستی کی فضا قائم رہتی اور کبھی سارا وقت اس کا مذاق اڑاتا رہتا۔

"ہم پٹنہ سے آئے ہیں۔ ہم چائے نائیں پیں گے۔"

اور کبھی اس کو دیکھتے ہی گنگنانے لگتا۔

"ہم بولیں گے تو بولو گے کہ بولتا ہے۔"

وہ سب خاموشی سے سنتی اور اگر اسے برا لگتا بھی تو ظاہر نہیں کرتی تھی۔ جبھی اس وقت وہ خاصا زچ ہو کر پوچھنے لگا۔

"سنو، تمہیں غصہ نہیں آتا۔"

"کس بات پر؟" وہ قصداً انجان بن کر پوچھنے لگی۔

"کسی بھی بات پر یا میری باتوں پر۔"

"نہیں۔ ہم ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ نہیں کرتے۔ البتہ اگر کوئی ہمیں گالی دے، تب ہم سے برداشت نہیں ہوتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''پھر تم کیا کرتی ہو۔ میرا مطلب ہے غصے میں۔'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''اگر بس چل جائے تو ٹھیک ورنہ ہم رونے لگتے ہیں۔''

''ارے!'' وہ ہنس پڑا۔ ''اس کا مطلب ہے تمہیں رلانا بہت آسان ہے۔''

''آپ کہیے ہم یونہی رو دیں گے۔'' ایک پل میں اس کے نین کٹورے یوں لبریز ہوئے کہ وہ حیران ہو کر دیکھے گیا اور کمال خوب صورتی سے اس نے سارا پانی اپنے اندر بھی اتار لیا پھر اسے دیکھ کر دھیرے سے مسکرائی تو وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پتا نہیں کیا کھویا تھا جو اسے اپنے اندر خالی پن کا احساس ہونے لگا تھا۔ اٹھ کر جانے لگا کہ وہ روک کر بولی۔

''سنیں۔ ریحان بھائی! آپ ہمیں ماموں جان کے گھر لے جائیں گے؟''

''ممی سے پوچھ لینا۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

''کیا وہ منع کریں گی؟''

''نہیں لیکن یہ ضرور کہیں گی کہ ان لوگوں کو آنا چاہیے۔'' پھر کچھ دیر رک کر پوچھنے لگا۔

''تم نے ماموں جان کو فون کیا تھا؟''

''ہاں اور انہوں نے آنے کا کہا بھی تھا۔ پتا نہیں کیوں نہیں آئے۔ ہم آج پھر فون کر کے معلوم کر لیتے ہیں اگر وہ نہیں آ رہے تو ہم چلے جاتے ہیں۔ آپ ہمیں لے جائیں گے ناں؟''

وہ اتنی آس سے پوچھ رہی تھی کہ وہ انکار نہیں کر سکا۔

پھر شام میں ابھی وہ فون کرنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ بڑے ماموں اپنی فیملی کے ساتھ آ گئے۔ ان کی تین اولادیں تھیں۔ دو بیٹیاں، عذرا اور سعدیہ، ایک بیٹا آصف۔ عذرا اور آصف شادی شدہ تھے۔ عذرا کا میاں باہر تھا اور وہ ان دنوں میکے میں تھی۔ ماموں جان نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور کتنی دیر تک تو تاخیر سے آنے کے اسباب بیان کرتے رہے اس کے بعد اماں اور نانی اماں کا احوال پوچھا پھر کہنے لگے۔

''اپنی نانی اماں کو ساتھ لے آتیں، آخر وہ اکیلی وہاں کیا کر رہی ہیں۔''

''اکیلی کیوں، اماں بھی تو ہیں۔'' وہ فوراً بول پڑی۔ ''بھئی، تمہاری اماں تو اپنے گھر میں رہتی ہوں گی۔ خیر تم نے آ کر اچھا کیا۔ اب ہمارے ساتھ چلو گی ناں۔''



اس نے جواب دینے سے پہلے خالہ کی طرف دیکھا اور انہیں ممانی جان کے ساتھ مصروف دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''چلو تیار ہو جاؤ، کچھ دن ہمارے پاس رہنا۔''

ماموں جان اس کا کندھا تھپک کر دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔ تو وہ خاموشی سے سب کے درمیان سے نکل آئی۔ کمرے میں آ کر بیگ میں چند جوڑے کپڑوں کے رکھ رہی تھی کہ وہ اس کے پیچھے آ کر پوچھنے لگا۔

''جا رہی ہو!''

''ہاں، ماموں جان نے ساتھ چلنے کو کہا ہے۔''

پھر خود کلامی کے انداز میں بولی: ''بس کچھ دن انکے ہاں پھر کچھ دن چھوٹے ماموں کے پاس رہ کر ہم واپس جائیں گے۔''

''واپس کہاں؟''

''انڈیا.....!'' وہ بیگ بند کر کے اسے دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب۔ کیا تم واپس بھی جاؤ گی؟''

''ظاہر ہے، ہم ہمیشہ کے لیے تو نہیں آئے۔''

''ہاں!'' وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔ ''میں تو بھول ہی گیا تھا کہ تمہیں واپس بھی جانا ہے۔ بہر حال ذیشان بھائی اور نشا کی شادی تک تو رکو گی ناں۔''

''دیکھیں۔'' اسی وقت روبی پکارتی ہوئی آ گئی تو اس نے جلدی سے اپنا بیگ اٹھا لیا اور ان دونوں کے ساتھ باہر آئی تو ماموں جان وغیرہ جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ اس نے خالہ کے قریب آ کر پوچھا۔

''ہم جائیں خالہ اماں؟''

''ہاں لیکن جلدی آ جانا۔ جمعے کو ہم شادی کی تاریخ رکھیں گے پھر تو خوب رونق ہو جائے گی اور تمہارا دل بھی لگ جائے گا۔''

ممی نے اجازت دینے کے ساتھ جلد آنے کی تاکید بھی کی تو وہ اثبات میں سر ہلا کر سب کے ساتھ باہر نکل آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



پھر ماموں جان کے گھر اس کا دل لگ گیا تھا۔ کیونکہ یہاں خالہ اماں کے گھر کی طرح خاموشی نہیں تھی۔ آصف بھیا اور عذرا باجی کے بچوں سے خوب رونق رہتی پھر سعدیہ بھی سارا دن گھر پر ہوتی تھی اور وہ ملنسار بھی تھی۔

جب ہی دن گزرتے پتا بھی نہیں چلا۔ اگر خالہ اماں کے گھر شادیوں کا سلسلہ نہ ہوتا تو ابھی وہ یہیں رہتی اور جیسے ریحان لینے آیا تھا اسے منع کر دیتی لیکن مجبوراً اس کے ساتھ آنا پڑا۔ خیر اگلے دن سے یہاں بھی شادی کا ہنگامہ شروع ہو گیا جس سے وہ بہل گئی پھر نشا کی مہندی والے روز اس کی چھوٹے ماموں اور ان کی فیملی سے ملاقات ہوئی اور بڑے دونوں کی نسبت وہ زیادہ مخلص نظر آئے۔ بہت خاموشی سے اسے لے کر الگ تھلگ جا بیٹھے اور پوچھنے لگے۔

''تم کب آئی ہو!''

''بہت دن ہو گئے ہیں ماموں! غالباً مہینہ بھر ہو گیا ہے۔''

''مہینہ بھر۔'' وہ بے حد حیران ہوئے۔ ''مجھ سے ملنے نہیں آئیں؟''

''ہم نے کہا تھا ماموں جان سے اور خالہ اماں سے بھی، لیکن کوئی ہمیں لے کر ہی نہیں گیا۔ ہم کیا کریں ہم تو خود اجنبی ہیں یہاں، اس کی سادگی اور صاف گوئی پر وہ ذرا سا مسکرائے پھر کہنے لگے۔

''اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں خود آ کر تمہیں لے جاتا۔ خیر یہ شادیاں ہو جائیں پھر ہمارے ساتھ چلنا۔''

''ہم بھی یہی سوچ رہے تھے۔ کچھ دن آپ کے پاس رہ لیں پھر واپس بھی تو جانا ہے۔ ہمیں اماں اور نانی اماں بہت یاد آ رہی ہیں۔''

''ٹھیک تو ہیں ناں وہ.....؟''

''جی.....!''

''اچھا تم تیار رہنا، ہم ذیشان کے ولیمے میں آئیں گے تو پھر تم ہمارے ساتھ چلنا۔''

ماموں کو غالباً کوئی پکار رہا تھا۔ جب ہی وہ جلدی سے اپنی بات ختم کر کے اٹھ کر چلے گئے۔

پھر پہلے ذیشان بھائی کی دلہن آئی پھر نشا رخصت ہو کر گئی جبکہ ولیمہ نشا کا پہلے ہوا، اس کے بعد ذیشان بھائی کا اور کیونکہ چھوٹے ماموں کہہ چکے تھے اس لیے صبح ہی اس نے اپنا بیگ تیار



کر کے رکھ لیا تھا۔ اب صرف کپڑے بدلنے تھے۔ واش روم میں پتا نہیں کون تھا۔ جبکہ کمرے میں کافی لڑکیاں موجود تھیں۔ اس نے کچھ دیر انتظار کیا پھر اس خیال سے کہ کہیں چھوٹے ماموں چلے نہ جائیں۔ کمرے سے نکل آئی۔ کچھ دیر پہلے اس نے انہیں برآمدے میں دیکھا تھا۔ اب وہاں نہیں تھے۔ قریب سے گزرتی ہوئی روبی سے پوچھا تو اس نے اوپر اشارہ کر دیا۔ وہ فوراً زینے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ وہ سامنے آ گیا۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' بس اسے روکنے کا بہانا تھا۔

''ہم چھوٹے ماموں کو دیکھنے جا رہے ہیں۔''

''خیریت، کیا ہوا ہے انہیں؟'' اس نے تشویش سے پوچھا تو وہ سہم کر بولی۔

''اللہ نہ کرے جو انہیں کچھ ہو۔ اصل میں ہم ان کے ساتھ جائیں گے ناں۔''

''تم ایک جگہ چین سے نہیں رہ سکتیں۔ کبھی یہاں کبھی وہاں۔'' اس نے ہلکے سے ڈانٹ کر کہا تو وہ روہانسی ہو گئی۔

''ہم کیا کریں۔ اگر نہیں جائیں گے تو وہ خفا ہوں گے۔''

''اور اگر جاؤ گی تو میں خفا ہوں گا۔ سمجھیں تم۔''

''اللہ ریحان بھائی!'' وہ دھندلائی آنکھوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگی پھر اپنے آپ سے الجھنے لگی۔

''ہم کیا کریں۔ ٹھیک ہے۔ ہم ماموں کو منع کر دیتے ہیں۔ کہہ دیں گے دو روز بعد آ کر ہمیں لے جائیں۔''

اس خیال کے تحت وہ اوپر چلی آئی۔ کمرے سے باتوں کی آواز آ رہی تھی اور ابھی اندر داخل ہونا چاہتی تھی کہ اماں کا نام سن کر رک گئی۔ خالہ اماں کہہ رہی تھیں۔

''زہرہ کا خط آیا ہے۔ لکھا ہے کہ اس نے حالات سے مجبور ہو کر صوفیہ کو یہاں بھیجا ہے اور درخواست کی ہے کہ ہم اس کی یہیں شادی کر دیں۔''

''اماں!'' اس کے اندر دور تک سناٹا پھیل گیا اور نمکین پانی نے آنکھوں کی سطح پر ٹھہرنے کا تکلف بھی نہیں کیا۔ کتنے شفاف موتی تھے جو پلکوں سے ٹوٹ کر مٹی میں رل رہے تھے۔ بنا آہٹ کیے واپس پلٹی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"ماشاءاللہ ریحان ہے ناں۔" بڑے ماموں کی آواز اس کے تعاقب میں چلی آئی۔

"ریحان تو ابھی باہر جائے گا۔" خالہ اماں پتا نہیں کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔

"تو کیا ہوا۔ دو سال گزرتے کیا پتا چلتا ہے۔"

وہ ان آوازوں سے دور چلی آئی اور زینے کی لائٹ آف کر کے وہیں بیٹھ گئی۔ آنسو کسی طرح رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ بار بار آنکھیں صاف کرتی اور وہ پھر چھلک آتے۔ دکھ بھی تو بہت ہو رہا تھا۔ کاش اس کے پر ہوتے اور وہ ابھی اڑ کر اماں کے پاس پہنچ جاتی۔ ان سے پوچھتی کہ انہوں نے اسے اتنی دور کیوں بھیج دیا۔ اس سے پوچھا کیوں نہیں اور نانی اماں تو کہہ رہی تھیں کہ وہ صرف ملنے جا رہی ہے، واپس بھی آ جائے گی پھر اب اماں نے ایسا کیوں لکھا۔

"صوفیہ!" ریحان کی پکار نے اس کی سوچوں کو منتشر کر دیا اور ایک تو نیم تاریکی دوسرے آنکھیں پانیوں سے لبریز تھیں۔ پلکیں جھپک جھپک کر اسے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟" اس نے بے حد تشویش سے پوچھا۔ وہ خاموش رہی تو بے اختیار اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"بتاؤ ناں کسی نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں....."

"پھر رو کیوں رہی ہو؟"

"وہ ہم....." وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی اور سوچ کر رک رک کر بولی۔ "ہم اوپر جا رہے تھے کسی نے لائٹ آف کر دی۔۔ اندھیرے میں ہمارا پاؤں مڑ گیا اور اب ہم سے چلا بھی نہیں جا رہا۔"

"کیسی بے وقوف لڑکی ہو۔ پکار لیتیں مجھے۔ چلو میں نیچے لے چلتا ہوں۔"

اس نے سہارا دینے کے لیے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ تو ایک پل کو اس کا دل بڑی زور سے دھڑکا۔ ابھی بڑے ماموں کیا کہہ رہے تھے کہ ریحان ہے ناں۔ فوراً نظریں چرا کر بولی۔

"نہیں ریحان بھائی! ہم خود ہی چلے جائیں گے۔"

"کیسے جاؤ گی، چلا تو نہیں جا رہا۔"

"پھر بھی آپ رہنے دیں۔" اس نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا لیکن اس نے گرفت مضبوط کر



لی اور قدرے رعب سے بولا۔

"میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا۔ چلو اٹھنے کی کوشش کرو۔" وہ فوراً کھڑی ہو گئی پھر اپنا جھوٹ نبھانے کی خاطر بہت آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگی۔ ساتھ ہی ہر قدم پر ہونٹوں سے "سی" کی آواز بھی نکال لیتی۔

"کیا بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ کہیں موچ تو نہیں آ گئی؟" وہ کچھ نہیں بولی اور کمرے میں آتے ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"پاؤں اوپر اٹھاؤ، دیکھوں کہاں چوٹ لگی ہے۔"

اس کی اتنی تشویش پر اب اسے کوفت ہونے لگی۔

"نہیں ہم خود ہی دیکھ لیں گے۔ آپ جائیں اور ہاں چھوٹے ماموں سے کہہ دیجیے کہ دو روز بعد آ کر ہمیں لے جائیں۔"

وہ قدرے بیزاری سے کہہ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ تب وہ کمرے سے نکل گیا۔ کچھ دیر بعد ہی چھوٹے ماموں کی دونوں بیٹیاں مدیحہ اور سمیعہ آ گئیں اور اسے اپنے ساتھ چلنے پر اصرار کرنے لگیں۔ وہ جانا چاہتی تھی لیکن محض ریحان کی خفگی کے باعث منع کر دیا۔ ساتھ ہی دو روز بعد آنے کا وعدہ بھی کیا۔ ان کے جاتے ہی اس نے پہلے لباس تبدیل کیا پھر لائٹ آن کر کے لیٹ گئی۔ گو کہ ابھی گھر میں کچھ مہمان موجود تھے اور کوئی کام بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن اس وقت وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا اور اپنی الجھنوں کو سلجھاتے سلجھاتے رات کے آخری پہر میں جا کر اس کی آنکھ لگی تھی۔

اگلے روز سب ہی دیر سے اٹھے تھے اس لیے کسی نے بھی اس کے دیر سے اٹھنے کا نوٹس نہیں لیا۔ خالہ اماں، ملازمہ کے ساتھ پھیلاوا سمیٹنے میں لگی ہوئی تھیں۔ فرحان بھائی اور روبی برآمدے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ وہ بہت خاموشی سے ان کے پاس آ بیٹھی۔

"آپ چائے لیجیے یا پہلے ناشتا کریں گی؟" فرحان بھائی نے اسے متوجہ کر کے کہا تو اس سے پہلے روبی بول پڑی۔

"چائے تو یہ سرے سے پیتی ہی نہیں ہے۔"

"اچھا!" وہ یونہی اچھا کہہ کر خاموش ہو گئے تب روبی اس سے کہنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"اصل میں ہم لوگ بھی ابھی اٹھے ہیں اور ناشتا کرنے کا بالکل موڈ نہیں ہے۔ تم اگر چاہو تو۔"

ریحان کو آتے دیکھ کر روبی اس کی طرف متوجہ ہوگئی اور وہ قریب آیا تو پوچھنے لگی۔

"تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"ڈیڈی کے ساتھ اور یہ انہوں نے ذیشان بھائی اور بھابی کے ٹکٹ بھیجے ہیں۔"

اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر ٹیبل پر رکھا پھر کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کل شام کی فلائیٹ ہے۔ بتادو ذیشان بھائی کو۔"

"کہاں جارہے ہیں بھیا اور بھابی۔" وہ بلا ارادہ پوچھ گئی۔

"پٹنہ۔" وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر بولا۔

"سچ۔" وہ بے اختیار ہوئی۔

"کیوں تم بھی جاؤ گی؟"

"ہاں۔"

"لیکن وہ تو ہنی مون کے لیے جارہے ہیں۔"

"پٹ نا۔" بے آواز جنبش کے بعد اس کے ہونٹ کھلے رہ گئے۔ غالباً سمجھ گئی، وہ مذاق کررہا ہے اور وہ ایک دم سنجیدہ ہوکر کہنے لگا۔

"اپنی اپنی چوائس ہے۔ لوگ ہنی مون کے لیے فرانس جاپان، انگلینڈ وغیرہ جاتے ہیں۔ بھیا بھابی پٹنہ جارہے ہیں۔ اصل میں بھیا کو گنگا میں نہانے کا بڑا شوق ہے اور بھابی کو بھیا کو گنگا میں نہاتے ہوئے دیکھنے کا شوق۔"

"ریحان!" فرحان بھائی نے بمشکل ہنسی روک کر اسے ٹوکا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا۔ پوچھ لیجیے ذیشان بھائی اور بھابی سے۔"

"شٹ اپ!" پھر اس سے کہنے لگے۔ "یہ مذاق کررہا ہے صوفیہ۔"

"ہم سمجھ رہے ہیں۔" وہ کچھ برا مان کر بولی اور وہاں سے اٹھنے کے بہانے چائے کے برتن اٹھا کر کچن میں آ گئی۔

اس گھر میں پہلے ہی خاموشی کا احساس ہوتا تھا اور اب ذیشان بھائی اور بھابی بھی چلے



گئے تھے۔ نشا بھی اپنے گھر کی ہوگئی تھی۔ اس لیے اور بھی سناٹا ہوگیا۔ اگلے روز چھوٹے ماموں اسے لینے آئے تو وہ فوراً ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوگئی۔ رات اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ چند دن چھوٹے ماموں کے پاس رہ کر پھر خالہ اماں سے کہے گی اسے واپس بھجوادیں۔

"سنو۔ جاتو رہی ہو لیکن جلدی آ جانا۔" وہ اپنی سوچوں میں مگن بیگ بند کررہی تھی کہ اچانک وہ پیچھے سے آ کر بولا۔ وہ ذرا سا چونکی پھر گہری سانس لے کر بولی۔

"ہاں، ہم جلدی آ جائیں گے پھر ہمیں واپس بھی تو جانا ہے ناں۔"

"واپس کہاں؟" وہ پتا نہیں سمجھا نہیں یا سمجھ کر انجان بنا۔

"اماں اور نانی اماں کے پاس۔"

"چھوڑو یار! واپسی کا خیال چھوڑ دو۔ ہمیشہ یہیں رہنے کی بات کرو۔"

"نہیں ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔"

"کیوں یہاں کیا تکلیف ہے تمہیں؟"

"تکلیف کی بات نہیں ہے۔ بس ہم اپنے گھر جائیں گے اماں کے پاس۔"

وہ نروٹھے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی اور بیگ اٹھا کر کمرے سے نکل آئی۔

ماموں اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے وہ خالہ اماں سے اجازت طلب کرنے لگی۔

"کب تک آؤ گی؟" خالہ اماں نے غالباً یونہی پوچھ لیا تھا جب ہی جواب کا انتظار کیے بغیر دوسری طرف متوجہ ہوگئیں تب وہ ماموں کے ساتھ باہر نکل آئی۔

بڑے ماموں اور خالہ اماں کی نسبت چھوٹے ماموں کا گھر بہت چھوٹا تھا۔ افراد بھی کم تھے۔ بس دو بیٹیاں، مدیحہ اور سمیعہ۔ چھوٹی ممانی بہت سیدھی سادی خاتون تھیں۔ اگر ماموں کی آمدنی کم تھی تو اخراجات بھی اتنے زیادہ نہیں تھے، وہ یہاں آ کر خوش ہوئی کیونکہ صحیح معنوں میں اب لگ رہا تھا کہ اپنوں کے درمیان آئی ہے۔ گھر کا خوشگوار ماحول آپس کی محبتوں کا مرہون منت تھا۔

صبح ماموں آفس چلے گئے۔ مدیحہ ایک قریبی سکول میں پڑھاتی تھی وہ بھی چلی گئی تو صرف ممانی، سمیعہ اور وہ رہ گئیں پھر بھی اسے تنہائی اور بوریت کا احساس نہیں ہوا۔ تبھی اس پر ادراک ہوا کہ بڑے لوگ اور بڑے گھروں میں رہنے والے درحقیقت اندر سے کتنے تنہا ہوتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ہیں۔ایک دوسرے سے بے خبر اپنے اپنے کمروں میں بند ہو کر وہ پتا نہیں کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں جبکہ زندگی کا مزا تو ایک دوسرے سے وابستگی میں ہے۔چھوٹی چھوٹی باتیں جو بظاہر کوئی اہمیت نہیں رکھتیں ایک دوسرے سے کہتے ہوئے وہ بھی کتنی اہم ہو جاتی ہیں۔بڑے ماموں اور خالہ اماں کے گھر میں تو سب نے صرف اماں اور نانی اماں کا احوال پوچھا تھا اور بس جبکہ یہاں وقتاً فوقتاً اس کے سارے حالات موضوع بن رہے تھے۔یوں بھی انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے بارے میں سننا بھی چاہتا ہے اور کہنا بھی اور اگر کوئی دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوری توجہ سے سنے تو نہ صرف اچھا لگتا ہے بلکہ اپنی اہمیت کا احساس بھی ہوتا ہے۔

مدیحہ اور سمیعہ کا ایک ہی کمرہ تھا اور رات میں انہوں نے اس کا بستر بھی اپنے ساتھ لگا لیا اور اب وہ دونوں باقاعدہ اس کا انٹرویو کرنے لگیں۔

''تم کس کے پاس رہتی ہو میرا مطلب ہے اپنی اماں کے پاس یا دادی اماں کے پاس؟''

سمیعہ نے اس سے پوچھا تو مدیحہ بھی اس کا جواب سننے کے لیے فوراً متوجہ ہو گئی۔

''دونوں کے پاس۔'' اس نے پہلے سرسری انداز میں کہا۔لیکن جب دونوں کو متوجہ دیکھا تو کہنے لگی۔''نانی اماں کا گھر زیادہ دور نہیں ہے۔عالم گنج میں ہی تو رہتی ہیں اور ہم دن میں ان کے پاس چلے جاتے ہیں۔کبھی کبھی رات میں بھی رہ جاتے ہیں لیکن زیادہ اماں نہیں رہنے دیتیں۔کہتی ہیں رات میں اپنے گھر آ جایا کرو۔''

''کیوں؟''

''اصل میں نانی اماں اکیلی ہیں ناں اور اماں ڈرتی ہیں کہ اگر خدانخواستہ کوئی چور وغیرہ آ جائے تو.....بس اماں کو یونہی وہم سا ہے۔حالانکہ برابر میں دلیپ کا گھر ہے اور وہ لوگ اتنا خیال رکھتے ہیں۔''

''کون دلیپ کمار؟'' وہ دونوں چونک کر پوچھنے لگیں۔

''ہاں، کیا تم جانتی ہو انہیں؟'' ان کے اس طرح پوچھنے پر وہ خاصی متعجب ہوئی۔

''لو بھلا دلیپ کمار کو کون نہیں جانتا۔مغل اعظم، دیوداس، دل دیا درد لیا۔

سمیعہ نے باقاعدہ اس کی فلموں کے نام لینے شروع کیے تو وہ ہنس پڑی۔



''نہیں بھئی، فلموں والے دلیپ کمار نہیں۔ان کے ہم نام ہیں۔''

''ارے!'' اب مدیحہ اور سمیعہ نے ہنسنا شروع کیا پھر مدیحہ کہنے لگی۔

''تمہاری جگہ اگر میں ہوتی تو بہت دیر تک بے وقوف بناتی بلکہ بہت بڑھا چڑھا کر بتاتی کہ دلیپ کمار اور سائرہ بانو، نانی اماں کے پڑوس میں رہتے ہیں اور صبح شام ان کے پاؤں چھونے آتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔''

''اور کیا۔'' سمیعہ نے پہلے بہن کی تائید کی پھر کہنے لگی۔''خیر چھوڑو۔یہ بتاؤ تمہارے اور بہن بھائی بھی ہیں۔''

''ہاں، دو بھائی دو بہنیں اور ہیں۔''

''کیسے ہیں، میرا مطلب ہے۔تمہارے ساتھ ان کا رویہ کیسا ہے۔سوتیلے والی بات تو نہیں ہے؟'' مدیحہ نے کچھ دبے لہجے میں پوچھا تا کہ وہ محسوس نہ کرے۔

''زیادہ نہیں ہے۔بس کبھی کبھی کوئی بات ہو جاتی ہے اور ہم سمجھتے ہیں چھوٹی موٹی لڑائیاں تو سگے بہن بھائیوں میں بھی ہو جاتی ہیں اس لیے ہم زیادہ محسوس نہیں کرتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ چاروں ہمیں بہت مانتے ہیں۔ہمارے بغیر نہیں رہتے۔'' وہ بڑی محبت سے اپنے بہن بھائیوں کے بارے میں بتانے لگی۔''کبھی نانی اماں کی طبیعت خراب ہو جائے اور ہم دو دن ان کے پاس رہ جائیں تو گڈو اور منا بھاگے چلے آتے ہیں۔ان کا ہمارے بغیر دل نہیں لگتا۔ہمارے لیے ابا سے بھی لڑ جاتے ہیں۔ابھی یہاں آنے سے پہلے ابا رضیہ اور صفیہ کے لیے کپڑا لائے ہمارے لیے نہیں لائے تو منا بہت بگڑا تھا۔کپڑا اٹھا کر پھینک دیا کہ تینوں بہنوں کا ایک ساتھ بنے گا ورنہ نہیں۔''

قدرے توقف کے بعد کہنے لگی۔

''ہمیں لگتا ہے۔ابا کو کسی نے بہکا دیا ہے۔پہلے تو ایسے نہیں تھے۔اب اچانک پتا نہیں انہیں کیا ہو گیا ہے۔''

''ہاں، لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔جب کوئی کام نہیں ہوتا تو دوسروں کے گھروں کا سکون تباہ کرنے کی فکر کرنے لگتے ہیں۔خیر تم فکر نہیں کرو۔جب تمہارے ابا شروع سے ایسے نہیں تھے تو اب بھی زیادہ عرصہ لوگوں کے بہکاوے میں نہیں آئیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



مدیحہ اسے تسلی دیتے ہوئے کہنے لگی۔ ''پھر تم خوش قسمت ہو کہ بہن بھائی تمہیں مانتے ہیں ورنہ زندگی بڑی عذاب ہوتی۔''

''ہم بھی یہی سوچتے ہیں کہ اب تک زیست اچھی گزر رہی تھی پھر اب ایسا کیوں ہوا۔ ہم سے تو کوئی خطا بھی نہیں ہوئی جو ہم سمجھیں کہ۔'' وہ اپنے خیال میں بول رہی تھی کہ ایک دم چونک کر خاموش ہوگئی اور غنیمت تھا کہ ان دونوں نے کریدا نہیں ورنہ اسے بتانا پڑتا کہ اماں اور نانی اماں نے کس لیے اسے یہاں بھیجا ہے۔ گو کہ یہ بات چھپی نہیں رہ سکتی تھی پھر بھی ابھی وہ اپنے منہ سے کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی۔

اگلے روز یونہی باتوں کے دوران ماموں نے پوچھ لیا کہ وہ اپنے ددھیال میں بھی کسی سے ملی ہے یا نہیں۔ اس نے نفی میں سر ہلایا تو کہنے لگے۔

''تمہاری ایک پھوپھی بھی یہیں ہمارے محلے میں رہتی ہیں۔ آتے جاتے ان کے بیٹے سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ تمہاری پھوپھی سے بھی دو تین بار سامنا ہوا ہے اور انہوں نے تمہارا بھی پوچھا تھا۔''

''سچ ماموں!'' اسے خوشی ہوئی۔ یہ ایک فطری امر ہے۔ خون نے جوش مارا اور وہ اسی وقت کھڑی ہوگئی۔

''چلیں ماموں ہمیں ابھی ان کے پاس لے چلیں۔''

''اطمینان سے چلیں گے بیٹا!''

''نہیں ماموں ابھی۔'' وہ بضد ہوئی تو ماموں کو اٹھنا بیٹھنا پڑا۔

پچھلی دو لائن کے بعد پھوپھی کا گھر تھا اور یہ فاصلہ اس نے سرخوشی کے عالم میں طے کیا۔ غالباً اپنے باپ کی مہک وہ پھوپھی کی آغوش میں محسوس کرنا چاہ رہی تھی۔ گو کہ ابا روایتی سوتیلے باپ نہیں تھے پھر بھی کبھی اسے سینے سے نہیں لگایا تھا اور باپ کے سینے میں چھپنے کی خواہش یقیناً اس کے لاشعور میں کہیں چھپی تھی۔ جو اچانک یوں بیدار ہوئی کہ وہ ایک پل صبر نہیں کر سکی۔ وہ باپ نہیں باپ کی بہن تو تھی اور ان کے سینے میں منہ چھپائے ہی جانے کب کب رُکے ہوئے آنسوؤں کو راہ مل گئی۔ یوں مچل مچل کر روئی کہ ماموں تو پریشان ہوئے ہی قریب کھڑا اس کا پھوپھی زاد تیمور بھی اس اچانک افتاد پر پریشان ہوگیا۔ غصہ بھی آیا کہ عجیب لڑکی ہے اپنے ساتھ



ساتھ اس کی ماں کو بھی رلا رہی ہے۔ اگر ماموں کا خیال نہ ہوتا تو اسے کھینچ کر ماں سے الگ کرتا۔

''بس کرو بیٹا۔ اس طرح نہیں روتے'' تیمور کی آنکھوں میں خشونت دیکھ کر ماموں آگے بڑھ آئے اور بڑی مشکل سے اسے الگ کر کے بٹھایا لیکن پھوپھی نے پھر اسے کھینچ کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

''میرے بھائی کی نشانی، میری صوفیہ، ہائے کتنا تڑپتی تھی میں تجھے دیکھنے کو۔''

پھوپھی بولے جا رہی تھیں۔ کبھی اس کا منہ چومتیں۔ کبھی اس کو آنکھوں سے لگاتیں۔ تیمور نے ماموں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود جا کر پانی لے آیا۔ زبردستی پہلے ماں کو پلایا پھر گلاس اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''اماں کیسی ہیں تمہاری؟'' رونا دھونا ختم ہوا تو پھوپھی اس سے پوچھنے لگیں۔

''ٹھیک ہیں۔''

''کیا وہ بھی آئی ہیں؟''

''نہیں۔ ہم اکیلے آئے ہیں۔''

''اچھا کیا جو آ گئی، اب وہاں رکھا ہی کیا ہے۔''

وہ خاموش رہی تو وہ تیمور سے کہنے لگیں۔ ''ارے جاؤ بیٹا چائے کا پانی رکھو۔''

''نہیں پھوپھو! ہم چائے نہیں پیتے۔'' اس نے کہا تو وہ رک کر ماں کو یوں دیکھنے لگا جیسے پوچھ رہا ہو اب کیا کروں۔

''اچھا تم بیٹھو، میں اپنی بیٹی کے لیے کھانا بناتی ہوں۔''

''اتنا تردد نہ کریں پھوپھو! ہم کوئی مہمان تھوڑی ہیں۔''

اس نے پھوپھو کا ہاتھ پکڑ کر روک دیا پھر ماموں کو پہلو بدلتے دیکھ کر بولی۔

''ماموں! ابھی ہم یہیں رک جاتے ہیں۔ کل آپ کے پاس آ جائیں گے۔''

''ہاں ہاں۔ اب یہ یہیں رہے گی میرے پاس۔''

''اچھی بات ہے پھر میں چلتا ہوں۔'' ماموں اٹھ کھڑے ہوئے تب خیال آنے پر تیمور نے انہیں چائے کے لیے روکنا چاہا لیکن وہ آئندہ پر ٹال کر چلے گئے۔

''اور کوئی نہیں ہے پھوپھو'' اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"اور کون ہے۔ نسرین کی شادی ہوئے زمانہ ہو گیا۔ دو سال پہلے تمہارے پھوپھا اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بس میں اور تیمور ہیں۔ یہ بھی سارا دن دفتر ہوتا ہے۔ میرا اکیلا دم، اب تم آ گئی ہو تو میں اب اکیلی نہیں ہوں گی۔"

"لیکن ہم تو چلے جائیں گے۔" اس نے یوں کہا جیسے ان کی تنہائیاں شیئر کرنے سے معذوری ظاہر کر رہی ہو۔

"کہاں؟"

"واپس انڈیا۔"

"نہ بیٹا! اب واپس نہیں جانا۔ بلکہ اپنی اماں سے کہو، وہ بھی یہیں آ جائیں۔ سارے عزیز رشتے دار تو یہاں ہیں۔ وہ اکیلی وہاں کیا کر رہی ہیں۔" اس نے ایک بار پھر خود کو بولنے سے باز رکھا۔ کیونکہ وہ یہاں اور وہاں کی بحث میں نہیں الجھنا چاہتی تھی۔ تبھی تیمور ٹرے میں کچھ لوازمات سجا کر لے آیا اور اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

"آپ مہمان نہیں ہیں، لیکن پہلی بار آئی ہیں وہ بھی دور سے۔"

"پھر بھی اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی۔"

"یہ تو آپ اب کہہ ہی ہیں ناں واپس جا کر کہیں گی کہ وہاں کسی نے خاطر داری نہیں کی۔"

"ہم آپ کو ایسے نظر آتے ہیں۔" وہ کہہ کر پچھتائی کیونکہ وہ بغور اسے دیکھنے لگا تھا۔ پھر دھیرے سے مسکرایا تو وہ فوراً نظریں چرا گئی۔

اس رات وہ پھوپھو کے ساتھ ان کے سینے سے لگ کر بہت پرسکون نیند سوئی۔ ورنہ جب سے یہاں آئی تھی عجیب طرح کی بے چینی کا شکار تھی۔ صبح بھی معمول کے مطابق اٹھی۔ نماز پڑھ رہی تھی کہ پھوپھو اٹھ کر آ گئیں۔ اسے جاء نماز پر دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور جب وضو کر کے آئیں تو وہ نماز پڑھ چکی تھی۔

"سونا چاہو تو سو جاؤ، ابھی بہت سویرا ہے۔" پھوپھو نے اس کے صبیح چہرے کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں پھوپھو! ہم رات بہت سکون سے سوئے۔ اب نیند نہیں آئے گی، آپ نماز



پڑھیں، ہم ناشتا بنا لیتے ہیں۔"

"ہائیں!"

"منع نہیں کریں پھوپھو! ہم بیکار بیٹھے بیٹھے تھک گئے ہیں" پھوپھو کے منع کرنے سے پہلے ہی اس نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور اتنی لجاجت سے بولی کہ پھوپھو نے اس کی پیشانی چوم لی۔

"اچھا دیکھو، تیمور کے لیے تہہ دار روٹی بنانا اور گھی میں تلنا نہیں۔ وہ بگڑتا ہے۔ بنا لو گی ناں۔"

"ہاں!" وہ ہنستی ہوئی کچن میں آ گئی۔ پہلے آٹا گوندھ کر رکھا پھر بھجیا بنانے کی غرض سے آلو چھیلنے لگی، کچھ اتنی مگن سی تھی کہ تیمور کے آنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ اس نے کھانس کر متوجہ کیا تو بری طرح چونکی پھر شاکی لہجے میں بولی۔

"آپ نے تو ہمیں ڈرا ہی دیا۔"

"سوری، لیکن آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

"ناشتا بنا رہے ہیں۔"

"وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"پھر.....؟" وہ کڑھائی کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگی اور وہ قدرے خفگی سے بولا۔

"یہ آپ کا کام نہیں ہے، چلیں اٹھیں یہاں سے۔" پھر وہیں سے پکار کر بولا۔ "اماں! یہ آپ نے انہیں کام سے بھی لگا دیا۔"

"پھوپھو نے نہیں کہا، ہم خود کر رہے ہیں۔" وہ فوراً بول پڑی۔ "اور آپ بھی منع نہیں کریں، ہم مہمان نہیں ہیں۔"

"مہمان نہیں ہیں پھر؟" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تو وہ رخ موڑ کر چولہا جلاتے ہوئے بولی۔

"ہمیں نہیں پتا، بس آپ جائیں یہاں سے ہمیں کام کرنے دیں۔"

"اچھی بات ہے لیکن اتنا بتا دیں ناشتا کتنی دیر میں بن جائے گا۔ کیونکہ مجھے آفس بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



بھی جانا ہے۔"

"فکر نہیں کریں۔ آپ کو ناشتا مل جائے گا۔"

"لگتا تو نہیں ہے۔" وہ محض اسے چھیڑنے کی غرض سے کہتا ہوا چلا گیا تو وہ جلدی جلدی روٹی بیلنے لگی پھر اس کے تیار ہونے سے پہلے ہی وہ ناشتا تیار کر چکی تھی۔ پھوپھو کے کہنے کے مطابق بغیر تلی ہوئی تہہ دار روٹی، آلو کی بھجیا، آملیٹ اور چائے۔ تینوں نے ایک ساتھ ناشتا کیا پھر آفس جانے سے پہلے وہ اس سے پوچھنے لگا۔

"ابھی تو آپ یہیں رہیں گی ناں؟"

"ہاں ہاں یہیں رہے گی۔" اس سے پہلے پھوپھو بول پڑیں۔

"نہیں پھوپھو! ماموں آ گئے تو ہم ان کے ساتھ چلے جائیں گے۔"

اسے کہنا پڑا۔

"پھر ہمیں واپس بھی تو جانا ہے۔ دیکھیں خالہ اماں کیا کہتی ہیں۔ اگر کچھ دن اور رکنا پڑا تب ہم دوبارہ آپ کے پاس آئیں گے، ابھی ہم نہیں رک سکتے۔"

"تمہیں جانے کی اتنی جلدی کیا ہے۔ یوں بھی تین مہینے تو آرام سے رہ سکتی ہو۔"

"اچھا اماں! میں چلتا ہوں۔" اسے دیر ہو رہی تھی اس لیے ان کی بحث و تکرار سے پہلے اٹھ کھڑا ہوا پھر جاتے جاتے اس سے کہنے لگا۔

"او کے" پتا نہیں آپ سے دوبارہ ملاقات ہو گی بھی یا نہیں اس لیے خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔" اس نے ایک لحظہ کو اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر پھوپھو کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

پھر ابھی دوپہر پوری طرح نہیں ڈھلی تھی کہ ماموں آ گئے اور وہ پھوپھو کے اتنی محبت اور اصرار سے روکنے کے باوجود نہیں رک سکی۔ اصل میں وہ اندر سے سہم سی گئی تھی کہ اماں نے اسے ہمیشہ کے لیے خود سے دور کر دیا ہے اور اس سے پہلے کہ اماں کی خواہش کے مطابق یہاں اسے پابند کر دیا جاتا، وہ واپس چلی جانا چاہتی تھی۔ جب ہی پھوپھو کے آنسوؤں کے ساتھ ان نے بھی آنسو بہائے لیکن مزید رکنے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ ماموں کے ساتھ آ کر ابھی سمیعہ کے پاس بیٹھی ہی تھی کہ ریحان لینے آ گیا۔ وہ اس کے ساتھ جانے کے لیے بھی فوراً تیار ہو گئی لیکن ماموں منع



کرنے لگے اور ان کے لہجے میں پھوپھو جیسا اصرار نہیں تھا۔ اس کے برعکس جانے کیا بات تھی کہ وہ خاموش ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔

"تم نہیں جاؤ گی۔ اب تمہیں یہیں رہنا ہے میرے پاس۔" ان کا انداز حتمی تھا اور اس کے خاموش رہنے پر ریحان خاصا جز بز ہو کر بولا۔

"ٹھیک ہے ماموں! یہ آپ کے پاس رہے گی لیکن کچھ دنوں کے لیے تو ہمارے ہاں بھیج دیں۔ گھر میں ایک دم سناٹا ہو رہا ہے۔ ہفتے بھر بعد میں بھی چلا جاؤں گا پھر جب بھیا، بھابی آ جائیں تو آپ اسے لے آیئے گا۔"

"نہیں، یہ تو اتفاق سے صوفیہ یہاں ہے اگر نہ ہوتی تو تب تم کیا کرتے۔"

پتا نہیں ماموں اس پر اتنا حق کیوں جتا رہے تھے۔ وہ سمجھ نہیں سکی اور ریحان کے اشارہ کرنے پر کہنے لگی۔

"ہمیں جانے دیں ماموں! ہم پھر آ جائیں گے۔" اس کی منت پر ماموں خاموش ہو رہے اور پھر جیسے نہ چاہتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تو وہ الجھتی ہوئی اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

"ظالم سماج۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بڑبڑایا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

"کسے کہہ رہے ہیں؟"

"ارے سارے ہی ظالم سماج بنے ہوئے ہیں لیکن دیکھ لینا۔ میں کسی کو بھی اپنے راستے کی دیوار نہیں بننے دوں گا۔"

"پتا نہیں۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہماری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔" اس کے الجھنے پر وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگا۔

"سب سمجھ جاؤ گی، ابھی یہ بتاؤ کہاں چلو گی؟"

"گھر اور کہاں؟"

"گھر بعد میں جائیں گے چلو پہلے میں تمہیں کلفٹن کی سیر کرا دوں۔"

پتا نہیں وہ پہل سے یہ ارادہ کر کے آیا تھا یا اب اچانک موڈ بنا تھا کہ گاڑی کلفٹن کے راستے پر موڑ دی۔ وہ قصداً خاموش رہی کیونکہ جانتی تھی کہ اس وقت اس کے رحم و کرم پر ہے اور وہ اپنی من مانی ہی کرے گا۔ پھر بقیہ تمام راستہ دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ جس وقت وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اس کے ساتھ ساحل پر اترا تب بھی اچھی خاصی دھوپ تھی اور وہ کہے بغیر نہیں رہ سکی۔

''شام کو آتے تو اچھا لگتا ناں۔''

''شام بھی ہو جائے گی۔ آؤ۔ وہاں بیٹھتے ہیں۔''

اس کے لہجے کی غیر معمولی سنجیدگی محسوس کر کے وہ پھر خاموش ہو رہی، جبکہ دل کسی انجانے اندیشے سے دھڑکنے لگا تھا۔ ایک بڑے سے پتھر پر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود سامنے بیٹھا تو کہنے لگا۔

''مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ جب ہی میں تمہیں یہاں لے آیا ہوں۔''

اس نے ایک پل کو سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر سر جھکا کر ریت پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے لگی۔

''سنو! تم نے کہا تھا کہ تم یہاں آنا نہیں چاہتی تھیں۔ تمہیں زبردستی بھیجا گیا ہے۔ مجھے بتاؤ۔ تمہارے ساتھ یہ زبردستی کس نے اور کیوں کی؟'' اُسے پوری طرح اپنی طرف متوجہ کرنے کی خاطر اس نے اپنا پاؤں اس جگہ رکھ دیا۔ جہاں وہ لکیر کھینچ رہی تھی اور اس غیر متوقع سوال پر وہ سوچ میں پڑ گئی کہ وہ کیوں پوچھ رہا ہے۔

''بتاؤ ناں؟'' اس کے اصرار پر وہ نظریں چرا کر بولی۔

''اصل میں ہم کبھی اماں سے الگ نہیں ہوئے۔ اس لیے نہیں آنا چاہتے تھے لیکن اماں بضد تھیں کہ ہمیں آپ سے ہمارا مطلب ہے سب عزیزوں رشتہ داروں سے ضرور ملنا چاہیے جبھی انہوں نے زبردستی بھیجا اور اب ہم واپس جانا چاہتے ہیں۔''

''لیکن خالہ جان تو تمہیں واپس نہیں بلانا چاہتیں بلکہ انہوں نے تو لکھا ہے کہ تمہیں ہمیشہ کے لیے یہیں روک لیا جائے۔'' وہ ٹٹولتی ہوئی نظریں اس پر جما کر بولا۔

''نہیں۔'' وہ روہانسی ہو گئی ہے۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہاں تمہارے لیے حالات سازگار نہیں ہیں۔ تمہارا باپ جس شخص کے ساتھ تمہاری شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ تمہارے لیے موزوں نہیں ہے۔''

''یہ آپ سے کس نے کہا؟''

اس نے اپنے لہجے کی کمزوری خود محسوس کی۔ اپنی ذات اپنی ہستی کا غرور ہی تو سب کچھ



ہوتا ہے۔ سلامت رہے تو دنیا کی کوئی طاقت سر جھکانے پر مجبور نہیں کر سکتی اور اس کا غرور خواہ اس کی بہتری کے لیے ہی سہی اس کی اپنی ماں نے چھین لیا تھا یا مٹی میں ملا دیا تھا کہ وہ اس کے سامنے سر نہیں اٹھا پا رہی تھی۔

''یہ ساری تفصیل خالہ جان نے ممی کو خط میں لکھی ہے۔'' اس نے بتایا پھر قدرے تعجب سے پوچھا۔

''کیا تمہارے علم میں نہیں تھا؟''

''نہیں۔'' اس نے مصلحتاً جھوٹ بولا۔ ورنہ اسے معلوم تھا کہ ابا اس کی شادی خالد سے کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لیے اماں نے اسے یہاں بھیج دیا۔ لیکن یہ گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح خالہ اماں کو خط لکھ کر اسے ہمیشہ کے لیے یہیں رکھنے پر مجبور کریں گی۔ کیونکہ اس سے تو اماں اور نانی اماں دونوں نے ہی کہا تھا کہ جب چاہے واپس چلی آنا۔

''خیر، اب تو معلوم ہو گیا ناں کہ تمہیں یہیں رہنا ہے۔'' قدرے توقف کے بعد پھر کہنے لگا۔ ''ویسے اگر یہ بات نہ ہوتی تب بھی تمہیں یہیں رہنا تھا۔ کیونکہ تمہاری واپسی کے ہر راستے پر میں اپنی محبت کی دیواریں کھڑی کر چکا ہوں اور تم انہیں پھلانگ کر نہیں جا سکتی تھیں۔''

''میرے خدا!'' اس کے آنسو ایک تواتر سے بہہ نکلے۔ وہ اپنی محبت کا مان دے کر اس کی ہستی کا غرور اسے لوٹا رہا تھا۔ ان دیکھا بوجھ سرکتے ہی اس نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ اس کی پلکوں پر ٹھہرے قطرے انگلیوں پر سمیٹ کر بولا۔

''روتی کیوں ہو؟ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو پڑتا ہے پھر میرا یقین کرو میں خود تمہیں خالہ جان سے ملوانے لے جاؤں گا۔''

وہ خاموش رہی اور کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ کہنے لگا۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ میں ایف آر سی ایس کے لیے باہر جاؤں گا تو ایک ہفتے بعد میری روانگی ہے۔ تم گھبرانا نہیں بلکہ میرے حوالے سے اچھے اچھے خواب سجانا، دیکھنا وقت کو پر لگ جائیں گے، میں نے ممی سے بھی بات کر لی ہے، تم انہی کے پاس رہنا، کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہے سمجھیں تم۔''

''آپ نے خالہ اماں سے کیوں کہا؟'' وہ یہ سوچ کر پریشان ہو گئی کہ اب خالہ اماں کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



سامنا کیسے کرے گی۔

''ممی کو بتانا ضروری تھا کہ تم میری امانت ہو ورنہ۔'' وہ قصداً خاموش ہو گیا اور وہ سمجھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''گھر چلیں۔''

''ارے ابھی تو میں نے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ کتنے پیمان باندھنے ہیں اور۔''

''نہیں، ہم کوئی پیمان نہیں باندھیں گے۔'' وہ نروس ہو رہی تھی۔

''کیوں؟'' وہ اٹھ کر اس کے قریب آیا اس کے چہرے پر نظر پڑی۔ کھلتی ہوئی رنگت گلابی ہو رہی تھی۔ بار بار پلکیں جھپکتی وہ دل کے بے حد قریب محسوس ہوئی۔ بے اختیار اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

''تمہیں میرا اعتبار ہے ناں۔ بس میرا یقین رکھنا، میں تمہارے دل سے سارے ملال مٹا کر تمہیں بہت خوش رکھوں گا۔''

وہ بس ایک نظر اسے دیکھ سکی پھر سر جھکا کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

پھر پورا ہفتہ اسی افراتفری میں گزر گیا۔ مہمانوں کی آمد و رفت اس کے جانے کی تیاریاں اور اپنی ٹکٹ وغیرہ کے لیے بھی وہ خود ہی مصروف رہا۔ گھر میں جتنی دیر رہتا بہت عجلت میں نظر آتا۔ پتا نہیں کون کون سے کام نپٹانے میں لگا ہوا تھا جبکہ وہ بے حد آزردہ تھی کہ اسے ایک بے نام سے بندھن میں باندھ کر وہ خود اتنی دور جا رہا ہے اور جب آخری لمحوں میں وہ اس کے پاس آیا تو وہ ضبط کرتے کرتے بھی رو پڑی۔

''ارے رے!'' اس نے فوراً بڑھ کر اس کی کلائیاں تھام لیں۔ ''مجھے یہی خدشہ تھا۔ بھلا رونے کی کیا بات ہے۔''

''ہمیں ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ بے شمار اندیشوں میں گھری ہوئی بس اس قدر کہہ سکی۔

''کیوں؟''

''ہم اکیلے ہو جائیں گے اور ہمارا دل بھی نہیں لگے گا۔''

''ہاں، دل نہ لگنے والی بات تو ٹھیک ہے۔'' وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر بولا۔



''لیکن اکیلی کیوں ہو گی۔ گھر میں ممی اور روبی ہیں پھر کچھ دنوں میں ذیشان بھائی اور بھابی بھی آ جائیں گے۔ تم سب کے ساتھ خود کو ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرو۔ آخر تمہیں یہیں سب کے ساتھ مل کر رہنا ہے۔''

''ہم کیا کریں۔ ہم تو سب کے ساتھ باتیں کرنا چاہتے ہیں لیکن کسی کو فرصت ہی نہیں ہوتی۔'' وہ شاکی نہیں تھیں۔ حقیقت بتا رہی تھی۔ تب وہ سوچ کر بولا۔

''ایسا کرو، ایم اے میں ایڈمیشن لے لو، تم بھی مصروف ہو جاؤ گی، ہاں یہ ٹھیک ہے، میں ممی سے کہہ دوں گا۔ اس طرح تمہارا وقت بھی سہولت سے کٹ جائے گا۔'' پھر ممی کے پکارنے پر اس کی ٹھوڑی چھو کر بولا۔

''چلتا ہوں اور اب رونا نہیں۔ چلو ہنس کر خدا حافظ کہو۔''

''خدا حافظ۔'' وہ بھیگی پلکوں کے ساتھ دھیرے سے مسکرائی تو وہ اس کی سندرتا کو آنکھوں کی گہرائیوں میں اتارتا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



زندگی کے اس موڑ پر کوئی ایک پل اس کے لیے خوشی کا نہیں تھا۔ گو کہ وہ اس کے دامن میں اپنی محبت کی انمول کلیاں ڈال گیا تھا پھر بھی وہ اداسیوں کے حصار سے نہیں نکل پا رہی تھی اور اب تو واپسی کے دروازے بھی بند ہو گئے تھے۔ اماں اور بہن بھائیوں کا خیال آتا تو دل میں ہوک سی اٹھتی کہ پتا نہیں وہ کبھی ان سب کو دیکھ بھی سکے گی یا نہیں۔

پھر ریحان کا خیال آتا جس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ خود اسے اماں سے ملوانے لے جائے گا اور اسے ریحان کا اعتبار تو تھا لیکن جانے کیوں اپنی قسمت سے شاکی تھی۔ جو خواب سجاتے ہوئے بھی ڈرتی تھی۔ ہمہ وقت عجیب طرح کے واہمے پریشان کرتے۔ جن سے وہ ہزار کوشش کے باوجود پیچھا نہیں چھڑا پا رہی تھی۔ وہ بھی کیا کرتی، کس کس بات کو اپنا وہم سمجھ کر جھٹلاتی۔

ریحان کے جاتے ہی خالہ اماں نے کس تیزی سے رنگ بدلا تھا۔ اتنی سرد مہری اور آنکھوں میں ایسی چبھن کہ ان کے سامنے جاتے ہی اسے اپنے پورے وجود میں شگاف پڑتے محسوس ہوتے۔ اسی طرح روبی کا تنفر بھی اسے بری طرح محسوس ہوتا اور ان بدلتے رویوں کا سبب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کبھی اپنی خطا کھوجتی اور کبھی اماں کو الزام دینے بیٹھ جاتی جنہوں نے زبردستی اسے یہاں بھیجا تھا پھر آخر میں خود کو بہلانے لگتی کہ یہ سب وقتی باتیں ہیں۔ ریحان کے آتے ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔



اس وقت بھی وہ خود کو بہلانے میں مصروف تھی کہ قریب سے گزرتے ہوئے فرحان نے کر کہا۔

''چھوٹے ماموں آئے ہیں، آپ ملیں ان سے۔''

''نہیں'' وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ ''کہاں ہیں؟''

''ادھر ڈرائنگ روم میں۔'' وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے اور وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی تو ماموں اکیلے بیٹھے تھے۔ اسے حیرت ہوئی جس پر قابو پا کر انہیں سلام کیا۔

''السلام علیکم ماموں۔''

''جیتی رہو۔'' ماموں کی شفیق مسکراہٹ نے اسے بڑا سہارا دیا۔ فوراً ان کے پاس آ بیٹھی اور پوچھنے لگی۔

''کب آئے آپ!''

''ابھی کچھ دیر ہوئی۔ تم کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہیں ہم اور یہ آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں۔ اندر چلیں ناں۔'' وہ کہتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھنے لگی کہ انہوں نے روک دیا۔

''نہیں بیٹا! یہ بڑے لوگوں کا گھر ہے۔ یہاں غریب رشتہ داروں کو یونہی باہر سے ٹہلا دیا جاتا ہے۔''

ماموں غالباً عادی ہو چکے تھے اس لیے انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا پھر بھی وہ چپ سی ہو گئی۔ تب وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

''میرے ساتھ چلو گی۔ مدیحہ اور سمیعہ بہت یاد کرتی ہیں تمہیں۔''

''یاد تو ہم بھی کرتے ہیں ماموں اور ہمارا دل بھی چاہتا ہے آپ کے پاس رہنے کو۔ پتا نہیں خالہ اماں اجازت دیں گی یا نہیں۔''

اس نے بات ختم کی تھی کہ خالہ اماں آ گئیں۔ ماموں کے ساتھ وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

''کیسے آئے منیب؟'' ماموں کے سلام کا جواب دیئے بغیر خالہ اماں نے پوچھا اور ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس سے کہنے لگیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''صوفیہ! چائے وغیرہ تو لاؤ ماموں کے لیے۔''

''نہیں آپا! چائے رہنے دیں۔ میں صوفیہ کو لینے آیا تھا۔''

''ہاں ہاں۔ لے جانا اسے۔ چائے تو پی لو۔ جاؤ صوفیہ چائے۔'' خاصا عجلت بھرا انداز تھا خالہ اماں کا اور کچھ اکتایا ہوا سا بھی۔

وہ جلدی سے کچن میں آ گئی۔ ماما موجود تھی پھر بھی اس نے خود ہی چولہا جلا کر چائے کا پانی رکھا۔

''ہٹو۔ میں بنا دیتی ہوں۔'' ماما نے اسے کچن سے نکال دیا تو اس نے سوچا۔ خالہ اماں نے ماموں کو اُسے ساتھ لے جانے کا کہہ تو دیا ہے پھر بھی اسے اپنے طور پر بھی پوچھ لینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو۔ بعد میں وہ کہیں کہ ان سے پوچھے بغیر چلی گئی۔ اسی خیال سے دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ رہی تھی کہ خالہ اماں کی تیز آواز نے اس کے قدم روک دیے۔

''زہرہ نے اگر اس نیت سے لڑکی کو میرے پاس بھیجا ہے کہ میں اُسے اپنی بہو بنا لوں گی تو بے شک تم صوفیہ کو واپس بھجوا دو۔ میں اسے اپنی بہو نہیں بنا سکتی۔''

''اماں!'' اس کے اندر درد انگڑائیاں لینے لگا۔ دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر وہیں بیٹھی چلی گئی۔ اچھا تھا جو اماں اسے خالد کے ساتھ بیاہ دیتیں، دوسروں کے در پر آ کر اتنی بے وقعت تو نہ ہوتی۔

''کیوں آپا! کیا برائی ہے اس میں؟''

''ارے تم لوگوں کو کہاں برائی نظر آئے گی۔

تمہارے لڑکے جو نہیں ہیں۔ لڑکے ہوتے تمہارے یا بڑے بھیا کے تب میں دیکھتی۔

بہرحال میں کہے دے رہی ہوں کہ مجھ سے کوئی امید نہ رکھو۔ البتہ اس کی شادی کے لیے پیسہ چاہیے ہوگا تو وہ میں دے دوں گی۔''

خالہ اماں کا تلملایا ہوا لہجہ بتا رہا تھا جیسے ان کا بس نہیں چل رہا کہ اسے اور ماموں کو اٹھا کر باہر پھینک دیں۔ اس نے دور سے ماما کو چائے لاتے ہوئے دیکھا تو بمشکل دیوار کا سہارا لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یوں بھی میں زمان اور ریحان دونوں کی بات چلا چکی ہوں۔''



خالہ اماں کا یہ جملہ پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اس کے کانوں میں اترا اور وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی کمرے تک آئی، تو دل چاہا چیخ چیخ کر سارا گھر سر پر اٹھا لے لیکن وہ مزید تماشا نہیں بن سکتی تھی۔ پھر اپنی خودی کا بھرم بھی رکھنا تھا آنکھوں میں جمع سارا پانی قطرہ قطرہ اپنے اندر اتار لیا اور اپنا بیگ لے کر دوبارہ ڈرائنگ روم میں آئی تو خالہ اماں کو نظر انداز کر کے مضبوط لہجے میں بولی۔

''چلیں ماموں اب ہم آپ کے پاس رہیں گے۔''

''ہاں چلو۔'' ماموں کی چائے ابھی ختم نہیں ہوئی تھی پھر بھی وہ کپ رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے ''اچھا آپا! ہم چلتے ہیں''

''اچھا.....!'' خالہ اماں نے مروتاً بھی اسے دوبارہ آنے کو نہیں کہا اس نے کچھ دیر رک کر انہیں دیکھا بھی وہی چبھتی ہوئی نظریں، تب وہ ماموں سے پہلے ہی باہر نکل آئی۔

خالہ اماں کی باتیں ایسی نہیں تھیں جنہیں وہ سر جھٹک کر بھول جاتی اس کے دل میں ترازو ہو گئی تھیں۔ جب بھی تنہا ہوتی اس کا ذہن بھٹک جاتا اور اندر قطرہ قطرہ لہو ٹپکنے لگتا گو کہ اب ماموں اس کا بہت خیال رکھنے لگے تھے پھر ممانی، مدیحہ اور سمیعہ کی محبتوں میں بھی کمی نہیں آئی تھی لیکن جو محبت کھو گئی تھی اس کا ملال نہیں جاتا تھا اور وہ کیا کرتی، دل تو یوں بھی سودائی ہے، سمجھاتے سمجھاتے تھک گئی تھی۔

کتنے بہت سارے دن گزر گئے وہ ابھی تک اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں اور زیادتیوں پر کڑھ رہی تھی۔ کہ اس روز ممانی کو مدیحہ اور سمیعہ کی شادی کے سلسلے میں متفکر دیکھ کر اس کی سوچوں کو نئی راہ مل گئی پھر جو اس نے سوچا، وہ سب سے پہلے مدیحہ اور سمیعہ سے کہا۔

''اب جب کہ یہ طے ہے کہ ہمیں یہیں رہنا ہے واپس نہیں جانا تو ہمیں اس طرح نہیں بیٹھے رہنا چاہیے ہمارا مطلب ہے تم ہمیں بھی کسی سکول میں جاب دلا دو۔''

''کیا تم جاب کرو گی؟'' سمیعہ نے برملا حیرت کا اظہار کیا تو اس کا چہرہ لمحہ بھر کو تاریک ہو گیا اور مدیحہ محسوس کرتے ہی فوراً بات سنبھالنے کی غرض سے بولی.....

''میرا مطلب ہے۔ تمہیں جاب کرنے کی کیا ضرورت ہے ویسے ابو بھی اجازت نہیں دیں گے۔''

''کیوں، ماموں اجازت کیوں نہیں دیں گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''اس لیے کہ تم یہاں۔''

''ہم مہمان نہیں ہیں۔'' وہ فوراً بول پڑی ''اور ہمیں مستقل بوجھ بن کر رہنا اچھا نہیں لگتا۔''

''کم آن صوفیہ! تم بوجھ نہیں ہو، اگر ابو کے سامنے ایسا کہو گی تو انہیں بہت دکھ ہوگا، پتا ہے ابو کہتے ہیں پہلے میری دو بیٹیاں تھیں۔ اب تین ہیں۔'' مدیحہ نے سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

''ہم جانتے ہیں یہاں سب ہم سے بہت محبت کرتے ہیں پھر بھی ہم اس طرح نہیں رہنا چاہتے اگر ماموں اجازت نہیں دیں گے تو پھر ہم واپس چلے جائیں گے۔''

آخری جملہ کہتے ہوئے اسے خود بہت دکھ ہوا تب مدیحہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''اچھا دیکھو، تم ابو سے بات کرو لیکن پلیز ان سے بوجھ والی بات نہیں کہنا بلکہ یہ کہو کہ تم فراغت سے بور ہو گئی ہو اور کچھ کرنا چاہتی ہو وغیرہ وغیرہ سمجھیں۔''

''ہاں ہم ایسا ہی کہیں گے۔''

وہ سمجھ کر بولی اور پھر اسی شام اس نے ماموں سے بات کی تو انہوں نے پہلے اسے ایم اے کرنے کا مشورہ دیا لیکن وہ نہیں مانی کیونکہ اس طرح وہ ان کے اخراجات میں اضافے کا سبب بن رہی تھی جب کہ اس کا فیصلہ کچھ اور تھا بہرحال تھوڑی منت سماجت کے بعد اس نے ماموں کو منا ہی لیا۔ اس کے بعد وہ مدیحہ کے سر ہو گئی کہ وہ اسے جاب دلا دے۔ خود اس کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ وہ یہاں بالکل اجنبی تھی راستوں سے قطعی ناآشنا، ورنہ وہ خود کوشش کرتی۔ پھر غالباً قسمت یہاں مہربان تھی جو ہفتے بھر بعد ہی اسے ایک قریبی سکول میں جاب مل گئی۔

زندگی تھوڑی سی مصروف ہوئی تو اُسے بہت سی تکلیف دہ یادوں سے نجات مل گئی، آدھا دن سکول میں گزر جاتا دوپہر میں کچھ دیر سو لیتی پھر شام سے رات تک کے سارے کام وہ اور مدیحہ مل کر نمٹاتیں اس کے بعد جب تک آنکھیں نیند سے بوجھل نہیں ہو جاتی تھیں تب تک وہ بیٹھی باتیں کرتی رہتی۔ کیونکہ اب وہ کسی کو بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اور اتنی احتیاطوں کے باوجود جب وہ تکیے پر سر رکھتی تو خواہ ایک پل کو ہی سہی ایک ہاتھ اس کی طرف ضرور بڑھتا تھا۔

''تمہیں میرا اعتبار ہے ناں، بس میرا یقین رکھنا میں تمہارے دل سے سارے ملال مٹا کر تمہیں بہت خوش رکھوں گا'' اور ہر رات اس ہاتھ کو جھٹکنے کے لیے اسے اپنی ساری توانائیاں



صرف کرنی پڑتی تھیں۔

☆☆☆

ابھی وہ اپنے طور پر زندہ رہنے کے ڈھنگ سیکھ رہی تھی کہ ایک نیا موڑ آیا۔ اس روز سکول سے واپس آ رہی تھی کہ اچانک تیمور سے سامنا ہو گیا، وہ اپنی جگہ شرمندہ کہ قریب رہتے ہوئے بھی وہ دوبارہ پھوپھو کے پاس نہیں گئی، جب کہ وہ حیران کھڑا تھا۔

''آپ یہاں؟'' کتنی دیر بعد وہ کہہ سکا۔

''ہم یہاں سکول میں پڑھاتے ہیں۔'' وہ اپنی خجالت چھپانے کو جلدی سے بولی.....

''اچھا.....!'' وہ اپنی بے خبری پر ذرا سا ہنسا۔ ''میرا تو خیال تھا آپ واپس جا چکی ہیں''

''پھوپھو کیسی ہیں؟'' وہ اس کی بات ان سنی کر گئی۔

''بس آج کل کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے ان کی، فرصت ملے تو آیئے گا، بہت یاد کرتی ہیں آپ کو۔''

وہ اپنی بات کہہ کر آگے بڑھ گیا تو اس نے ذرا سی گردن موڑ کر اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر اپنے راستے پر مڑ گئی، خواہ مخواہ کی جھنجھلاہٹ سوار ہو گئی تھی کیونکہ اپنی پوزیشن آکورڈ کرنے میں سراسر اس کا اپنا قصور تھا پھر شام میں ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ ماموں کے آنے پر ان کے ساتھ پھوپھو کے پاس جائے گی کہ پھوپھو خود آ گئیں۔

''مجھے ابھی تیمور نے بتایا کہ تم یہاں ہو، لو میں تو یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ تم واپس چلی گئی ہو جب ہی نہیں آئیں، کیوں نہیں آئیں۔'' پھوپھو کے ٹوکنے پر وہ مزید شرمندہ ہو گئی۔

''بس پھوپھو! ہم ابھی آ رہے تھے۔''

''ہاں اب تو یہی کہو گی۔''

''پلیز پھوپھو، ناراض نہیں ہوں۔'' وہ ان کے گلے میں بازو ڈال کر لجاجت سے بولی۔

''اچھا چل! ابھی میرے ساتھ۔ نسرین بھی آئی ہوئی ہے۔ اسی نے بھیجا ہے مجھے کہ تمہیں لے آؤں ورنہ میں کبھی نہ آتی۔''

پھوپھو نے پیار بھری خفگی کے ساتھ جتایا تو وہ ممانی کی طرف دیکھنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''چلی جانا بیٹا! لیکن پہلے اپنی پھوپھو کو چائے تو پلاؤ۔'' ممانی کے کہنے پر وہ اٹھی تو پھوپھو بھی کھڑی ہوگئیں۔

''نہیں بہن! چائے پھر کبھی آ کر پی لوں گی۔ ابھی تو آپ اسے میرے ساتھ بھیجیں، نسرین بہت بے چین ہو رہی ہے اس سے ملنے کو۔''

''اچھا پھر آیئے گا ضرور۔''

''ہاں کیوں نہیں، اب تو ضرور آؤں گی میری بیٹی جو یہاں ہے، چل بیٹی۔''

وہ بھاگ کر اندر سے چادر اٹھا لائی اور ممانی سے صبح آنے کا کہہ کر پھوپھو کے ساتھ چل پڑی، نسرین باجی بھی اس سے بڑے تپاک سے ملیں اور نہ آنے کا شکوہ کیا پھر بڑی رازداری سے پوچھنے لگیں۔

''کیا کسی نے منع کیا ہے ہمارے پاس آنے کو؟''

''نہیں باجی، کون منع کرے گا۔''

وہ ان کے چھوٹے بچے کو گود میں اٹھاتے ہوئے بولی۔

''اصل میں پہلے ہم خالہ اماں کے پاس تھے یہاں آئے تو جاب کرنے لگے بس روز سوچتے رہ جاتے کہ آج جائیں گے تو کل جائیں گے۔''

''مجھے اگر معلوم ہوتا کہ تم یہاں ہو تو میں خود تم سے ملنے آ جاتی۔ کئی بار اماں سے پوچھا اور انہوں نے کہا تم واپس چلی گئی ہو، مجھے بہت افسوس ہوا، کیا اب یہیں رہو گی؟''

آخر میں انہوں نے اچانک ہی پوچھ لیا۔

''جی.....!'' اسے لگا جیسے وہ کسی جرم کا اعتراف کر رہی ہو۔

''چلو اچھا ہے، یہاں سب اپنے تو ہیں، وہاں کون ہے ایک تمہاری اماں اور دیکھنا تمہارے پیچھے وہ بھی چلی آئیں گی۔''

نسرین باجی نے اس کے رہنے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تو وہ بس انہیں دیکھ کر رہ گئی اب ان سے کیا کہتی کہ ایک بس اماں ہی اس کے لیے سب کچھ ہیں ان سے دور آ کر وہ کتنی تنہا ہو گئی ہے۔ اپنے دکھ سکھ کس سے کہے، اتنے لوگوں میں کوئی ایسا مہربان نہیں جس کے گلے میں بانہیں ڈال کر ہنس سکے اور جس کی آغوش میں چھپ کر سارے آنسو بہا ڈالے۔



پہلی بار جب وہ پھوپھو کے پاس آئی تھی تو کتنی خوش تھی اور پہلی بار تو سب سے مل کر ہی خوش ہوئی تھی اور اب اس کے اندر ایک نامعلوم سا سناٹا ٹھہر گیا تھا رات دیر تک نسرین باجی اس سے باتیں کرتی رہیں، پھر ان کے چاروں بچوں نے اسے گھیر لیا۔ معصوم شرارتیں، ہنسی، مذاق تیمور بھی وہیں آ گیا لیکن وہ کسی طرح اپنے خول سے نہیں نکل سکی۔ صبح ناشتے سے پہلے ہی وہ سکول کا بہانا کر کے پھوپھو کے گھر سے چلی آئی حالانکہ پھوپھو بہت خفا ہوئیں نسرین باجی دروازے تک پیچھے آ گئیں کہ کم از کم ناشتا تو کر کے جاؤ، لیکن اس کے پاس ایک ہی جواب تھا۔

''سکول سے دیر ہو جائے گی پھر آؤں گی۔''

اصل میں وہ اندر سے خوفزدہ تھی کہ کہیں خالہ اماں کی طرح پھوپھو بھی یہ نہ سمجھ لیں کہ اسے خاص طور سے ان کے پاس بھیجا گیا ہے، اور پھر وہ بھی خالہ اماں جیسی باتیں کرنے لگیں۔

اور پھر یہ عجیب بات تھی کہ جہاں سے وہ دامن بچا آئی تھی اس کے نصیب کا ستارہ وہیں چمک رہا تھا۔ چار دن نہیں گزرے تھے کہ پھوپھو نے ماموں کے سامنے دامن پھیلا کر اسے تیمور کے لیے مانگا۔ ماموں کو کوئی اعتراض تو نہیں تھا لیکن اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ ممانی نے اس سے پوچھنے کی ذمہ داری مدیحہ اور سمیعہ پر ڈالی اور جب سمیعہ نے اسے بتایا تو وہ کتنی دیر گم صم اسے دیکھے گئی پتا نہیں اسے یقین نہیں آ رہا تھا یا کوئی اور بات تھی کہ وہ کچھ کہہ ہی نہیں سکی۔

''بتاؤ ناں، تم نے دیکھا تو ہے تیمور حسن کو، کیسے ہیں؟'' مدیحہ نے اس کا کندھا ہلا کر پوچھا تو وہ بے خیالی میں کہہ گئی۔

''اچھے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض نہیں۔'' سمیعہ خوش ہو کر بولی تو وہ پہلے چونکی پھر اس کی بات پر غور کر کے کہنے لگی۔

''ہمیں نہیں پتا، ہم نے تو صرف تیمور کو دیکھا ہے اور ضروری تو نہیں کہ جو دیکھنے میں اچھا لگے وہ اچھا بھی ہو۔''

''ارے، میں تو تمہیں بہت بے وقوف سمجھتی تھی لیکن تم تو اچھی خاصی سمجھدار ہو۔''

مدیحہ اس کی بات سے قائل ہو کر بولی اور ستائشی نظروں سے اسے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"آہستہ آہستہ سب سمجھ آ جاتی ہے بہرحال ہمارے بارے میں سب اختیار ماموں، ممانی کو ہے، وہ جو مناسب سمجھیں کریں لیکن ان سے یہ ضرور کہہ دو کہ اتنی جلدی کیا ہے۔"

"جلدی تمہاری پھوپھو کو ہے۔ تم دیکھتیں ناں جب وہ ابو سے بات کر رہی تھیں تو ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسی وقت تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔"

دونوں بہنیں اسے چھیڑنے اور گدگدانے لگیں تو اس نے اپنی پیشانی گھٹنوں پر رکھ دی کون جانے پلکوں پر اٹکے موتی کس کے نام کے تھے۔

"تمہاری واپسی کے ہر راستے پر میں اپنی محبت کی دیواریں کھڑی کر چکا ہوں اور تم انہیں پھلانگ کر نہیں جا سکتیں۔"

اس رات کوئی دھیرے دھیرے اس کے اندر کے سناٹے میں سرگوشیاں کرتا رہا تھا۔

"تمہیں میرا اعتبار ہے ناں بس میرا یقین رکھنا۔"

اور وہ تکیے میں منہ چھپا کر بری طرح سسک پڑی، سارے اعتبار سارے یقین تو اسی وقت ٹوٹ گئے تھے جب خالہ اماں نے اسے دھتکارا تھا۔

"زہرہ نے اگر اس نیت سے لڑکی کو میرے پاس بھیجا ہے کہ میں اسے اپنی بہو بنا لوں گی تو بے شک صوفیہ کو واپس بھجوا دو۔ میں اسے بہو نہیں بنا سکتی۔"

"ہم لاکھ مجبور بے بس و بے آسرا سہی ریحان! خالہ اماں کی ان باتوں کے بعد ہم اس دہلیز پر آنا گوارا نہیں کریں گے، کبھی نہیں ورنہ ہم آپ کا انتظار ضرور کرتے۔"

اس کی آنکھوں نے جو خواب بنے تھے وہ سب اس نے اشکوں میں بہا ڈالے۔

☆☆☆

اسے معلوم تھا تیمور دوپہر میں کھانے کے لیے آتا ہے۔ اس لیے وہ سکول سے واپسی پر پھوپھو کے گھر کے راستے پر آ کھڑی ہوئی، زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا، کچھ دیر بعد ہی تیمور کی بائیک آتی نظر آئی تو اس نے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا۔

"خیریت.....؟" اس نے بائیک اس کے بالکل قریب روکی۔ اور تشویش سے پوچھا تو وہ سر جھکا کر بولی۔

"ہمیں آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ سمجھ گیا کوئی ایسی ہی بات ہو گی جو اماں کے



سامنے نہیں ہو سکتی جب ہی وہ راستے میں آ کھڑی ہوئی ہے پھر بھی سوچ میں پڑ گیا اور قدرے توقف سے ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔

"یہاں راستے میں کھڑے ہونا مناسب نہیں ہے۔
آیئے گھر چلتے ہیں۔"
پھر اسے شش و پنج میں دیکھ کر کہنے لگا۔

"میں کہیں اور چلنے میں عار نہیں سمجھتا، بہرحال آپ میری ماموں زاد ہیں لیکن اس وقت شہر کے حالات ٹھیک نہیں ہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم گھر چل کر بات کر لیں۔"

"ہمیں کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کہنی۔"

"جو بھی بات ہے، آیئے۔" وہ بائیک اسٹارٹ کرنے لگا تب وہ خاموشی سے اس کے پیچھے بیٹھ گئی، اور پھر گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے بڑے آرام سے اس کی پوزیشن صاف کر دی۔ پھوپھو کے سامنے آتے ہی کہنے لگا۔

"اماں، یہ مجھے دیکھ کر راستہ بدل رہی تھیں، میں زبردستی لے آیا۔"

"ایسے کیوں لائے بیٹا، اس کی ممانی پریشان ہوں گی، کم از کم انہیں بتا کر تو آتے۔"
پھوپھو نے ممانی کی پریشانی کے خیال سے ٹوکا پھر کہنے لگیں "اچھا بیٹھو، کھانا کھا کر بتا آنا کہ صوفیہ یہاں ہے"

"اچھا آپ جلدی سے کھانا نکالیں۔" وہ کہتا ہوا واش روم میں چلا گیا تو پھوپھو اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"کھڑی کیوں ہو بیٹی! بیٹھو ناں، اچھا جاؤ پہلے تم بھی منہ ہاتھ دھو لو میں کھانا نکالتی ہوں۔"

اس نے کندھے سے بیگ اور پھر چادر اتار کر رکھی اور آنگن میں لگے بیسن پر منہ ہاتھ دھو کر واپس آئی تو پھوپھو دسترخوان بچھا کر کھانا رکھ رہی تھیں وہ جلدی سے جگ میں پانی اور گلاس لے آئی۔

پھر کھانے کے دوران وہ مسلسل اسے کن انکھیوں سے دیکھتا رہا۔ پہلے کی نسبت کافی مرجھائی ہوئی لگ رہی تھی اور فطری سی بات تھی کہ وہ یہی سمجھا، اس کے پروپوزل سے خوش نہیں ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اور اسی سلسلے میں اس سے بات کرنا چاہتی ہے اور اس کے لیے لڑکیوں کی کمی تو نہیں تھی۔ پھر بھی اسے افسوس ہوا کیونکہ اسے اماں کی خوشی مطلوب تھی۔

بہرحال کھانے کے بعد جب اماں نماز کے لیے کھڑی ہو گئیں تب وہ اسے چائے بنانے کا کہہ کر خود بھی دبے پاؤں اس کے پیچھے چلا آیا اور جیب سے سگریٹ نکال کر ماچس کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے بظاہر سرسری انداز میں بولا۔

''کہیے کیا بات ہے؟''

''ہمیں بس اتنا کہنا ہے کہ ہم بالکل خالی ہاتھ ہیں۔''

وہ جلدی سے یوں بولی جیسے دوبارہ اس سے بات کرنے کا موقع نہیں ملے گا، اور وہ بالکل نہیں سمجھا بلکہ حیران ہو کر بولا۔

''کیا مطلب.....؟''

ہمارا مطلب ہے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے اور ہم کسی پر بوجھ بھی نہیں بننا چاہتے۔ آپ سوچ لیں، ہم سے شادی کر کے آپ کو کچھ نہیں ملے گا ہمارا مطلب ہے جہیز وغیرہ.....''

اس کی وضاحت پر وہ ایکدم ہکا بکا ہو کر مسکرایا پھر گہری سانس کھینچ کر بولا.....

''اس کے علاوہ کوئی بات؟''

''نہیں، بس ہمیں یہی کہنا تھا۔''

''اچھا۔!'' اس نے ماچس اٹھا کر سگریٹ سلگائی اور گہرا کش لے کر سارا دھواں اس پر پھینک کر پوچھا۔

''میرا جواب ابھی سنیں گی یا بعد میں؟''

''بعد میں کب؟'' اس نے بے اختیار سر اونچا کر کے اس کی طرف دیکھا درمیان میں دھویں کی چادر بھی اس کی آنکھوں میں تھرکتی شوخیوں کو چھپانے میں ناکام رہی تھی، تب وہ جلدی سے اس کی طرف سے رخ موڑ گئی۔

پھر اگر وہ ابھی خوشی کو محسوس نہیں کر پا رہی تھی تو ناخوش بھی نہیں تھی۔ البتہ مطمئن ضرور تھی۔ کیونکہ پھوپھو اسے بڑے مان کے ساتھ بیاہ کر لے جا رہی تھیں۔ کوئی احسان نہیں تھا اور یہی بات اس کے لیے باعث اطمینان تھی۔



ماموں چاہتے تھے کہ زیادہ نہ سہی کم از کم اپنی حیثیت کے مطابق تو اسے رخصت کریں۔ خالہ اماں خاص طور سے پوچھنے آئیں کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ، البتہ بڑے ماموں کا انداز جتانے والا نہیں تھا پھر بھی ماموں، ممانی نے سب کو منع کر دیا کیونکہ اس کی پھوپھو کچھ لینے پر تیار ہی نہیں تھیں غالباً تیمور نے انہیں سمجھا دیا تھا۔

اور وہ اس شخص کے لیے دل کے دروازے کیوں نہ کھولتی جس نے اس کے خالی ہاتھوں کو بڑی محبت سے تھاما تھا۔ اس اجنبی سرزمین پر جہاں سب اپنے تھے اور کوئی اپنا نہیں تھا ماموں کی عارضی پناہ گاہ سے نکال کر وہ اسے اپنی پناہوں میں لے آیا تھا۔

''یہ گھر تمہارا ہے، یہاں تم ہر شے کی بلاشرکت غیرے مالک ہو ایک اماں ہیں، تم اگر انہیں ماں کا درجہ دو گی، ان کی عزت کرو گی تو وہ اسی طرح ہمیشہ تم سے خوش رہیں گی اور میں چاہوں گا کہ تم انہیں خوش رکھو تاکہ میری محبت میں کمی نہ آئے۔''

اول شب ہی تیمور نے اسے اپنی محبت کو ہمیشہ قائم رکھنے کا راستہ سمجھا دیا تھا۔ اور یہ کوئی ایسا مشکل بھی نہیں تھا یوں بھی اماں سے دور ہو کر اسے پھوپھو کی آغوش میں سکون ملا تھا اور وہ اس آغوش کو کھونا نہیں چاہتی تھی پھر پھوپھو کی بھی گویا دلی مراد بر آئی تھی، اکلوتے بھائی کی واحد نشانی کو اپنے گھر لا کر بے حد خوش تھیں، شروع میں انہوں نے چاہا کہ وہ ہر وقت دلہنوں کی طرح سج کر بیٹھی رہے لیکن اسے اچھا نہیں لگا۔ ہر کام میں بڑھ کر ان کا ہاتھ بٹانے لگی اور پھر چند دنوں میں ہی اس نے پھوپھو کو پلنگ پر بٹھا دیا۔ یہاں تک کہ اس روز تیمور الٹا انہیں ٹوکنے لگا۔

''اماں! آپ نے تو سارے کام صوفیہ کے سر ڈال دیئے ہیں، بے چاری تھک جاتی ہو گی۔''

''جی نہیں، ہم بالکل نہیں تھکتے۔'' وہ فوراً بول پڑی ''اور یہ آپ سے کس نے کہا کہ پھوپھو نے ہمارے سر کام ڈالے ہیں ہم اپنی مرضی سے کرتے ہیں''

''سن لیا، مجھے تو یہ کسی کام کو ہاتھ ہی نہیں لگانے دیتی۔''

''بس پھوپھو! ہمیں اچھا نہیں لگتا۔''

''اور تمہارے میاں کو میرا بیٹھنا اچھا نہیں لگ رہا۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا اماں۔'' وہ جھنجھلا کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"آپ بھی کمال کرتی ہیں اور یہ تم کیوں ہنس رہی ہو چلو اپنا کام کرو"

"ہائیں ہائیں! اسے کیوں ڈانٹ رہے ہو۔" پھوپھو نے باقاعدہ اسے ڈانٹنا شروع کر دیا۔ تو وہ ہنستی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

وقت کا طائر مہربان تھا جو روزانہ اس کے آنگن میں کچھ انمول کلیاں نچھاور کر جاتا، جن کی مالا پرونے میں وہ بڑی مگن تھی۔ گزرے دنوں کی کوئی بات کسی خیال کو وہ اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتی تھی بس کسی کسی وقت اماں اور بہن بھائی بہت یاد آتے تو پہلے انہیں خوب لمبا چوڑا خط لکھتی پھر پھوپھو کے ساتھ اماں کی باتیں کیے جاتی۔ اس رات صبح کے لیے تیمور کے کپڑے استری کر رہی تھی، اچانک جانے کیا خیال آیا پوچھنے لگی۔

"کیا پٹنہ جانا بہت مشکل ہے۔"

"نہیں کیوں؟" وہ استری شدہ شرٹ ہینگر پر لٹکا رہا تھا پلٹ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"تو پھر چلیں ناں، ہمارا اماں سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا ہے۔"

وہ استری کا بٹن آف کر کے یوں کھڑی ہو گئی جیسے وہ کہے گا "ہاں ابھی چلو" اور وہ اس کی کیفیت محسوس کر رہا تھا، فوراً کوئی جواب نہیں دیا، پہلے الماری بند کی پھر اس کی کمر کے گرد بازو ڈال کر بیڈ پر بٹھایا اور نرمی سے کہنے لگا۔

"پٹنہ جانا مشکل نہیں ہے لیکن بہت آسان بھی نہیں ہے، میں وعدہ تو نہیں کرتا لیکن کوشش ضرور کروں گا کہ کبھی تمہیں لے جاؤں۔"

اس کے چہرے پر مایوسی کے بادل منڈلانے لگے تو اس کا ہاتھ دبا کر بولا۔ "کیا ابھی جانا چاہتی ہو؟"

"نہیں جب آپ لے جائیں۔"

"اچھا چلو ابھی میں تمہیں بہت اچھی آئسکریم کھلاؤں چلو اٹھو۔"

وہ اس کا دھیان ہٹانے کی خاطر زبردستی اُسے اٹھا لایا ابھی کوئی اتنی رات نہیں ہوئی تھی صرف نو بجے تھے پھر بھی سڑکیں سنسان ہو گئی تھیں ٹریفک بھی برائے نام تھی۔

"کبھی یہ شہر روشنیوں کا شہر کہلاتا تھا یہاں رات ہوتی ہی نہیں تھی۔"



وہ بہت احتیاط اور دھیمی رفتار سے بائیک چلاتے ہوئے اسے بتانے لگا۔

"اتنی رونقیں ہوتیں تھیں یہاں کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں پتا نہیں کس کی نظر لگ گئی ہے ہمارے شہر کو کہ سرِ شام ہی سناٹا چھانے لگتا ہے، بلکہ اکثر دن میں بھی الو بولتے ہیں یا پھر گولیوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔"

"بس واپس چلیں ہمیں ڈر لگ رہا ہے" وہ اس کی باتوں سے سہم کر بولی۔

"ٹھہرو وہ ایک دوکان نظر آ رہی ہے۔ امید ہے آئسکریم مل جائے گی۔"

"نہیں ہمیں کچھ نہیں چاہیے، بس واپس چلیں۔"

"ایک منٹ۔" وہ اسپیڈ بڑھا کر دوکان تک پہنچا اور آئسکریم کا لیٹر پیک لے کر اسی اسپیڈ سے واپس گھر آیا تب اس کی جان میں جان آئی۔

"یہ اس وقت کہاں گئے تھے؟" پھوپھو اس وقت نماز میں مصروف تھیں جبھی ان کے جانے کا پتا نہیں چلا تھا۔

"کہیں نہیں، بس یہیں تک، لیجیے آئسکریم کھائیے۔۔"

"نہیں مجھے پہلے ہی کھانسی ہو رہی ہے۔" پھوپھو نے منع کیا پھر بگڑنے لگیں

"اس وقت باہر جانے کی کیا ضرورت تھی۔ دیکھتے نہیں حالات کتنے خراب ہیں اور صوفیہ کو بھی ساتھ لے گئے۔"

"اسی لیے لے گیا تھا کہ مرنا ہو تو ساتھ مریں۔"

"مریں تمہارے دشمن، کیا الٹی سیدھی بکے جاتے ہو" پھوپھو کو سچ مچ غصہ آ گیا۔ "سارا دن تمہاری امان مانگتے گزرتا ہے اور تم۔"

"میں مذاق کر رہا تھا اماں۔" اسے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔

"مت کیا کرو ایسا مذاق دل ہول جاتا ہے۔"

"اچھا میری توبہ۔" اس نے کان پکڑے پھر ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "معاف کر دیں آئندہ ایسی کوئی بات نہیں کروں گا، چلیے اب جا کر سو جائیں"

"دروازہ بند کر دو اچھی طرح۔" پھوپھو کہتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئیں تو وہ دروازے کی طرف سے اطمینان کر کے اپنے کمرے میں آ گیا۔ اور اس کے دیکھنے پر فوراً بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"اب تم مت شروع ہو جانا۔" وہ واقعی شروع ہو رہی تھی اس کے ٹوکنے پر ہونٹ بھینچ گئی اور پلیٹ میں آئسکریم نکالنے لگی۔ پھر بہت خاموشی سے ایک چمچ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کیا بات ہے؟" کچھ دیر بعد وہ اس کی غیر معمولی خاموشی محسوس کر کے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر خود ہی قیاس کر کے بولا "دل چھوٹا نہیں کرو، حالات ٹھیک ہو جائیں پھر میں ویزے وغیرہ کی کوشش کروں گا مجھے احساس ہے تمہیں اپنی اماں سے دوری کھلتی ہو گی۔ اچھا کل میں تمہاری خالہ اماں کے پاس لے جاؤں گا"

"کیوں.....؟" وہ ایکدم چونک کر بولی۔

"بھئی، خالہ بھی تو ماں جیسی ہوتی ہے۔ تم ان سے مل کر یوں سمجھنا جیسے اماں سے آدھی ملاقات ہو گئی۔"

نہیں، ہم آدھی ملاقات نہیں کریں گے۔ حالات ٹھیک ہو جائیں پھر ہم اماں سے پوری ملاقات کو جائیں گے۔"

پھر خالہ اماں کے ذکر سے ہٹنے کی خاطر پوچھنے لگی۔

"آخر حالات کب ٹھیک ہوں گے ہم تو جب سے آئے ہیں یہی سن رہے ہیں کہ حالات خراب ہیں۔ ہوا کیا ہے یہاں لوگ آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں، یہاں تو سب مسلمان ہیں ناں؟"

"ہاں، جب لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں تو ان کے دلوں سے بھائی بھائی کی پہچان بھی مٹ جاتی ہے اور وہ یونہی آپس میں لڑنے لگتے ہیں۔"

وہ تاسف سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے سامنے سے پلیٹ اٹھا کر کچن میں رکھنے چلا گیا تو وہ بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے لگی۔

☆☆☆

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے ان دنوں اس کی طبیعت کچھ گری گری سی رہنے لگی تھی۔ ڈاکٹر کو دکھایا تو اس نے ماں بننے کی نوید دی۔ یہ ایک خوبصورت احساس تھا جس نے وقتی طور پر اسے سب بھلا دیا۔ پھر وہ ہر وقت پٹنہ جانے کی بات کر کے تیمور کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ گو کہ اماں سے ملنے کی خواہش اب بھی شدید تھی لیکن وہ اظہار سے گریز کرنے لگی۔ کیونکہ پھوپھو



اور تیمور ہر طرح سے اس کا بے حد خیال رکھتے تھے کسی کسی وقت زیادہ گھبراتی تو ماموں کے گھر چلی جاتی۔ اس وقت بھی تیمور دوپہر کے کھانے کے بعد دوبارہ آفس جانے لگا تو وہ بھی تیار ہو گئی۔

"ہمیں ماموں کے گھر چھوڑ دیجیے گا۔" پھوپھو سے پوچھنے لگی۔ "ہم جائیں پھوپھو! شام میں آ جائیں گے"

"لو میں بھلا منع کر سکتی ہوں۔ ضرور جاؤ۔"

پھوپھو نے کہا تو وہ اس کے پیچھے چلی آئی، پھر اسے ماموں کے گھر کے سامنے اتار کر وہ یہ کہتے ہوئے چلا گیا کہ اسی طرح شام میں واپسی پر وہ اسے لیتا ہوا گھر جائے گا۔ وہ اندر آئی تو سمیعہ اسے دیکھتے ہی کہنے لگی۔

"میں ابھی تمہاری طرف آ رہی تھی اور وہ بھی تمہیں لینے۔"

"ہم خود آ گئے ہیں ویسے خیریت تو ہے ناں؟۔"

"ہاں سب خیریت ہے۔" سمیعہ نے کہتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ مدیحہ کو دیکھا اور مدیحہ نے جس انداز سے گھورا اس سے وہ کچھ کچھ سمجھ گئی۔

"پہلے بیٹھنے تو دو بہن کو۔" ممانی نے دونوں کو ٹوکا پھر اسے پاس بٹھا کر اس کا حال احوال پوچھنے لگیں۔

"اب تو کافی بہتر ہوں بس سستی نہیں جاتی اور کسی کسی وقت گھبراہٹ بھی بہت ہوتی ہے۔"

اس نے اپنی طبیعت کے بارے میں بتایا تو ممانی تسلی دیتے ہوئے بولیں۔

"ابتدائی دنوں میں ایسا ہی ہوتا ہے، فکر کی بات نہیں ہے تین چار مہینے کے بعد طبیعت آپ ہی آپ سیٹ ہو جائے گی۔"

تین چار مہینے اچھا خیر، آپ بتائیے کیوں بلوا رہی تھیں ہمیں۔" وہ سمیعہ کی بے قراری محسوس کر کے اصل موضوع کی طرف آئی تو ممانی نے مدیحہ کو دیکھا اور وہ اٹھ کر چلی گئی تب کہنے لگیں۔

"مدیحہ کی ایک جگہ بات چل رہی ہے۔ آج میں نے ان لوگوں کو کھانے پر بلایا ہے لڑکا بھی آ رہا ہے" میں نے کہا تم بھی دیکھ لو، ویسے تمہارے ماموں کو تو سب لوگ اچھے لگے ہیں، لڑکا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



بھی انہیں پسند ہے.....''

''پھر دیر نہیں کریں ممانی! یوں بھی جتنا زیادہ چھانو اتنے زیادہ کنکر نکلتے ہیں۔'' اس کی بات پر ممانی بے ساختہ مسکرائیں پھر اس کی ٹھوڑی چھو کر بولیں۔

''تم تو دادی اماں ہو گئی ہو۔''

''نانی اماں ایسی ہی باتیں کرتی تھیں، اور اس وقت ہم ان سے الجھتے تھے لیکن اب ساری باتیں آپ ہی آپ سمجھ میں آنے لگی ہیں۔''

نانی اماں کا ذکر کرتے ہوئے وہ تصور میں ان کے پاس پہنچ گئی۔ پھر ایکدم چونک کر کہنے لگی۔

''اچھا ممانی! بتائیں کیا پکانا ہے ہم اور سمیعہ مل کر پکا دیں گے۔''

''نہیں تم نہیں، تمہاری طبیعت ویسے ہی اچھی نہیں ہے۔''

ممانی نے اسے منع کیا لیکن وہ نہیں مانی، اسی وقت سمیعہ کے ساتھ کچن میں آ گئی ظاہر ہے لڑکے والوں کی دعوت تھی کافی اہتمام کرنا تھا کچھ دیر بعد مدیحہ بھی آ گئی تو تینوں نے پہلے ایک ایک آئٹم اپنے ذمے لیا پھر اسی کے مطابق مصروف ہو گئیں۔

''تمہیں پتا ہے صوفیہ! ریحان بھائی آ گئے ہیں۔'' سمیعہ نے گوشت دھوتے ہوئے اچانک خیال آنے پر اس سے کہا تو پیاز کاٹتے ہوئے اس کے ہاتھ لمحہ بھر کو رک گئے جب کہ آنکھوں میں ٹھہرا پانی بے اختیار چھلک گیا۔ اس نے چھری رکھ دی اور ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئی بولی۔

''ہمیں نہیں معلوم کب آئے ہیں؟''

''ہفتہ دس دن ہوئے ہیں ابھی چار روز پہلے ہمارے ہاں آئے تھے۔''

سمیعہ ریحان کی آمد کا بتا کر پھر اس کی تعریف کرنے لگی۔

''ہائے ایمان سے اتنے گریس فل لگ رہے تھے بہت چینج ہو گئے ہیں پہلے دیکھا تھا ناں کیسے تھے، دبلے پتلے اور اتنے شرارتی سے۔ اب تو لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ وہی ریحان بھائی ہیں، غضب کی پرسنالٹی اس پر اتنے سنجیدہ میں تو بس حیران ہو ہو کر انہیں دیکھتی رہی اور دیکھ دیکھ کر حیران ہوتی رہی کیوں مدیحہ اچھے لگ رہے تھے ناں؟''



''ہوں.....!'' مدیحہ کے انداز میں بے نیازی تھی کیونکہ اس وقت وہ اپنے ہی خیالوں میں مگن تھی۔ پھر اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

''تم رہنے دو صوفیہ! پیاز میں کاٹ لوں گی تمہاری تو آنکھیں لال ہو گئی ہیں۔''

''کوئی بات نہیں ہم کاٹ لیں گے۔'' اس نے دوبارہ چھری اٹھائی اور جلدی جلدی پیاز چھیلنے لگی۔

''تمہارا پوچھ رہے تھے ریحان بھائی۔'' سمیعہ کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔ ''میں نے کہا بھی کہ تمہارا گھر قریب ہی ہے میں لے چلتی ہوں لیکن انہوں نے آئندہ پر ٹال دیا''

''اچھا بس کرو۔'' مدیحہ نے اکتا کر اسے ٹوک دیا۔ ''اس روز سے مسلسل ریحان بھائی کا کلمہ پڑھ رہی ہو، مجھے تو ذرا اچھے نہیں لگے۔ بالکل اپنی ماں کی طرح گردن اکڑائے بیٹھے تھے''

''کوئی نہیں، ان کی گردن ہے ہی ایسی۔''

سمیعہ کے سادگی سے کہنے پر مدیحہ کے ساتھ وہ بھی بے ساختہ ہنس پڑی، پھر اس کے بعد سمیعہ نے کئی بار اس کا ذکر چھیڑا، لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔

شام میں تیمور اسے لینے آیا تو ماموں نے اسے بھی روک لیا یوں مہمانوں سے ملنے اور کھانا وغیرہ کھانے کے بعد وہ دونوں گھر آ گئے۔

پھر جلد ہی مدیحہ کی شادی طے پا گئی اور وہ پھوپھو کے اکیلے ہونے کے باعث ماموں کے گھر رہ تو نہیں سکتی تھی البتہ دوپہر میں روزانہ چلی جاتی جوڑے ٹانکنا، دوپٹوں میں بیل وغیرہ لگانا اس قسم کے کاموں میں ممانی اور سمیعہ کا ہاتھ بٹا دیتی اور پھر سرِ شام ہی گھر واپس آ جاتی، یوں اس کے اپنے گھر کی روٹین میں کوئی فرق نہیں آیا۔ حالانکہ پھوپھو اس سے کہتی تھیں کہ وہ چاہے تو شادی تک ماموں کے گھر رہ لے، لیکن اُسے خود اچھا نہیں لگتا تھا کہ وہ پھوپھو کو اکیلا چھوڑ کر چلی جائے۔

گو کہ وہ پہلے بھی اکیلی رہتی تھیں لیکن اس کے خیال میں پہلے کی بات اور تھی البتہ شادی والے روز وہ صبح ہی سے ماموں کے گھر آ گئی۔ کیونکہ سارا انتظام گھر پر ہی تھا۔

شام میں جب وہ تیار ہوئی تو تیمور نے خود اس کی کلائیوں میں گجرے سجائے، نیوی بلیو کامدانی کی ساڑھی میں وہ ہمیشہ سے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ پھوپھو اسے دیکھ کر نہال ہو گئیں اور اس کی بلائیں لے رہی تھیں کہ خالہ اماں آ گئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''آداب خالہ اماں!'' پھوپھو کی قربت اور محبت سے وہ سرشار کھڑی تھی۔

''کیسی ہو؟'' وہی نخوت بھرا انداز اور اب وہ کیوں مرعوب ہوتی ان کا یہ انداز قرض تھا جسے وہ لوٹانے کی خواہش رکھتی تھی یہ اچھا موقع تھا پھر بھی وہ ان کا سا انداز و لب و لہجہ نہیں اپنا سکی تو ہونٹوں کی کلیاں چٹکا کر بولی۔

''ہم آپ کو کیسے نظر آ رہے ہیں خالہ اماں!'' جواب میں انہوں نے سرتاپا اُسے گھورا اور آگے بڑھ گئیں تو وہ کھلکھلا کر ہنستی ہوئی جیسے ہی پلٹی اس کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔ سرمئی کلر کے تھری پیس سوٹ میں وہ اپنی تمام تر وجاہتوں سمیت اس کے مقابل تھا۔ بند ہونٹوں کے اندر کتنے شکوے کتنی شکایتیں اور آنکھوں میں بے یقینی، جیسے اب تک خود کو فریب دے رہا ہو کہ وہ اس کی محبت کی دیواریں کبھی نہیں پھلانگ سکتی اور اب اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہ کر رہا ہو۔

''صوفیہ.....!'' جانے کس طرف سے نکل کر تیمور نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ وہ اس کی طرف اشارہ کر کے بول پڑی۔

''تیمور! یہ ریحان بھائی ہیں خالہ اماں کے بیٹے۔''

''السلام علیکم۔'' تیمور نے اس کے کندھے سے ہاتھ اٹھا کر مصافحے کے لیے اس کی طرف بڑھایا اور وہ بہت خاموشی سے وہاں سے چلی آئی، اس کے بعد سارا وقت وہ بہت محتاط رہی کیونکہ خود اس کے اندر کھود دینے کا ملال نہیں تھا۔ اس کے برعکس وہ اپنے حال میں مگن، خوش اور مطمئن تھی اس لیے نہیں چاہتی تھی کہ ریحان کوئی ایسی بات کرے جس سے اس کی پرسکون زندگی میں ارتعاش پیدا ہو، جب ہی نہ خود اسے مخاطب کیا اور نہ اُسے بات کرنے کا موقع دیا۔ یوں بھی انسان بھٹکتا وہاں ہے جب خود کو تہی دامن محسوس کرتا ہے، اور اس کے دامن میں تو سبھی کچھ تھا۔ پھر کچھ وقت گزرا کہ اس کے آنگن میں ننھی منی معصوم کلکاریاں گونجنے لگیں۔ پھوپھو کو پوتے کی آرزو تھی لیکن خدا کی مرضی بہرحال پوتی کو دیکھ کر بھی وہ ناخوش نہیں ہوئیں، بیٹی کی پیدائش کے بعد اس پر خوب نکھار آیا تھا اور تیمور تو یوں بھی اس کا دیوانہ تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ اس کی زندگی کا بے حد حسین دور تھا۔ اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ کبھی وقت کا طائر اس پر اتنا مہربان ہوگا کہ کائنات کے سارے حسین رنگ چرا کر چپکے سے اس کی جھولی میں ڈال جائے گا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اپنے آنگن کی خوشیوں کی بقا کی زیادہ ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے جب ہی اپنے فرائض



سے غافل نہیں ہوتی تھی۔

صبح اذان کی آواز کے ساتھ ہی اٹھ جاتی پہلے نماز پڑھتی اس کے بعد گڑیا کے چھوٹے موٹے کام نمٹا لیتی، اس کا بستر صاف کرنا گیلے تولیے سے اس کا منہ اور بدن صاف کر کے کپڑے بدلنا پھر تازہ فیڈر بنا کر دودھ پلاتی تو بچی صاف ستھری ہو کر دوبارہ سکون سے سو جاتی۔ اس کے بعد تیمور کو اٹھاتی اور خود کچن میں چلی آتی۔

تیمور کے کپڑے وہ رات ہی میں پریس کر دیتی تھی جبھی اپنی تیاری کے دوران وہ اُسے کسی کام کے لیے نہیں پکارتا تھا بلکہ بڑی سہولت سے تیار ہو کر اس کے پاس کچن میں آ کھڑا ہوتا، پھر اس کے ساتھ مل کر ناشتا برآمدے میں تخت پر لا رکھتا۔

پھوپھو بھی آ جاتیں تینوں مل کر ناشتا کرتے، اس کے بعد دن بھر کے سارے کام وہ اسی طرح سہولت سے نمٹایا کرتی تھی۔ شام میں یا چھٹی کے دن تیمور اگر چاہتا کہ اُسے کہیں باہر لے جائے تو پھوپھو منع کر دیتیں محض خرابی حالات کے باعث ان کا بس چلتا تو وہ اُسے آفس بھی نہ جانے دیتیں، لیکن یہاں مجبوری تھی۔ ورنہ زندگی کی گاڑی کیسے چلتی، اس وقت بھی وہ پھوپھو سے الجھ رہا تھا۔

''ساری دنیا گھروں میں بند ہو کر تو نہیں بیٹھ رہی آخر لوگ باہر نکلتے ہی ہیں پھر موت کا کیا ہے، وہ تو گھر میں بھی آئے گی جب آتی ہوگی کیا آپ روک سکتی ہیں اسے؟''

''مت کروا ایسی باتیں، مجھے ہول اٹھنے لگتا ہے۔''

پھوپھو بگڑ کر بولیں ''تم دفتر جاتے ہو جب تک واپس نہیں آ جاتے میری جان اٹکی رہتی ہے۔ ایک چھٹی کا دن ہے خود بھی آرام سے بیٹھو اور مجھے بھی آرام سے رہنے دو''

''آپ کو تو خواہ مخواہ وہم ہو گیا ہے، جیسے سچ مچ کوئی ہماری تاک میں بیٹھا ہے۔''

وہ بڑبڑاتا ہوا کمرے میں آ گیا خاص جھنجھلایا ہوا لگ رہا تھا اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

''تم ہی کسی وقت اماں سے ضد کر لیا کرو، ہو سکتا ہے تمہاری بات مان لیں۔''

''نہیں بھئی ہمیں تو یوں بھی ڈر لگتا ہے جب سے یہاں چوراہے پر گولیاں چلی ہیں، ہم نے ماموں کے گھر جانا بھی چھوڑ دیا ہے۔''

''بہت اچھا کیا ہے۔'' وہ چڑ کر بولا اور اپنی جگہ پر لیٹ کر اس کی طرف سے کروٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



بدل لی، وہ گڑیا کو دودھ پلا رہی تھی اس سے فارغ ہونے کے بعد اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی اور اس کا کندھا ہلا کر بولی۔

''ہم سے کیوں خفا ہوتے ہیں ہم نے کیا کیا ہے؟''

''ہٹ جاؤ میں بہت بور ہو رہا ہوں۔''

''اچھا ہم آپ کے لیے چائے بنا لاتے ہیں۔'' وہ اٹھنے لگی کہ اس نے روک دیا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے میں چائے نہیں پیوں گا۔''

''تو اس طرح لیٹے بھی نہیں ہمیں الجھن ہو رہی ہے۔''

''پھر کیا کروں تم تو ابھی گھر کے بکھیڑوں میں لگ جاؤ گی میں کیا دیواروں سے باتیں کروں۔''

''ہم اس وقت کوئی کام نہیں کر رہے بس آپ اٹھ جائیں۔''

وہ کہتے ہوئے اٹھی اور گڑیا کو گود میں لے کر پھوپھو کے پاس سلا آئی پھر بیڈ کی چادر ٹھیک کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''دوپہر کے کھانے میں کیا کھائیں گے؟''

''تمہارا سر۔'' وہ ہنسنے لگی اور گڑیا کا چھوٹا سا تکیہ اٹھا کر اس کے منہ پر پھینک دیا۔ پھر ذرا کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹی تو کہنے لگی۔

''آپ کو خفا نہیں ہونا چاہیے، پھوپھو ٹھیک کہتی ہیں جب حالات خراب ہیں تو کیا ضرورت ہے باہر جانے کی، پتا ہے کل پڑوس والی خالہ بتا رہی تھیں ان کے بھانجے کو کوئی راستہ چلتے ہوئے مار گیا وہ تو اس کی قسمت اچھی تھی جو گولی بازو چھیدتی ہوئی نکل گئی۔''

''یہ تو روز کا معمول بن گیا ہے۔'' وہ یوں بولا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو پھر کمر کے پیچھے تکیہ لگا کر ذرا سا اونچا ہو کر بیٹھا اور سگریٹ سلگانے کے بعد کہنے لگا۔

''زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے، مجھے تمہارا خیال آتا ہے تم بھی کیا سوچتی ہو گی کہ ہم نے تمہیں بالکل پابند کر کے رکھ دیا ہے صبح سے شام تک کام کام اور صرف کام، روز دفتر سے یہ سوچ کر نکلتا ہوں کہ تمہیں کہیں گھمانے لے جاؤں گا اس یکسانیت سے تم تنگ آ گئی ہو گی لیکن۔''

''ہم ایسا کچھ نہیں سوچتے۔'' وہ ذرا اوپر کو رکا تھا کہ وہ بول پڑی ''آپ ہماری فکر نہیں



کریں یقین کریں ہم بہت خوش رہتے ہیں، بس آپ خفا نہیں ہوا کریں ہماری جان پر بن جاتی ہے۔''

''میں تم سے خفا نہیں ہوتا، خیر چھوڑو یہ بتاؤ اماں کیا کر رہی ہیں؟''

''سبزی بنا رہی ہیں۔''

''سبزی۔'' وہ سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر رکھ کھڑا ہوا۔

''میں گوشت لے آتا ہوں اسٹو بنا دینا کچھ اور منگوانا ہو تو وہ بھی بتا دو۔''

''چلیے پھوپھو سے پوچھتے ہیں۔''

وہ اٹھ کر اس کے ساتھ کمرے سے نکل آئی۔ پھوپھو سبزی چھوڑ کر گڑیا کو گود میں لیے اسی کی زبان میں باتیں کر رہی تھیں۔ اور وہ بھی غوں غاں میں جواب دے رہی تھی۔ وہ دونوں دلچسپی سے دادی پوتی کو دیکھنے لگے۔

آج محض تیمور کی خاطر اس نے بہت سارے کام کل پر اٹھا رکھے تھے کیونکہ وہ دوبارہ اس کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی، دوپہر کا کھانا بھی بہت عجلت میں بنایا پھر سارا وقت اس کے آس پاس منڈلاتی رہی۔ رات میں بھی جلدی فارغ ہو کر بیٹھ گئی تو وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا پھر کہنے لگا.....

''میرا آج تم سے لڑنے کا موڈ تھا لیکن تم نے موقع ہی نہیں دیا۔''

''ہم سمجھ گئے تھے۔'' وہ دھیرے سے مسکرائی۔

''پھر تو تمہیں موقع ضرور دینا چاہیے تھا۔''

''نہیں بھئی، ہمیں لڑائی اچھی نہیں لگتی۔ بہت رونا آتا ہے ہمیں اور ہم رونا نہیں چاہتے۔'' وہ اس کی بات پر ہنس کر چپ ہو رہا اور قدرے توقف سے کچھ یاد کر کے بولا۔

''ویسے تم روتی ہوئی اچھی لگتی ہو۔''

''ہائیں، آپ نے کب ہمیں روتے ہوئے دیکھا۔''

''جب تم پہلی بار آئی تھیں اماں کے گلے لگ کر کتنا روئی تھیں میں تو اسی وقت تمہارے آنسوؤں میں بہہ گیا تھا پھر جب اماں نے تم سے شادی کا کہا تو میں نے سوچا لڑکی اچھی ہے لیکن روتی بہت ہے، ساری زندگی خود بھی روئے گی اور مجھے بھی رلائے گی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"لیکن تم....."

دروازے پر دستک ہونے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

"اس وقت کون ہے؟" وہ گھڑی دیکھنے لگی۔ ساڑھے بارہ ہو رہے تھے۔

"دیکھتا ہوں۔"

"پہلے پوچھ لیجیے گا۔" وہ اس کے پیچھے چلی آئی اور اس کے منع کرنے کے باوجود بیرونی دروازے تک اس کے ساتھ آئی اور اس کا بازو مضبوطی سے تھام کر دروازہ کھولنے سے منع کرنے لگی۔

"کون؟" اس نے آہستہ آواز میں پوچھا اور جواب کا انتظار کر رہا تھا کہ دیوار پھاند کر چار مسلح آدمی سامنے آ کھڑے ہوئے۔

"ک.....کون.....؟" وہ کتنا مضبوط سہی اس اچانک اور غیر متوقع صورت حال نے اس کے حواس گم کر دیئے تھے جب کہ وہ پوری جان سے لرز رہی تھی۔

"اندر چلو۔" ایک آدمی نے پیچھے سے آ کر اسے دھکیلا تو وہ اسے بازو کے حلقے میں لے کر چلنے لگا۔

"کون کون ہے یہاں؟" ایک نے پوچھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر دوسرے کو تلاشی لینے کے لیے کہا تو وہ پہلے اس کے کمرے میں گیا پھر پھوپھو کے اور واپس آ کر کہنے لگا۔

"ادھر بچی ہے اور ادھر بڑھیا۔"

"ان سب کو ایک جگہ کر دو چلو بی بی ادھر جاؤ۔"

اس نے صرف اسے جانے کے لیے کہا تو وہ پوری توانائیاں صرف کر کے چیخی۔

"نہیں ہم تیمور کے ساتھ ہیں آپ کو جو کچھ لینا ہو لے لیجیے۔"

پھر بے اختیار اس سے لپٹ گئی، اس ساری دنیا میں ایک ہی شخص تھا جس نے اُسے اپنی محبت کی پناہیں بخشی تھیں، وہ اس پر اپنی جان نچھاور کر سکتی تھی۔ اور اس نے بڑی منتیں کیں۔

"ہماری جان لے لو، ہمارے تیمور کو کچھ نہ کہو۔"

اور پتا نہیں اس چھوٹے سے ہتھیار میں کیا بات ہے کہ جس کے ہاتھ میں آ جائے وہ انسان نہیں رہتا۔ درندوں کو بھی مات دے جاتا ہے۔



"ہمارا قصور۔"

"ہٹاؤ اسے۔" ایک نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا اور زور سے دھکا دیا ادھر سے پھوپھو اٹھ کر آ رہی تھیں، وہ ان پر جا گری اور وہ ابھی سنبھلنے بھی نہیں پائی تھی کہ گولی کی آواز نے اس کے ہاتھوں پیروں کی جان نکال دی، اس سناٹے میں کس کس نے یہ آواز نہیں سنی ہوگی اور کوئی نہیں آیا۔ انتہائی بے بسی کے عالم میں اس نے قدموں کی آوازیں سنیں جو دور ہو کر معدوم ہو گئیں تب اس نے نظروں کا زاویہ بدل کر اپنے قریب لیٹی پھوپھو کو دیکھا وہ بے ہوش تھیں اور وہ بھی ہوش کھو بیٹھی جب چوکھٹ کے اس طرف خون کا دریا بہتا دیکھا۔

اگلے روز دہشت گردی کے واقعات میں جہاں ایک ہی گھر کے چار افراد اور ایک گھر کے تین افراد کے قتل کی خبروں نے ہر آنکھ کو اشکبار کیا وہاں اس ایک شخص تیمور حسن کے حصے میں شاید ہی چند قطرے آئے ہوں گے۔

وقت کے طائر نے کتنی سنگدلی سے آنکھیں پھیر لی تھیں کہ اس کے آنگن میں خوشیوں کی پھوار برساتے برساتے اچانک کڑی دھوپ دے کر سر سے سائبان بھی چھین لیا تھا۔

☆☆☆

"میں بھول گئی تھی کہ تو بھی اس منحوس ڈائن کی بیٹی ہے جو میرے جوان جہان بھائی کو کھا گئی تھی۔ اور تو نے میری گود اجاڑ دی۔"

پھوپھو مسلسل اس کی پیٹھ پر مکے برسا رہی تھیں۔ "کم بخت کیوں آئی تھی یہاں اپنی نحوست لے کر، تجھے میرا ہی گھر ملا تھا۔"

"پھوپھو.....!" ہمیشہ داری صدقے ہونے والی پھوپھو کا یہ روپ اس کے لیے بالکل نیا اور انتہائی تکلیف دہ تھا۔ آس پڑوس کی خواتین بمشکل پھوپھو کو الگ کر کے لے گئیں۔ سب کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ ان کے بڑھاپے پر ترس تھا اور وہ جس کے سامنے ایک طویل زندگی تھی دشوار، کٹھن قدم قدم پر خار وہ ننگے سر ننگے پاؤں کیسے چلے گی۔ کسی کو خیال نہیں تھا۔

"میں نے بھائی کی نشانی سمجھ کر اس پر ترس کھایا۔ اسے گھر میں جگہ دی، لیکن یہ ڈائن اپنی ماں کی طرح میرے گھر کے اجالے کو کھا گئی، منحوس کم بخت ماری نکل یہاں سے، تجھے دیکھ کر میرے کلیجے میں آگ بھڑک رہی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



پھوپھو سارا الزام اس کے سر رکھ رہی تھیں اور اس کا قصور یہ تھا کہ وہ زندہ تھی۔ تب ممانی اٹھ کر آ گئیں۔

''میرے ساتھ چلو صوفیہ۔''

''نہیں ممانی! ہم نہیں جائیں گے۔ ہم اپنا گھر چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔'' وہ سسک کر بولی۔

''بیٹا! تمہاری پھوپھو۔''

''پھوپھو ابھی ہوش میں نہیں ہیں، انہیں کہنے دیں جو کہہ رہی ہیں۔''

وہ پھوپھو کا دکھ محسوس کر رہی تھی لیکن پھوپھو نے اس کے درد کا احساس نہیں کیا گالیاں، کوسنے اور پھر صاف کہہ دیا کہ جس کے دم سے یہاں تھی وہی نہیں رہا، لے جاؤ اُسے، نسرین آ کر ممانی سے دبے لفظوں میں کہہ گئی کہ ابھی اماں کی حالت ٹھیک نہیں ہے اُسے اپنے ساتھ لے جائیں بعد میں خود لے آؤں گی۔ تب ممانی زبردستی اسے اپنے ساتھ لے آئیں۔

کتنا فاصلہ تھا کل اور آج میں محض چند گھنٹوں کا اور اتنے سے وقت میں وہ گھر سے بے گھر ہو گئی تھی۔ کل اس وقت وہ اس کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ بے حد شاداں و فرحاں اور اب کتنی تنہا تھی۔

''صوفیہ!'' سمیعہ کے پکارنے پر اس نے جیسے ہی پلکیں اٹھائیں آنسو ایک تواتر سے رخساروں پر ڈھلک آئے۔

''مت رو، رونے سے جانے والے واپس نہیں آتے بلکہ انہیں تکلیف ہوتی ہے۔'' سمیعہ نے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کیے پھر تکیہ رکھتے ہوئے بولی۔

''اس طرح کب تک بیٹھی رہو گی سو جاؤ۔''

''ہمیں نیند نہیں آئے گی۔'' اس کی بے چارگی پر سمیعہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

''لیٹ جاؤ نیند بھی آ جائے گی'' زبردستی اسے لٹا کر چادر اوڑھائی پھر سرہانے بیٹھ کر آہستہ آہستہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ وہ کچھ دیر تک آنکھیں بند کیے لیٹی رہی پھر اچانک سمیعہ کا ہاتھ پکڑ کر پوچھنے لگی۔

''سنو، تمہیں پتا ہے وہ کون لوگ تھے؟''



''کون.....؟'' سمیعہ اپنے خیال میں تھی چونک کر دیکھنے لگی۔ ''جنہوں نے تیمور کو.....؟'' آنسوؤں نے اس کے حلق میں پھندا سا ڈال دیا۔

''تم ان کے بارے میں نہیں سوچو، کوئی نہیں جانتا۔ پتا نہیں کہاں سے آتے ہیں۔ آن کی آن میں گھروں کو اجاڑتے اور پھر یوں غائب ہو جاتے ہیں جیسے پتا نہیں آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔''

''لیکن ہم نے ان کا کیا بگاڑا تھا یا تیمور نے۔''

''یہی تو ستم ہے کہ جب وہ بگاڑنے والوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تب ہم جیسے لوگوں کو نشانہ بناتے ہیں، ان کا مقصد محض دہشت پھیلانا ہوتا ہے۔''

''دہشت پھیلانے کے لیے کسی کی جان لینا ضروری ہے کیا اور پھر وہ ہمارے ہی گھر میں کیوں آئے۔ کسی اور گھر میں کیوں نہ کود گئے'' وہ رندھی آواز میں پوچھ رہی تھی سمیعہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

''بہت ظالم لوگ تھے ہم نے ان کی بہت منتیں کیں لیکن ان پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوا کاش وہ ایک گولی ہمارے سینے میں بھی داغ دیتے۔ ہم تیمور کے بنا کیسے جئیں گے۔'' وہ پھر تکیے میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔

''یہ واقعی بہت مشکل ہے پھر بھی تمہیں ہمت سے کام لینا چاہیے اس لیے کہ تم اکیلی نہیں ہو۔ تمہارے ساتھ گڑیا بھی ہے اور پلیز اب روؤ نہیں بلکہ سونے کی کوشش کرو۔'' سمیعہ آہستہ آہستہ اس کا کندھا تھپکنے لگی۔ کتنی دیر بعد جا کر اسے نیند آئی تب سمیعہ بہت احتیاط سے اس کے پاس سے اٹھ کر اپنی جگہ پر آ لیٹی۔

اگلے روز خالہ اماں، ذیشان بھائی، بھابھی اور فرحان غالباً پہلے پھوپھو کے پاس گئے تھے پھر وہاں سے اس کے پاس آ گئے، اور ان کی آمد کے کچھ دیر بعد بڑے ماموں بھی اپنی فیملی کے ساتھ آ گئے۔ سب ہی اس سے افسوس کا اظہار کر رہے تھے اور وہ بے آواز آنسوؤں سے رو رہی تھی۔

''یہاں کیوں چلی آئیں؟'' خالہ اماں کو یہ بات بہت کھٹک رہی تھی پوچھے بغیر نہیں رہ سکیں اور وہ جواب دینے کے قابل نہیں تھی تب ماموں کہنے لگے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''میں لے آیا ہوں۔''

''کیوں.....؟''

''اس لیے کہ گڑیا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور اُسے اپنا ہوش نہیں تھا پھر تیمور کی والدہ کی حالت بھی آپ نے دیکھ لی ہے۔ میں نے یہی مناسب سمجھا یہاں کم از کم اس کی دیکھ بھال کرنے والے تو ہیں۔''

ماموں جانے کیوں پھوپھو کے رویے پر پردہ ڈال گئے بہرحال وہ بھی یہی چاہتی تھی۔ اگر بولنے کے قابل ہوتی تو ایسا ہی کوئی جواب سوچتی۔

''بہرحال، بہت افسوس ہوا، ایک تیمور ہی نہیں یہاں روزانہ کتنے بے گناہوں کا خون ہو جاتا ہے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔''

خالہ اماں تاسف کا اظہار کرنے کے بعد پوچھنے لگیں۔

''کسی سے دشمنی تو نہیں تھی تیمور کی؟''

''ممی!.....'' فرحان کو عجیب سا لگا، فوراً ٹوک کر کہنے لگا ''کیسی باتیں کرتی ہیں آپ تیمور بھائی کے بارے میں تو ایسا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا میں مدیحہ کی شادی میں ملا تھا ان سے اور میں نے انہیں بہت اچھا پایا۔ ہی واز گریٹ مین''

''واقعی.....'' آصف بھائی اس کی تائید میں اثبات میں سر ہلانے لگے۔

''اور اس کی عظمت ہم سے پوچھو'' ٹپ ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے ٹیکتا ایک ایک قطرہ گواہی دینے لگا ''اپنی محبتوں کی حسین پناہوں میں لے کر اس نے ہمیں کتنا معتبر کر دیا تھا اور ہمارے دامن میں اتنا کچھ ڈالا کہ ہمارے دل سے سارے ملال مٹ گئے، ہمیں زندگی سے پیار کرنا سکھایا اور جب ہم زندہ رہنے کی امنگ کے ساتھ جینے لگے تو وہ چلا گیا۔''

''تم روتی ہوئی اچھی لگتی ہو'' یہ کون دھیرے سے سرگوشی کر گیا تھا۔ وہ بے اختیار سر اونچا کر کے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر پیشانی گھٹنوں پر ٹیک کر یوں پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ سب چپ کراتے کراتے تھک گئے تھے۔

☆☆☆

زندگی ہو اور زندہ رہنے کی خواہش نہ ہو تب بھی جینا پڑتا ہے۔ وہ بھی جی رہی تھی اس



طرح کہ اس کے وجود کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا، چپ چاپ گم صم ایک جگہ بیٹھی ہے تو بیٹھی رہ جاتی کھڑا کرو تو کھڑی رہتی۔ ماموں ممانی اور سمیعہ اس کی دلجوئی کرتے کسی دن مدیحہ اور شاہد آ جاتے تو ان کا بھی سارا وقت اسے سمجھانے میں گزرتا، وہ خاموشی سے سب سنتی اور پھر بے بسی سے کہتی۔

''ہم کیا کریں ہمیں کچھ اچھا نہیں لگتا۔''

''میں جانتی ہوں تمہارے دکھ کو محسوس کر رہی ہوں، پھر بھی صوفیہ! اس طرح تو زندگی نہیں گزارنی ناں، تم گڑیا کو دیکھو اسے تمہاری ضرورت ہے۔''

مدیحہ نے سمجھاتے ہوئے اسے گڑیا کا احساس دلایا تو وہ دھندلائی آنکھوں سے اس معصوم بچی کو دیکھنے لگی جسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ وہ کتنی شفیق آغوش سے محروم ہو گئی ہے۔

''ہماری بچی بھی ہمارے ہی جیسا نصیب لے کر آئی ہے لیکن ہم اماں کی طرح نہیں کریں گے۔'' اس نے سوچا اور بچی کو اٹھا کر اپنے سینے میں بھینچ لیا۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے، وہ رفتہ رفتہ زندگی کی طرف لوٹی تو اُسے اپنے گھر کا خیال آیا۔ دو ماہ ہو گئے تھے اسے ماموں کے گھر رہتے ہوئے اور اس دوران نسرین باجی صرف ایک بار آئی تھیں وہ بھی بس تھوڑی دیر کے لیے اس کا حال احوال پوچھ کر چلی گئی تھیں۔ اسے ساتھ چلنے کے لیے نہیں کہا تھا اس کے بعد وہ انتظار ہی کرتی رہی اور اب ان کی طرف سے مایوس ہو کر اس نے خود ہی جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو ماموں ممانی کو کوئی اعتراض تو نہیں تھا پھر بھی اسے خود سے بھیجنا مناسب خیال نہیں کیا۔ ممانی کہنے لگیں۔

''اس طرح نہیں جاؤ بیٹی! پہلے کم از کم یہ تو معلوم ہو جائے کہ تمہاری پھوپھو کیا چاہتی ہیں، میرا مطلب ہے اب وہ اکیلی ہیں، پتا نہیں اپنے گھر میں رہیں یا نسرین کے پاس چلی جائیں۔''

ہمارے جانے سے پھوپھو اکیلی نہیں ہوں گی اور ہم انہیں نسرین باجی کے پاس نہیں جانے دیں گے، بس ماموں آپ ہمیں لے چلیں۔ ہم اپنے گھر میں رہنا چاہتے ہیں۔'' وہ بضد ہوئی تو ماموں کو اس کی بات ماننی پڑی، اور وہ اسی وقت گڑیا کو اٹھا کر چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔

وہی گھر تھا جہاں وہ خالی ہاتھ آئی تھی پھر بھی تیمور نے اسے یہاں کی حکمرانی بخشتے ہوئے کہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"یہ گھر تمہارا ہے یہاں تم ہر شے کی بلاشرکت غیرے مالک ہو، ایک اماں ہیں تم اگر انہیں ماں کا درجہ دو گی ان کی عزت کرو گی تو وہ اسی طرح ہمیشہ تم سے خوش رہیں گی اور میں چاہوں گا کہ تم انہیں خوش رکھو تا کہ میری محبت میں کمی نہ آئے۔"

اس نے دہلیز کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک کے بعد ایک کتنے پل اس کی نگاہوں میں آ سمائے، بہت زیادہ وقت تو نہیں گزرا تھا ابھی کل ہی کی بات لگتی تھی کہ وہ اُسے اپنی بانہوں کے حلقے میں لے کر آیا تھا، پھر ہر نئے دن کے ساتھ وقت کا طائر اس کے آنگن میں کچھ انمول کلیاں نچھاور کر جاتا، کبھی بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ کلیاں نچھاور کرتے کرتے اس کی راہوں میں کانٹے بچھا جائے گا۔

"چلو بیٹا!" ماموں کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ آنکھوں میں اترا پانی پلکیں جھپک جھپک کر اپنے اندر اتارتی ہوئی آنگن پار کر کے آئی اور بہت خاموشی سے گڑیا کو پھوپھو کے سامنے بٹھا دیا۔

"تم.....؟" پھوپھو اسے دیکھتے ہی غضب ناک ہو گئیں، "کیوں آئی ہو، اب کیا رکھا ہے یہاں؟ کم بخت تیمور کی جان لے کر بھی تجھے چین نہیں پڑ رہا۔"

"ہمارے بس میں ہوتا تو ہم اپنی زندگی تیمور پر وار دیتے ہم کیا کریں۔" وہ رونے لگی۔

"تم بس میرا پیچھا چھوڑ دو، اٹھاؤ اپنی بیٹی اور جاؤ یہاں سے۔" پھوپھو نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے پھر ماموں سے کہنے لگیں "لے جاؤ اسے اور اگر تم پر بھی بھاری ہو تو اس کی ماں کے پاس بھجوا دو..... میں کہاں سے کھلاؤں گی اپنے پیٹ کا آسرا ہے نہیں"

"ہم ہیں ناں پھوپھو! ہم آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے اور نہ ہی ہم آپ کو کہیں جانے دیں گے بس آپ ہمیں اپنے پاس رکھ لیں۔"

وہ تڑپ کر منت سے بولی پھوپھو نے کوئی جواب نہیں دیا تب وہ کہنے لگی۔

"ہم تیمور کو واپس نہیں لا سکتے، نہ ہم ان کی طرح ہو سکتے ہیں پھر بھی ہم آپ کا سہارا بنیں گے۔ ماموں آپ کہیے ناں پھوپھو سے ہمیں یہیں رہنے دیں ہم بوجھ نہیں بنیں گے۔"

"تم بوجھ نہیں ہو بیٹا! کسی پر بھی نہیں۔" ماموں نے اس کا سر تھپکا پھر پھوپھو سے کہنے



لگے "بچی آپ کے پاس رہنا چاہتی ہے تو رہنے دیجیے، یوں بھی آپ اکیلی ہیں، نسرین بار بار اپنا گھر چھوڑ کر تو آپ کے پاس نہیں آ سکتی۔ آپ کیوں اسے منع کرتی ہیں۔ پھر یہ آپ کے تیمور کی نشانیاں ہیں، انہیں سینے سے لگائیے گا تب ہی تو غم ہلکا ہو گا۔ ورنہ نہ آپ کو چین ملے گا نہ مرنے والے کو۔

پھوپھو کا کلیجہ پھٹنے لگا۔ گڑیا کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"بیٹا! اپنی پھوپھو کا خیال رکھنا۔"

ماموں نے اس سے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے، اس نے دھندلائی آنکھوں سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا پھر پھوپھو کے گرد اپنے بازوؤں کا حلقہ بنا کر انہیں چپ کرانے لگی۔

☆☆☆

اب کسی طور زندہ تو رہنا ہی تھا اگر وہ اکیلی ہوتی تو شاید ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتی لیکن گڑیا اور پھوپھو تھیں اور اُسے ہی ان کا سہارا بننا تھا۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی لیکن جب سوچنے بیٹھی تو اس کا ذہن صرف سکول جاب تک ہی سوچ سکا اور کیونکہ شادی سے پہلے ایک سکول میں پڑھا چکی تھی۔ اس لیے اب اسے اتنی تنخواہ میں گھر کی گاڑی چلنی بہت مشکل لگی، جب کہ کوئی دوسری جاب اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ تب اس نے ماموں سے کہا کہ وہی اسے کوئی مشورہ دیں کیونکہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ اور ماموں نے پہلے تو اُسے ایک قریبی سکول میں جاب دلا دی پھر تیمور کے آفس سے اس کا پراویڈینٹ فنڈ لے کر پھوپھو کی اجازت سے اوپر دو کمرے بنوا کر کرایے پر دے دیئے۔

اس عرصے میں گو کہ اُسے کافی پریشانیوں کا سامنا رہا لیکن یہ ساری پریشانیاں اسے بے معنی لگتی تھیں ظاہر ہے جب زندگی صحرا ہو گئی تھی تو پھر آندھی آئے یا طوفان اس کا کیا بگڑتا، ماموں کا خیال تھا وہ اور پھوپھو اوپر کے دو کمروں میں شفٹ ہو جائیں اور نیچے کا پورا گھر کرایے پر دے دیں کچھ زیادہ پیسے مل جائیں گے لیکن وہ نہیں مانی کیونکہ یہاں ہر گوشہ تیمور کی مہک لیے ہوئے تھا اور وہ ہر پل اُسے اپنے آس پاس محسوس کرتی تھی۔

بہر حال اس کی زندگی کی گاڑی ایک مخصوص ڈگر پر چلنے لگی تھی۔ صبح اذان کے ساتھ اٹھنا شروع سے اس کا معمول تھا، اب بھی وہ اسی وقت اٹھتی نماز کے بعد سیدھا کچن کا رخ کرتی ناشتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اور دوپہر کا کھانا ایک ساتھ بنا لیتی۔ گڑیا چھ ماہ کی ہو چکی تھی اور پھوپھو سے بہت مانوس بھی تھی اس لیے وہ اطمینان سے سکول چلی جاتی۔

دوپہر میں آتی تو صرف روٹی پکانی ہوتی اس کے بعد وہ کچھ دیر کے لیے سو جاتی شام میں بھی کوئی اتنا زیادہ کام نہیں ہوتا تھا ایک گڑیا کا دم غنیمت تھا جو اسے اور پھوپھو کو اپنی معصوم حرکتوں سے بہلائے رکھتی تھی۔ کسی کسی دن نسرین باجی آ جاتیں تو ان کے بچوں سے رونق ہو جاتی۔ ماموں ہر تیسرے چوتھے روز کھڑے کھڑے ہی سہی اس کا حال احوال ضرور پوچھ جاتے تھے۔

البتہ خالہ اماں اور بڑے ماموں کی طرف سے کوئی نہیں آتا تھا اور اسے کوئی گلہ بھی نہیں تھا کیونکہ وہ خود ان کی طرف جانے کا کبھی نہیں سوچتی تھی۔ بہرحال اب وہ اپنے حالات سے کافی حد تک سمجھوتا کر چکی تھی۔ گویا تسلیم کر لیا تھا کہ خوشیاں، دکھ سکھ سب اسے اپنے نصیب سے ملے ہیں اور نصیب کے لکھے کو نہ وہ مٹا سکتی ہے نہ بدلنے پر قادر، البتہ حوصلے اور جدوجہد سے حالات ضرور سنوار سکتی ہے اور گڑیا کی خاطر اسے حالات کو شکست دینی ہی تھی۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ ادھر سمیعہ کی شادی قریب تھی اور کیونکہ چھوٹے ماموں کا گھر ایک طرح سے اس کا میکہ تھا اور اسی گھر کے لوگ اب تک اس کا خیال رکھتے تھے۔ اس لیے وہ اس گھر کی خوشیوں سے دور نہیں رہ سکی۔ شادی سے دو دن پہلے اس نے نسرین باجی کو بلا لیا اور انہیں پھوپھو کے پاس چھوڑ کر خود اطمینان سے ماموں کے گھر آ گئی۔

''اگر اب بھی تم نہ آتیں تو میں سچ مچ تم سے ناراض ہو جاتی۔'' سمیعہ نے اس کی آمد پر خوشی کے اظہار کے ساتھ پیار بھری دھونس جمائی تو وہ اُسے گلے لگا کر بولی۔

''اس لیے تو ہم بھاگے آتے ہیں کہ کہیں تم ناراض نہ ہو جاؤ۔''

''سچ، ویسے میں تم سے ناراض ہو نہیں سکتی۔ کوشش کروں تب بھی نہیں۔''

''یہ بھی ہمیں معلوم ہے، اچھا ممانی کہاں ہیں اور مدیحہ آئی یا نہیں؟''

''جی، میں چار دن پہلے سے آئی ہوئی ہوں۔'' مدیحہ نے پیچھے سے آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ مارا تو وہ اس کے گلے لگتے ہوئے بولی۔

''پھوپھو اکیلی ہو جاتی ہیں ورنہ ہم بھی آ جاتے، خیر تم سناؤ کیسی ہو اور وہ تمہارا ولی عہد



کہاں ہے؟''

''اسے ابھی شاہد باہر لے کر گئے ہیں۔ بہت تنگ کر رکھا تھا۔''

''تمہاری گڑیا بھی تنگ کرتی ہے؟''

''نہیں گڑیا..... بہت اچھی بچی ہے بالکل تنگ نہیں کرتی۔'' اس نے گڑیا کے پھولے پھولے گال پر پیار کیا پھر اسے مدیحہ کی گود میں ڈال دیا۔

اس گہما گہمی میں اس نے قصداً خود کو بہت مصروف رکھا بہت سارے کام اپنے ذمے لے لیے۔ کیونکہ فراغت میں وہ اتنے سارے لوگوں کی موجودگی کے باوجود خود کو بہت تنہا محسوس کرتی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس خوشی کے موقع پر وہ آزردہ نظر آئے اور دوسرے اس کی آزردگی کو محسوس بھی کریں، شادی والے روز بھی وہ مختلف کام نمٹانے میں لگی ہوئی تھی۔ مدیحہ نے بار بار ٹوکا کہ مہمان آنا شروع ہو گئے ہیں وہ تیار ہو جائے اور وہ بس ابھی کہتی ہوئی گزر جاتی۔ آخر مدیحہ نے زبردستی اسے کمرے میں بند کر دیا تب اس نے جلدی جلدی اپنے کپڑے استری کیے اور بدل کر بال سلجھانے میں لگ گئی۔

وہی سیدھی مانگ اور وہی ڈھیلی ڈھالی چوٹی اب کون تھا جو گجرے لا کر اس کی کلائیوں اور بالوں میں سجاتا ایک لحظہ کو اس نے اپنی سونی کلائیوں کو دیکھا اور اس سے پہلے کہ آنکھوں میں سما گراتر تا وہ باہر نکل آئی، ابھی کچھ دیر پہلے گڑیا کو اس نے کسی لڑکی کی گود میں دیا تھا اسی کی تلاش میں باہر شامیانے تک آئی کہ خالہ اماں سے سامنا ہو گیا ان کے ساتھ ریحان تھا۔ پہل اسی نے کی ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا اور وہ سر کے اشارے سے جواب دے کر خالہ اماں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''آداب خالہ اماں!.....''

''کیسی ہو؟'' وہی سرد مہری جسے وہ کبھی شدت سے محسوس کرتی تھی اور اب اس کے اپنے احساسات ہو چکے تھے۔ جواب میں بس ذرا سا سر ہلایا اور گڑیا کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگی۔

''تیمور بھائی نظر نہیں آ رہے۔'' اس کی متلاشی اور بھٹکتی نظروں پر ہی غالباً اس نے پوچھا اور جہاں وہ بری طرح چونکی وہاں خالہ اماں سٹپٹا گئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''کیسی باتیں کرتے ہو؟''

''کیا کہا ہے میں نے، تیمور بھائی کو ہی تو پوچھا ہے۔'' اس نے اتنے یقین سے اپنی بات دہرائی کہ وہ سمجھ گئی، وہ اس پر گزرنے والے سانحے سے یکسر لاعلم ہے، بے حد دکھ سے بولی۔

''اسی شہر میں رہتے ہیں آپ اور آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آٹھ ماہ پہلے کچھ دہشت گرد گھر آ کر ہمیں بیوگی کی چادر اوڑھا گئے تھے۔''

''اونو!.....'' وہ ایکدم سناٹے میں آ گیا۔ نظروں کے عین سامنے سیدھی شفاف مانگ تھی کہیں کوئی پیچ وخم نہیں پھر بھی،

''ان دنوں تم اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔'' خالہ اماں اپنی جگہ چورسی بن کر بولیں تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

''پھر بھی ممی آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔''

''میں نے بتایا تھا شاید تمہیں یاد نہیں رہا۔'' وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئیں تو وہ پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

ویری سیڈ میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں افسوس کا اظہار کیسے کروں اور افسوس تو مجھے اپنی لاعلمی پر بھی ہو رہا ہے، اتنا بے خبر تو میں کبھی نہیں تھا۔''

وہ کچھ نہیں بولی، یوں بھی اس نے کوئی جواب طلب بات نہیں کی تھی۔ تبھی ایک لڑکی گڑیا کو لے کر آ گئی اس نے شکریہ کہہ کر گڑیا کو لے لیا۔

''آپ کی بیٹی ہے؟'' اس نے گڑیا کا گال چھو کر پوچھا۔

''جی.....!''

''کہاں، یہیں ماموں کے پاس ہوتی ہیں آپ؟'' ''نہیں، ہم اپنے گھر میں رہتے ہیں اپنی پھوپھو کے ساتھ۔''

وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی، پھر سارا وقت وہ خالہ اماں کی چبھتی ہوئی اور اس کی متلاشی نظروں کے حصار میں رہی تھی۔ لیکن اب جب کہ وہ گود میں بیٹی لیے کھڑی تھی تو وقت کا پہیہ الٹا نہیں چلا سکتی تھی۔

وہ گڑیا کے برابر اس سے کچھ بڑی تھی جب اس کے ابا کا انتقال ہوا تھا اس کے بعد نانی



اماں نے اماں کی دوسری شادی کرنے میں بہت جلدی کی غالباً انہوں نے یہی مناسب سمجھا ہوگا لیکن وہ اس کہانی کو دوبارہ نہیں دہرانا چاہتی تھی جبھی سمیعہ کی شادی نمٹا کر گھر آئی تو ہر خیال جھٹک کر اپنے معمولات میں مصروف ہو گئی، لیکن تیسرے ہی دن ریحان کو اپنے گھر دیکھ کر وہ حیران ہو گئی، اس وقت وہ سکول سے آ رہی تھی، اور وہ پھوپھو کے پاس بیٹھا تھا اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور جانے کیا سوچ کر آیا تھا کہ پھوپھو کا خیال کیے بغیر کہنے لگا۔

''میں تمہیں لینے آیا ہوں۔''

''خیریت، ہمارا مطلب ہے کس لیے؟'' وہ اس کے انداز سے کچھ نہیں سمجھ سکی۔

''گھر چلو بتاؤں گا۔'' وہ اتنا پر یقین تھا جیسے وہ منع کر ہی نہیں سکتی اور اس نے صاف منع کر دیا۔

''سوری ہم نہیں جا سکتے۔''

''کیوں؟'' وہ اس کا کیوں نظر انداز کر گئی۔

''وہ بیٹھیں ہم کھانا لاتے ہیں، زیادہ دیر نہیں لگے گی بس صرف روٹی ڈالنی ہے۔''

وہ کہتے ہوئے کچن میں آ گئی اور ابھی چولہا جلا کر توا رکھا ہی تھا کہ وہ پیچھے آ گیا۔

''تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔ سمجھیں تم۔'' اس کے مضبوط لہجے پر وہ سن سی ہو گئی پھر ایکدم سنبھل کر اسے دیکھا تو وہ آواز دبا کر بولا۔

''بہت من مانی کر لی تم نے، میری کھڑی کی ہوئی محبت کی دیواریں پھلانگ کر کیا ملا تمہیں؟ مجھے بتاؤ، کتنا عرصہ خوش رہ سکی ہو تم یا تیمور حسن نے''

''تیمور حسن کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں کہنا ریحان احمد ہم ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔'' وہ ایکدم آپے سے باہر ہو گئی۔

''آپ کی کھڑی کی ہوئی نام نہاد دیواریں ہم نے نہیں پھلانگیں، جا کر خالہ اماں سے پوچھیے، جنہوں نے آپ کے جاتے ہی ہم سے آنکھیں پھیر لی تھیں اور ماموں سے پوچھیے جن سے خالہ اماں نے کہا کہ اگر اماں نے ہمیں اس نیت سے بھیجا ہے کہ وہ ہمیں اپنی بہو بنا لیں گی تو بے شک ہمیں واپس بھجوا دیا جائے کیونکہ وہ ہرگز بھی ہمیں بہو نہیں بنائیں گی۔''

''می نے یہ سب کہا؟'' وہ سناٹے میں آ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"جی ہاں پوچھ لیجیے جا کر ان سے اور ہمیں باؤلے کتے نے نہیں کاٹا تھا کہ ان کے منہ سے ایسی باتیں سن کر بھی ان کے در پر پڑے رہتے۔"

قدرے توقف سے کہنے لگی۔

"یہ گھر دیکھ رہے ہیں آپ، یہاں ہم خالی ہاتھ آئے تھے لیکن تیمور حسن نے ہمیں مالا مال کر دیا، محبت ان دیواروں میں نہیں تھی ریحان احمد! جو آپ نے کھڑی کی تھیں، محبت ان بیڑیوں میں ہے جو تیمور نے ہمارے پیروں میں ڈالی ہیں کہ ہم یہاں سے نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سچ پوچھیے تو ہمیں یہ بیڑیاں اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہیں، انہی کی بدولت تو ہم اپنے پیر زمین پر جمانے کے قابل ہوئے ہیں۔"

اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی اور کتنی دیر تک وہ بھی خاموش کھڑا رہا پھر گہری سانس لے کر جیسے اپنے آپ سے بولا۔

"ممی نے تو مجھے کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا اور نہ میرا خیال تھا میں زندگی میں ایک بار تمہارا محاسبہ ضرور کروں گا اور اب میں کیا کہوں، تمہارے سامنے خود کو اتنا چھوٹا محسوس کر رہا ہوں پھر بھی صوفیہ میری محبت پر شک نہیں کرو۔ کیا یقین کے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ تمہاری طرف سے بدگمان ہونے کے باوجود میں اب تک تنہا ہوں۔"

"لیکن ہم تنہا نہیں ہیں۔" وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

"اگر تمہارا اشارہ گڑیا کی طرف ہے تو.....؟"

"صرف گڑیا نہیں پھوپھو ہیں اور سب سے بڑی کر تیمور حسن کی محبتیں جن سے ہم دامن نہیں چھڑا سکتے اور ہم ایسا چاہتے بھی نہیں ہیں، پلیز آپ چلے جائیں۔" وہ اس کی طرف سے منہ موڑ گی۔

"صوفیہ اس طرح منہ نہیں موڑو، میں تمہیں نئی زندگی کی نوید دینے آیا ہوں، اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں بہت پہلے تمہارے پاس آتا خیر اب بھی دیر نہیں ہوئی۔"

کچھ دیر رک کر اس کے بولنے کا انتظار کیا لیکن وہ اسی طرح منہ موڑے کھڑی رہی تب سمجھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"دیکھو، زندگی بہت طویل ہے اور ہمارے معاشرے میں خصوصاً عورت کے لیے بغیر



کسی سہارے کے جینا بے حد دشوار ہے۔"

"ہم جانتے ہیں۔" وہ یوں بولی جیسے اس تلخ موضوع کو طول نہ دینا چاہتی ہو۔

"جانتی ہو تو میری بات پر غور ضرور کرنا، میں پھر آؤں گا۔"

وہ دوبارہ آنے کا کہتا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا تو اس نے جلدی جلدی دو روٹیاں ڈالیں اور پلیٹ میں سالن نکال کر کھانا پھوپھو کے سامنے لا کر رکھا اور پلٹ کر جانے لگی کہ انہوں نے پکار کر پوچھ لیا۔

"تم نہیں کھاؤ گی؟"

"بس پھوپھو! ہمیں بھوک نہیں ہے۔"

"وہ تمہارا خالہ زاد چلا گیا؟ کاہے کو لینے آیا تھا تمہیں؟"

پھوپھو نے یونہی سرسری انداز میں پوچھ لیا اور فوری طور پر اسے کوئی جواب نہیں سوجھا تو ادھر ادھر گڑیا کی پھیلائی ہوئی چیزیں سمیٹتی ہوئی بولی۔

"یہ گڑیا بہت بکھیڑا کرنے لگی ہے۔ باندھ کر بٹھایا کریں اسے۔" پھوپھو قریب سوئی گڑیا کو دیکھ کر ہنسنے لگیں، تو وہ سمیٹی ہوئی چیزیں رکھنے کے بہانے اپنے کمرے میں آ گئی۔

اب جب کہ اپنے حالات سے سمجھوتا کر کے وہ اپنی زندگی کی ناؤ ہموار سطح پر لے آئی تھی تو ایسے میں ریحان کی آمد اُسے سخت ناگوار گزری، کیونکہ وہ طے کر چکی تھی کہ کبھی دوسری شادی کر کے گڑیا کے لیے اپنے جیسے حالات پیدا نہیں کرے گی۔ جب ہی اس کے بعد جتنی بار ریحان آیا اس نے مایوس لوٹا دیا۔ گو کہ کتاب زندگی کا جو باب بند ہو چکا تھا اسے دوبارہ کھولنا مشکل نہیں تھا لیکن اس سے پہلے تیمور حسن کی محبتوں کو صفحہ ہستی سے مٹانا ناممکن تھا اور وہ جانتی تھی کہ اگر اپنے پاؤں کی بیڑیاں کھولنے بیٹھی بھی تو عمریں بیت جائیں گی۔

ریحان کی بار بار آمد سے پھوپھو پہلے کھٹکیں پھر اس کا ارادہ بھانپ کر اندر ہی اندر خوفزدہ ہو گئیں کہ کہیں وہ انہیں چھوڑ کر نہ چلی جائے، پتا نہیں انہیں واقعی وہ اتنی عزیز تھی یا اپنے بڑھاپے کا سہارا چھن جانے کا خوف تھا کچھ بھی سہی وہ خدشات میں گھر کر بہت پریشان رہنے لگی تھیں گو کہ اس پر ظاہر نہیں کرتی تھیں لیکن وہ خود محسوس کرنے لگی تھی خصوصاً ریحان کی آمد پر ان کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں واضح طور پر دیکھ لیتی اور ابھی وہ یہ سمجھنے کی کوشش ہی کر رہی تھی کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



پھوپھو ریحان کو دیکھ کر خوفزدہ کیوں ہو جاتی ہیں کہ اس روز وہ پھر آ گیا۔

''تم نے کیا سوچا ہے؟'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا اور وہ اسی وقت سوچ کر بولی۔

''یہی کہ آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے۔

کزن کی حیثیت سے بھی نہیں، کیونکہ ہم ایسے کسی شخص کا یہاں آنا پسند نہیں کرتے جو تیمور کی زندگی میں ہمارے گھر نہیں آیا۔''

''تم نے کبھی بلایا ہوتا تو میں ضرور آتا۔''

''ہم نے کسی کو نہیں بلایا۔ جنہیں ہمارا خیال تھا وہ خود آئے۔''

''بے وقوف لڑکی! مجھے تمہارا ہی خیال تھا، جب ہی نہیں آیا کہ کہیں تم مجھے دیکھ کر پزل نہ ہو جاؤ، گئے دنوں کے کسی خوبصورت لمحے کی گرفت میں آ کر اپنی زندگی ڈسٹرب نہ کر بیٹھو۔'' اس نے صاف گوئی سے اپنا یقین دلایا۔

''ہم اتنے کمزور نہیں تھے ریحان احمد! تیمور حسن کی سنگت نے ہمیں چٹان بنا دیا تھا اب بھی ہم کمزور نہیں ہیں جب ہی آپ سے التجا نہیں کر رہے بلکہ صاف منع کر رہے ہیں کہ آئندہ ہمارے گھر مت آیئے گا۔''

ایک شخص نے اسے اپنی محبتوں کی پناہوں کے ساتھ اس گھر کی حکمرانی بخشی تھی، اس کے لہجے میں وہی زعم تھا وہ کتنی دیر تک اس کے اونچے سر کو دیکھتا رہا۔ بیچوں بیچ سیدھی شفاف مانگ، کہیں کوئی پیچ و خم نہیں، پھر بھی وہ اب تک بھٹک رہا تھا اور یونہی بھٹکنا تھا، سر جھکا کر وہیں سے واپس پلٹا تو قدم بے حد شکستہ تھے اور اس کے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے اس کے اندر نا معلوم سا دکھ گھر کر گیا۔

''ہم کیا کریں، ریحان احمد، ہمیں تو اماں نے یہاں بھیج دیا تھا ہم اپنی بیٹی کو کہاں بھیجیں گے۔ جو ہمارے ہی جیسا نصیب لے کر پیدا ہوئی ہے۔ جب ہی ہم اپنے لیے دروازہ بند کر رہے ہیں تا کہ گڑیا کے لیے اپنے ہاتھوں سے کھول سکیں۔''

پلکوں تک آئی نمی انگلیوں پر سمیٹ کر جب وہ اندر آئی تو پھوپھو کے چہرے پر پھیلے اطمینان نے پل میں اسے ان کے خوف کا سبب سمجھا دیا جسے وہ ابھی رخصت کر آئی تھی لیکن اپنے اندر دھیرے دھیرے اترتی اداسی کو وہ کیا نام دے۔

☆☆☆



# مسافتوں کے عذاب سارے

خلاف عادت وہ بہت خاموشی سے صبا جی کو سوٹ کیس تیار کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ان کے انداز میں کہیں جانے کا نہ جوش تھا نہ خوشی اگر اندر ہی اندر وہ ایسا کچھ محسوس کر بھی رہی ہوں گی، تب بھی بظاہر بہت پرسکون سی تھیں ہمیشہ کی طرح پتا نہیں وہ اپنے کسی بھی جذبے کا برملا اظہار کیوں نہیں کرتی تھیں۔ یا شاید وہ اظہار کرنا چاہتی ہی نہیں تھیں۔ کم از کم اسے بہت حیرت ہوتی تھی۔ اور کبھی کبھی الجھن بھی۔ کہ بدلتے موسم ہوں یا بدلتے حالات، ان پر کسی بات کا اثر کیوں نہیں ہوتا۔ وہ سارے کام ایک ہی انداز سے کیوں نہیں کرتی ہیں۔ اس وقت اپنے کھلے سوٹ کیس کے پاس کھڑی جس طرح وہ یہ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھیں کہ انہیں اور کیا چیز اس میں رکھنی ہے، تو بالکل یہی انداز ان کا صبح دھوبی کو کپڑے دیتے ہوئے تھا۔ اسے لگا جیسے وہ ایک ہی منظر کو دوبارہ دیکھ رہی ہو۔ بے حد جھنجھلا کر اٹھی، اور ان کا سوٹ کیس بند کر دیا۔

''کیا ہوا۔؟'' صبا جی نے ہنوز پرسکون رہ کر پوچھا تو اس کی جھنجھلاہٹ اضافہ ہو گیا۔

''آخر آپ کیوں جا رہی ہیں؟''

''نانا جی نے بلایا ہے اس لیے'' ان کی سادگی سے کہنے پر وہ چڑ کر بولی۔

''یعنی اس میں آپ کی کوئی مرضی شامل نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''مطلب یہ کہ آپ خود جانا چاہ رہی ہیں یا نہیں۔''

''میں جانا چاہ رہی ہوں' لیکن اگر تمہیں میرا جانا اچھا نہیں لگ رہا تو میں نانا جی کو منع کروا دیتی ہوں۔''

''ارے نہیں۔'' وہ فوراً بولی۔'' آپ ضرور جائیں ورنہ آپ کے نانا جی کہیں گے کہ یہاں سے جبراً آپ کو روکا گیا ہے۔''

''نانا جی ایسا نہیں سوچ سکتے' انہیں پتا ہے کہ یہاں سب میرا کتنا خیال رکھتے ہیں۔''

''اچھا چلیں جلدی کریں' آپ کے ماموں جی انتظار میں بیٹھے ہیں۔'' اس نے یاد دلایا تو وہ دوبارہ سوٹ کیس کھولتے ہوئے بولیں۔

''تم نے مجھے باتوں میں لگا دیا۔ تو اب جلدی سے اس میں کپڑے رکھو۔''

کیا زیادہ عرصہ وہاں رہنے کا ارادہ ہے؟'' وہ الماری سے کپڑے نکال کر رکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ میرا مطلب ہے جب یہاں سے بلاوا جائے گا تو واپس آ جاؤں گی۔''

''اگر پاپا نے کل ہی آپ کو بلا بھیجا تب۔''

''نہیں خیر انکل مجھے اتنی جلدی تو نہیں بلائیں گے''

ارے یہ سوٹ آپ نے کب خریدا۔؟'' وہ جو باتوں کے ساتھ ساتھ کپڑے بھی الماری میں سے نکال نکال کر رکھتی جا رہی تھی' ایک بالکل نیا سوٹ ہاتھ میں آیا تو اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''اس روز آنٹی کے ساتھ بازار گئی تھی' جب لیا تھا۔ کیسا ہے؟''

''بہت اچھا۔ کلر بھی بہت پیارا ہے۔''

''اگر تمہیں پسند ہے تو تم لے لو۔'' انہوں نے فراخدلی سے کہا' تو اس نے پھینکنے کے انداز میں سوٹ اٹیچی میں رکھ دیا۔ اور صبا جی کچھ خجل سی ہو کر بولیں۔

''میں نے اسے پہنا نہیں ہے۔ یقین کرو اس روز سے یہ۔''

''میں کب کہہ رہی ہوں کہ آپ اسے پہن چکی ہیں۔''

''تو پھر تم کیوں نہیں لے رہی۔''



''جو چیز آپ کی ہے' وہ بس آپ کی ہے' اور آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں دوسرے کی چیز کو اپنے لیے پسند نہیں کرتی۔'' اس کے ایک دم لہجہ بدل لینے پر صبا جی خاموش ہو رہیں۔ پھر سوٹ کیس کا جائزہ لے کر بولیں۔

''بس کرو' کافی ہیں اتنے کپڑے۔ اس نے پہلے الماری بند کی پھر سوٹ کیس' اس کے بعد ان کے ساتھ کمرے سے نکل کر آئی' تو پاپا جو ان کے ماموں جی کے پاس بیٹھے تھے' انہوں نے خاص طور سے صبا جی کو بلایا۔ اور پاس بٹھا کر پتا نہیں کیا کہنے لگے' کہ وہ بہت خاموشی سے وہیں سے واپس پلٹ گئی۔ پھر جس وقت صبا جی اپنے ماموں کے ساتھ جا رہی تھیں' وہ ٹیرس پر ریلنگ کے سہارے کھڑی تھی' اس نے بہت خاموشی سے ہر قسم کے حالات میں پرسکون رہنے والی اس لڑکی کو جاتے ہوئے دیکھا' اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی' تب اس نے سوچا۔ ایسی ہی کسی شام میں وہ یہاں آئی تھی' اور یہ کل کی بات نہیں تھی۔

اس وقت وہ کافی چھوٹی تھی، غالباً پانچ چھ سال کی۔ اپنی ممی اور پاپا کی محبتوں اور ہر چیز کی بلا شرکت غیرے مالک تھی کہ ایک شام صبا جی پاپا کی انگلی تھامے اس کے ساتھ شیر کرنے چلی آئیں۔ وہ کوئی غیر نہیں بلکہ اس کی تایا زاد تھیں۔ ان کی پیدائش پر ہی تائی جی کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور اس وقت جب وہ دس برس کی تھیں تو تایا جی بھی داغ مفارقت دے گئے۔ کچھ عرصہ وہ دادا، دادی کے پاس گاؤں میں رہیں۔ لیکن پھر تعلیم کا مسئلہ ہوا۔ تو پاپا انہیں اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ ممی اور پاپا دونوں کا خیال تھا کہ صبا کی آمد پر وہ خوشی کا اظہار کرے گی، اور اسے خوش ہونا چاہیے تھا کہ تنہائی کی ساتھی مل گئی تھی، لیکن پتا نہیں کیوں انہیں دیکھتے ہی وہ متضاد کیفیات میں گھر گئی تھی۔ اور وہی متضاد کیفیات اب تک اس کے ساتھ ساتھ تھیں۔ جس طرح اول روز انہیں دیکھ کر وہ نہیں جان پائی تھی کہ وہ ان کی آمد پر خوش ہے، یا ناخوش۔ اسی طرح کبھی یہ بھی نہیں جان سکی کہ وہ ان سے محبت کرتی ہے یا نہیں۔ جبکہ بظاہر ایسا نہیں تھا۔ یعنی بظاہر وہ ان کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے رہتی تھی۔ جس طرح ممی اور پاپا سب سے یہ کہتے کہ ان کی دو بیٹیاں ہیں، اسی طرح وہ بھی انہیں اپنی بڑی بہن بتاتی تھی۔ لیکن پتا نہیں کیوں، ان کی اس گھر میں موجودگی کے باعث اسے ان کے وجود کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ حالانکہ وہ اپنے ہر کام کے لیے ایک طرح سے ان کی محتاج تھی۔ اس کے کمرے کو صاف ستھرا رکھنا، کپڑے استری کرنا، ہر دوسرے دن الماری کی صفائی، کتابوں کا ریک،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


یہاں تک کہ اس کے بالوں کی چوٹی بھی صبا جی ہی گوندھتی تھیں۔ اس کے باوجود وہ ان کی ذات کی نفی کر جاتی، شاید اس لیے کہ چھٹیوں میں جب صبا جی اپنے ننھیال چلی جاتیں، تو وہ بجائے پریشان ہونے کے یہ سارے کام بڑی سہولت سے خود کر لیا کرتی تھی، اور کبھی اسے احساس بھی نہیں ہوتا تھا کہ کل تک سارے کام اسے کیے کرائے مل رہے تھے، اور آج خود کرنے پڑ رہے ہیں، اور عجیب بات یہ تھی کہ وہ انہیں مس بھی نہیں کرتی تھی۔ وہ چلی جاتیں تو لگتا جیسے وہ کبھی یہاں تھیں ہی نہیں۔ اور جب وہ آ جاتیں تب یوں لگتا، جیسے وہ کہیں گئی ہی نہیں تھیں۔ اس سے دو ہی باتیں فرض کی جا سکتی تھیں، کہ یا تو وہ اس کی ذات کا حصہ ہیں یا کچھ بھی نہیں، اور اپنی فطری لاپروائی کے باعث ا بتک خود اس نے یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی، کہ آخر وہ ہیں کیا۔ اس وقت بھی اس نے بس انہیں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے بعد جب اپنے کمرے میں آئی تو ایک پل کو بھی یہ خیال نہیں آیا کہ اب بہت دنوں تک اسے تنہا رہنا پڑے گا۔ رات کے کھانے پر ممی نے سب سے پہلی بات یہی کی۔

''صبا کے جانے سے گھر کتنا اکیلا اکیلا سا ہو جاتا ہے۔''

''ہاں۔'' پاپا نے فوراً ان کی تائید کی پھر اس کی طرف دیکھا، تو وہ ایک نظر صبا جی کی خالی کرسی پر ڈال کر کھانے میں مصروف ہو گئی۔''

''اسے کہاں کسی بات کی احساس ہوتا ہے۔ ممی کافی حد تک اس کی عادت سے واقف تھیں۔''

''صبا ہی ہے جو اس پر جان چھڑکتی ہے، اس کے بغیر نوالہ تک اس کے حلق سے نہیں اترتا۔ ابھی جاتے ہوئے بھی بس اس کی فکر تھی۔ بار بار مجھ سے کہہ رہی تھی۔ روشی کا خیال رکھیے گا۔''

''میں کوئی چھوٹی بچی نہیں ہوں۔'' وہ کھانے میں مصروف رہ کر بولی۔

''ہاں بھئی، اب روشی بہت بڑی ہو گئی ہے۔''

پاپا نے مسکرا کر اسے دیکھا، تو وہ منہ پھلا کر بولی۔

''نہیں بیٹا۔ بھلا اس میں مذاق اڑانے والی کیا بات ہے۔'' پاپا نے ہلکے سے اس کا گال تھپکا، پھر اچانک خیال آنے پر ممی سے پوچھنے لگے۔



''تم نے انیکسی کی صفائی وغیرہ کروا دی تھی۔''

''ہاں، میں نے رشید سے کہہ دیا تھا۔''

''کوئی آ رہا ہے کیا؟ اس نے یونہی پوچھ لیا۔

''شیرازی آ رہا ہے۔'' پاپا نے یوں بتایا، جیسے وہ بہت اچھی طرح جانتی ہو۔ اور وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد ممی سے پوچھنے لگی۔

''کون شیرازی؟''

''تمہارے پاپا کے کسی دوست کا بیٹا ہے۔ تم کھانے سے فارغ ہو کر ذرا انیکسی دیکھ آنا۔ رشید نے پتا نہیں ٹھیک سے صفائی کی بھی ہے یا نہیں۔'' ممی نے شیرازی کے بارے میں بتانے کے ساتھ کام بھی بتا دیا۔

''صبح دیکھ لوں گی۔'' اس نے سستی کا مظاہرہ کیا۔

''صبح تمہیں یاد نہیں رہے گا۔ جبکہ شیرازی کسی بھی وقت آ سکتا ہے، ویسے مجھ سے غلطی ہوئی، آج دن میں صبا سے کہہ دیتی تو وہ سب ٹھیک ٹھاک کر لیتی۔'' ممی نے اسے ٹوکنے کے ساتھ صبا جی کو بھی یاد کیا۔ تو اس کی ساری سستی پل میں غائب ہو گئی۔ پھر بھی کل پر ٹالا۔

''آپ بالکل فکر مت کریں، صبح میں سب سے پہلا کام یہی کروں گی۔'' اس کے ساتھ ہی نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایسے وقت میں ہمیشہ اس پر عجیب سی جھلاہٹ سوار ہو جاتی، جب ممی اس سے کوئی کام کہہ کر صبا جی کا حوالہ ضرور دیتیں۔ حالانکہ وہ بھی انہی کی طرح کام کرتی تھی۔ لیکن شاید ممی کو اس پر بھروسا نہیں تھا، یا پھر ابھی تک اسے بچہ سمجھتی تھیں۔ کچھ بھی تھا وہ لاشعوری طور پر خود کو صبا جی سے برتر نہیں تو ان کے برابر ثابت کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ لاشعوری طور پر یوں کہ کبھی اس نے ممی کو ٹوکا نہیں تھا کہ آخر وہ صبا جی کو اتنی اہمیت کیوں دیتی ہیں۔ انہی کی طرح اس پر بھی بھروسا کیوں نہیں کرتیں۔ بس خاموشی سے ممی کی بات سن لیتی۔ اس کے بعد جو کام ممی اسے سونپتیں اسے اس خوش اسلوبی سے انجام دیتی کہ ممی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتیں۔ اور وہ تعریف کرتی ضرور تھیں لیکن حیرت کا اظہار کرنے کے بعد جس سے اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا، اور پھر وہ اپنی تعریف پر بھی یوں انجان اور لاتعلق بن جاتی، جیسے کسی اور کے بارے میں کہا جا رہا ہو۔ اور اس کی اسی لاتعلقی کو ممی لاپرواہی پر محمول کرتی تھیں، جبکہ وہ تو لاپرواہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



تھی اور نہ ہی غیر ذمہ دار بس اسے دوسری طرف سے اطمینان چاہیے تھا۔ کبھی ممی اسے کوئی کام کہیں اور پھر مطمئن ہو جائیں۔ لیکن پتا نہیں کیوں انہیں ہمیشہ آخر وقت تک دھڑکا لگا رہتا تھا کہ یا تو کام ہوگا نہیں، یا وہ ضرور گڑبڑ کر دے گی، اور کبھی کبھی اس کا دل چاہتا، وہ سچ مچ گڑبڑ کر دے لیکن ابھی تک اس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

حسب معمول صبح نماز کے بعد وہ لان میں نکل آئی۔ شبنمی گھاس پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے اچانک اسے یاد آیا کہ رات اس نے ممی نے کہا تھا کہ وہ سب سے پہلا کام انیکسی دیکھنے کا کرے گی۔ بس اسی وقت وہ انیکسی کی طرف چلی آئی۔ گملوں کو پھلانگ کر چھوٹا سا چوکور برآمدہ اور پھر دروازہ، جسے بے دھڑک کھول کر وہ اندر داخل تو ہوگئی فوراً ہی ٹھٹھک گئی۔ بیڈ پر دراز وہ جو کوئی بھی تھا تکیے کے سہارے ذرا سا اونچا ہو کر پتا نہیں نیند سے بیدار ہو رہا تھا۔ یا اب سونے جا رہا تھا کہ اسے دیکھ کر اس کی پوری آنکھیں کھل گئیں۔

''آئی ایم سوری۔'' وہ معذرت کرتے ہوئے پلٹنے کو تھی کہ روک لی گئی۔

''ایک منٹ۔ آپ؟''

''میں روشی ہوں۔''

''ر۔ و۔ شی۔'' بے حد حیرت کا مظاہرہ کیا گیا۔

''آپ حیران کیوں ہوئے۔'' وہ پوچھے بغیر رہ نہیں سکی۔

''حیرت کی بات تو ہے، کیونکہ ڈیڈی نے آپ کا ذکر اس انداز سے کیا تھا۔ جیسے کوئی چھوٹی سی بچی ہو، اور رات انکل، آنٹی کا انداز بھی ایسا ہی تھا۔ میرا مطلب ہے آپ کے ممی ڈیڈی کا۔'' وہ کوشش سے قہقہہ لگا کر ہنسی۔

''میرا خیال ہے آپ کے ڈیڈی نے مجھے اس وقت دیکھا ہوگا جب میں اتنی سی تھی۔'' اس نے ہاتھ اپنے آدھے قد کے برابر رکھ کر کہا۔

''اور تمہارے ممی پاپا نے تمہیں کب دیکھا تھا'' شیرازی کی مسکراہٹ میں ہلکی سی شرارت تھی۔

''ممی، پاپا کی بات نہ کریں، وہ تو ہمیشہ مجھے بچہ سمجھتے رہیں گے۔''

''یہ زیادتی ہے۔'' اس کے منہ پھلا کر کہنے پر غالباً انہوں نے اس کی دلجوئی کی، پھر اٹھ



کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''کون سی کلاس میں پڑھتی ہو؟''

''بی۔ اے فرسٹ ایئر کا امتحان دیا ہے۔''

''واقعی۔'' ان کے حیرت کے اظہار پر خوش ہو کر بولی۔

''آپ کیا سمجھے تھے، ایم۔ اے کر چکی ہوں۔''

''ہاں۔'' وہ کسی طرح اپنی ہنسی نہیں روک سکے، جبکہ وہ بالکل نہیں سمجھی۔ اسی وقت رشید چائے لے کر آ گیا۔ اور ان سے ناشتے کے بارے میں پوچھنے لگا۔

''ناشتا میں سب کے ساتھ کروں گا۔'' انہوں نے کہا، اور چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''او کے ناشتے پر ملاقات ہوگی۔'' وہ ان کے واش روم جانے سے پہلے کہہ کر چلی آئی۔

شیرازی ایک سیمی گورنمنٹ ادارے میں سول انجینئر تھے۔ ٹرانسفر ہو کر کراچی آئے تھے، ان کے ڈیڈی اور پاپا کی دوستی بہت پرانی تھی۔ جس زمانے میں ملتان میں نشتر میڈیکل کالج کی تعمیر ہو رہی تھی۔ پاپا نے وہیں سے کنسٹرکشن کی ابتدا کی تھی، جبکہ شیرازی کے ڈیڈی وہاں انجینئر تھے، وہیں سے دونوں کی دوستی کی ابتدا ہوئی تھی، اور پھر ایک طویل عرصہ تک دونوں ملتان ہی میں رہے، اس کے بعد غم روزگار نے دونوں کے راستے الگ ضرور کیے۔ لیکن دوستی میں دوریاں حائل نہیں ہوئیں۔ سال ڈیڑھ سال میں یا تو پاپا ان سے ملنے چلے جاتے، یا وہ آ جاتے تھے، اب جب شیرازی یہاں آ رہے تھے تو ان کے ڈیڈی نے فوراً پاپا کو اطلاع دی، کہ ان کے بیٹے کی ٹرانسفر کراچی ہوگئی ہے، کچھ دنوں تک اسے رہائش کی پرابلم رہے گی۔ اور پاپا نے اس پرابلم کو بڑی سہولت سے حل کر دیا تھا۔ یوں بھی انیکسی خالی ہی رہتی تھی۔ شاذ و نادر ہی کوئی ایسا مہمان آتا تھا جس کے لیے انیکسی کی ضرورت پڑتی۔ اس لیے پاپا نے شیرازی سے کہہ دیا کہ وہ جب تک چاہیں یہاں رہ سکتے ہیں، اور شیرازی کا ارادہ زیادہ عرصہ تک مہمان بن کر رہنے کا نہیں تھا۔ ان کا خیال تھا وہ نئے آفس میں سیٹ ہونے کے فوراً بعد اپنی رہائش کا انتظام کریں گے۔ لیکن ممی اور پاپا کے خلوص اور اپنائیت کے باعث وہ اتنی جلدی یہاں سے جانے کی بات نہیں کر سکے۔ ویسے بھی صبح کے گئے شام کو لوٹتے تھے۔ بلکہ شروع میں کچھ ایسی مروت برتی کہ رات کا کھانا باہر ہی سے کھا کر آتے،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



جس پر ممی بہت خفا ہوتیں۔ جبکہ پاپا نے ان کے ڈیڈی سے شکایت کرنے کی دھمکی بھی دے ڈالی۔

جس سے وہ آفس کے بعد سیدھا گھر آنے لگے۔ انہیں گھر کے فرد کی حیثیت سے شمار کیا جاتا جس سے وہ زیادہ دن تک خود کو اجنبی محسوس نہیں کر سکے۔ پھر روشی بھی ان کے ساتھ بہت جلد فری ہو گئی تھی۔ اس کا اپنا مزاج تھا، جن لوگوں کو پسند نہیں کرتی تھی، ان سے کبھی مروتاً بات نہ کرتی، خواہ بہت قریبی عزیزوں سے ہی کیوں نہ ہو، اور جو لوگ اچھے لگتے ان سے کبھی منہ نہیں موڑ سکتی تھی۔ شیرازی کی شخصیت میں تو پھر ایک سحر تھا۔ ہلکے سے رعب اور وقار کے ساتھ مقابل کو گرفت میں لیتے تھے۔ وہ چاہتی بھی تو ان سے منہ نہیں موڑ سکتی تھی۔ مرعوب بھی نہیں تھی بلکہ یوں جیسے برسوں سے ان سے دوستی ہو۔ بے دھڑک ان کے کمرے میں چلی جاتی اور اگر کسی شام وہ جلدی آجاتے تو انہیں اپنے ساتھ بیڈمنٹن کھیلنے پر مجبور کرتی، ان کی نظر میں وہ کافی چھوٹی تھی، لیکن پہلے مرحلے پر ہی انہوں جان لیا تھا کہ وہ خود کو بہت بڑا سمجھتی ہے، اور اگر اسے چھوٹا کہا جائے تو خفا ہو جاتی ہے، اور وہ اپنی اس ننھی دوست کو خفا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کوشش کرتے کہ اس کے روٹھنے والی کوئی بات نہ ہو۔ پھر بھی کسی کسی وقت غیر ارادی طور پر منہ سے کوئی ایسی بات نکل ہی جاتی جیسے اس وقت اچانک پوچھ بیٹھے تھے۔

"تم بڑی ہو کر کیا بنو گی؟"

"کیا مطلب ہے آپ کا۔ اب میں آپ کو چھوٹی نظر آرہی ہوں۔" وہ فوراً ٹوک گئی۔

"نہیں۔ میں یہ پوچھنا چاہ رہا ہوں کہ بی۔ اے کے بعد کیا کرو گی؟" ان کی مسکراہٹ ہونٹوں کے بجائے آنکھوں میں رقص کر رہی تھی۔

"میرا ارادہ ایم۔ بی۔ اے کرنے کا ہے، تاکہ پاپا کی بزنس پارٹنر بن سکوں۔"

"بزنس پارٹنر۔" وہ محظوظ ہو کر بولے۔ "بزنس میں پارٹنر بننے کے لیے تمہیں سرمایہ کاری بھی کرنی پڑے گی، اتنا سرمایہ ہے تمہارے پاس؟"

"پاپا سے لے لوں گی۔"

"یعنی انہی سے سرمایہ لے کر انہی سے پارٹنر شپ کرو گی۔"

"ہاں۔"

"اور انہوں نے سرمایہ دینے سے انکار کر دیا تب۔"



"پاپا انکار نہیں کریں گے۔"

"کس بات سے؟" ادھر آتے ہوئے پاپا نے اس کی بات سن لی تھی۔ اور اس سے پہلے شیرازی نے دلچسپی سے اس کی بات بتائی تو پاپا بھی محظوظ ہو کر ہنسے۔ پھر اسے دیکھ کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"نہیں بیٹا! یہ ممکن نہیں کہ میری پارٹنر بننے کے لیے سرمایہ بھی مجھ سے لو۔"

تمہارے دادا ابا کا فون بھی آیا تھا۔ تمہارا پوچھ رہے تھے، اور پھر خفا بھی ہوئے کہ جب چھٹیاں ہیں تو تم ان کے پاس کیوں نہیں گئیں۔"

"اب کیسے جا سکتی ہوں، اب تو کالج کھلنے والے ہیں۔"

"تم شروع میں کہتی تو میں تمہیں چھوڑ آتا۔"

"ہمارا ارادہ تھا پاپا۔ میں نے صبا جی نے بھی پروگرام بنایا تھا کہ جیسے ہی ٹیسٹ امتحانوں سے فارغ ہوں گی ہم دادا ابا کے پاس جائیں گے۔ لیکن ان کا بلاوا آ گیا۔"

"بہر حال تم دادا ابا کو فون کر کے معذرت کر لینا۔"

"میں ابھی انہیں فون کرتی ہوں۔" وہ اسی وقت اٹھنے لگی کہ پاپا نے روک لیا۔

"اس وقت وہ نہیں ملیں گے۔ صبح بتا رہے تھے، کسی کام سے اسلام آباد جا رہے ہیں۔"

"اچھا۔" پھر شیرازی کو دیکھ کر بولی۔ "آپ شاید بور ہو رہے ہیں۔"

"نہیں۔"

"بیڈمنٹن کھیلیں گے؟"

"تم بے ایمانی کرتی ہو۔"

"جی نہیں۔ میں نے بے ایمانی سیکھی ہی نہیں۔ پاپا سے پوچھ لیں۔"

"میں نے تمہاری بات کا یقین کر لیا۔ چلو۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے، تو وہ بھاگ کر ریکٹ اٹھا لائی۔

کھیلنے کے دوران وہ شور زیادہ مچاتی تھی۔ اور کھیلتی بھی جارحانہ انداز میں تھی۔ جیسے انٹرنیشنل لیول پر کھیل رہی ہو، اور جیتنے کی صورت میں گولڈ میڈل کے ساتھ ورلڈ نمبر ون کا اعزاز بھی حاصل کر لے گی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اس لیے مقابل کو ہرانے کی سرتوڑ کوشش کرتی، اور پہلی بار اس کے ساتھ کھیلتے ہوئے شیرازی نے جان لیا تھا کہ وہ ہر صورت جیتنا چاہتی تھی۔ اور بالکل اس طرح جیسے کسی بچے کو خوش کرنے کی خاطر بندہ قصداً اس سے ہارتا ہے، تو اس تک شیرازی اس سے یہی سلوک کر رہے تھے۔ لیکن اس وقت جانے انہیں خیال نہیں رہا یا وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اپنی شکست پر وہ کیسا محسوس کرتی ہے کہ وہ جم کر کھیلنے لگے، اور وہ کسی طرح بھی ان کے سامنے جم نہیں سکی، جب شکست سامنے نظر آنے لگی تو ریکٹ دور پھینک دیا۔

''میں نہیں کھیل رہی۔''

''کھیلنا تو پڑے گا۔ اٹھاؤ ریکٹ۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر قدرے رعب سے بولے۔

''نہیں بس۔'' وہ بھاگ کر اندر جانے لگی، اور اسے روکنے کی خاطر بالکل غیر ارادی طور پر شیرازی ایک ہی جست میں اس کے سامنے تو آئے اور آتے ہی اس کی کمر میں ہاتھ بھی ڈال گئے۔ بس ایک پل اور اسی ایک پل میں وہ جس مقام پر لڑی نہیں تھی، وہیں ہار گئی، بے حد گھبرا کر انہیں دیکھا۔ وہ اسی طرح کھڑے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، بلکہ ہنس کر بولے۔

''ہارنے لگی ہو تو ریکٹ پھینک دیا۔''

''ہاں، میں ہار گئی۔'' اس نے آہستہ سے کہا اور تیز قدموں سے اندر چلی آئی۔ جبکہ شیرازی کتنی دیر تک وہیں کھڑے رہے۔ غالباً انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی جلدی اور آسانی سے اپنی شکست تسلیم کر گئی ہے۔

☆☆☆

کچھ جذبے ایسے ہوتے ہیں، جن کے لیے باقاعدہ پلاننگ نہیں کرنی پڑتی۔ بس اچانک کسی پل بیدار ہو کر اپنا آپ منوا لیتے ہیں۔ وہ ٹین ایج ہونے کے باوجود سارے جذبوں کو تسلیم کرتی تھی۔ لیکن غالباً اسے امید نہیں تھی کہ وہ یوں اچانک کسی لمحے کی گرفت میں آ جائے گی، ابھی کچھ روز پہلے ہی تو اس کے ماموں زاد یاسر حسین نے اس سے اپنی پسند کا اظہار کیا تھا۔

''پتا ہے روشی۔ رات اچانک مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں تمہیں پسند کرنے لگا ہوں۔''

''اچھا۔'' وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔ ''یہ انکشاف یونہی تو نہیں ہوا ہوگا۔''

''اصل میں امی اور حنا میری شادی کی بات کر رہی تھیں۔ اچانک حنا نے میری پسند



پوچھ لی۔ اور اس وقت تو میں نے ٹال دیا۔ لیکن بعد میں سنجیدگی سے سوچنے پر خود مجھے حیرت ہوئی کہ میں نجانے کب سے تمہیں پسند کر رہا ہوں۔'' یاسر نے تفصیل سے بتایا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

''واقعی۔''

''ہاں، اور اب میں سوچ رہا ہوں، امی اور حنا کو اپنی پسند بتا دوں۔''

''کوئی فائدہ نہیں۔''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ ابھی مجھ پر ایسا کوئی انکشاف نہیں ہوا، اور مستقبل قریب میں متوقع بھی نہیں ہے۔''

''کیا میرے اظہار کے بعد بھی متوقع نہیں ہے۔''

وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا تھا۔

''پتا نہیں۔''

''میرا خیال ہے میری طرح تم بھی سنجیدگی سے سوچ دیکھو، تب تم پر بھی انکشاف ہو جائے گا۔'' یاسر کی مسکراہٹ میں شوخی تھی، اور واقعی اس رات اس نے سوچنے کی کوشش کی، لیکن اس پر جھنجھلاہٹ سوار ہو گئی تھی۔

''کیا پاگل پن ہے۔'' بالآخر اس نے خود کو ٹوکا تھا۔

''بھلا زبردستی بھی کسی کو سوچا جا سکتا ہے، اور پھر خود سے جبراً کہلوانا کہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ لاحول ولا۔''

ابھی تو عمر پڑی ہے۔ جانے جذبوں کے اسرار کس عمر میں کھلتے ہیں اور جانے دلوں کے دروازوں پر دستک کب سنائی دیتی ہے۔ اس وقت اس نے یہی سوچا تھا کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ کوئی وقت مخصوص نہیں ہوتا۔ البتہ دستک دینے والے ہاتھ ضرور مخصوص ہوتے ہیں۔ کوئی عمر بھر دستک دیتا رہے لیکن شنوائی نہیں ہوتی اور کوئی پہلی ہی دستک میں اندر تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ اور شیرازی نے تو دستک بھی نہیں دی تھی، بلکہ انجانے میں ہاتھ جا پڑا تھا، اور ایک نہیں سارے دروازے کھلتے چلے گئے۔ وہ حیران تو تھی ہی گھبرا بھی رہی تھی۔ اور غالباً گھبراہٹ اس خیال کی تھی کہ اگر شیرازی کو معلوم ہو گیا تو وہ کیا سوچیں گے۔ پھر محض خود کو چھپانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کی خاطر ہی وہ خاصی محتاط ہوگئی۔یوں بھی زندگی میں اچانک آنے والی تبدیلی بہت ساری احتیاطیں ساتھ لے کر آتی ہے۔جیسے دہلیز کے اس طرف کھڑا لڑکپن ہر بات سے نا آشنا۔ماں لاکھ کہتی رہے دوپٹہ اوڑھ لو،سر ڈھانپ لو،اس کی ایک ہی ضد نہیں،اور یہ ضد اس وقت آپ ہی آپ دم توڑ جاتی ہے۔جب کھیلتے ہوئے قدم اچانک دہلیز پار کر آتا ہے۔اور ساری آشنائیاں ایک قدم کے فاصلے پر ہی تو ہوتی ہیں۔احتیاطوں کے ساتھ پھر بقیہ ساری زندگی لاکھ احتیاط کا دامن تھامے رہو۔وہ پہلا قدم واپس نہیں پلٹتا۔آنکھیں کتنی حسرت سے کھوجتی ہیں۔دہلیز کے اس طرف کا منظر جہاں بے فکری تھی۔نا آشنائیاں تھیں،اور خود اپنے آپ سے بیگانگی بہر حال اس نے بھی احتیاط کا دامن تھام لیا۔پہلے دو دن اس کی کوشش یہ تھی کہ ان سے سامنا ہی نہ ہو لیکن جس طرح وہ آزادی سے گھر کے ہر حصے میں آتے جاتے تھے،اس سے اسے اپنی کوشش فضول لگی۔پھر پہلے مرحلے پر ہی انہوں نے ٹوک بھی دیا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں،کیا ناراض ہو۔''

''نہیں۔''

''میرا خیال ہے،اس دن کی ہار سے دل برداشتہ ہوگئی ہو۔جبھی دوبارہ کھیلنے کے لیے نہیں کہا۔''

''آپ کا خیال غلط ہے۔''

''اچھا۔تو پھر آؤ۔''

''میرا موڈ نہیں ہے۔''اس نے دامن بچانا چاہا۔

''کم آن بے بی،باہر تو نکلو۔موسم اتنا اچھا ہے۔''

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئے تو تیز ہوا نے اسکا استقبال کیا۔لان میں اڑتے پتوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''ایسے موسم میں بیڈمنٹن نہیں کھیلا جاسکتا۔''

''اور ایسے موسم میں اندر بند ہو کر بیٹھنا بھی اچھی بات نہیں ہے۔''

''آپ چلیں،میں چائے کا کہہ کر آتی ہوں۔''

''آپ نے پہلے ہی رشید سے کہہ دیا ہے۔وہ چائے یہیں لے آئے گا۔''انہوں نے



کہا تو اسے مجبوراً ان کے ساتھ لان میں اترنا پڑا۔موسم واقعی بہت خوبصورت ہو رہا تھا۔اگر اس میں اچانک یہ تبدیلی نہ آئی ہوتی تو وہ اس وقت ان سے باہر چلنے کے لیے کہتی۔لیکن اب ایک حجاب مانع آگیا تھا۔خواہش کے باوجود چپ چاپ وہیں بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟یوں منہ پھلائے ہوئے پتا ہے کیا لگتی ہو۔''انہوں نے اس کی خاموشی محسوس کر کے کہا تو وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''بالکل چھوٹی بچی۔اسکول گرل۔''ان کا انداز چھیڑنے والا تھا۔کہ وہ ابھی لڑ پڑے گی،لیکن پہلی بار اس نے ٹوکا نہیں،نظروں کا زاویہ بدل کر دوسری طرف دیکھنے لگی تو وہ خفگی سے بولے۔

''بہت بور کرنے لگی ہو،جبھی میں نے اپنا الگ انتظام کرلیا ہے۔''

''کیا۔؟وہ چونکی۔''کیا کہا آپ نے:

''میں نے اپنے لیے گھر دیکھ لیا ہے۔''وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولے۔

''ممی اور پاپا سے پوچھ لیا ہے۔میرا مطلب ہے انہیں پتا ہے۔''

''نہیں۔اور یہی میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ انہیں کیسے سمجھاؤں۔ایک بار پہلے ذکر کیا تھا۔تو دونوں خفا ہونے لگے تھے۔''

''خفگی کی بات ہی ہے آخر یہاں آپ کو کیا تکلیف ہے۔''

''تکلیف کی بات نہیں ہے یار۔اب ایک مکمل گھر میری ضرورت ہے۔''

''کیا مطلب۔''وہ نہیں سمجھی۔

''مطلب یہ کہ گھر سیٹ کروں گا تب ہی تو گھر والی بھی آئے گی۔''

''گھر والی۔''اس کے اندر سناٹا پھیلنے لگا۔

''ہاں،ڈیڈی اب میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

انہوں نے بڑے آرام سے بتایا۔

''کس سے؟''انجانے اندیشوں میں گھری انہیں دیکھ رہی تھی۔اور وہ اس کی کیفیت سے بے خبر اسی اطمینان سے بولے۔

''پتا نہیں،میرا مطلب ہے لڑکیاں تو ڈیڈی اور زارا نے بہت دیکھی ہیں،لیکن انتخاب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کا حق مجھے سونپ دیا ہے، اور میرے لیے اتنی ساری لڑکیوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا بہت مشکل ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میں سمجھتا ہوں لڑکیاں سب ایک جیسی ہوتی ہیں، ظاہری شکل وصورت کو چھوڑ کر ان کے احساسات اور سوچنے کا انداز، ابتدائی عمر میں شوخ۔شرارتی، پھر دوپٹے کے ساتھ ہی سنجیدگی کا لبادہ بھی اوڑھ لیتی ہیں؟ اس کے بعد جب گرہستی کا وقت آتا ہے تو خود اپنے آپ سے بے نیاز ہو جاتی ہیں۔"

سامنے چیئر پر ٹانگیں سیدھی کیے وہ جتنے پرسکون ہو کر بیٹھے تھے، ان کا لہجہ بھی اتنا ہی سادہ اور کسی قسم کے تاثر سے عاری تھا۔

"پھر آپ کے لیے انتخاب کرنا کیا مشکل ہے۔

آنکھ بند کر کے کسی ایک طرف اشارہ کر دیجیے۔" وہ ان کی بات سے اختلاف محسوس کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں۔یہ الزام میں اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی، اس طرح تو وہ ہمیشہ احساس تفاخر میں مبتلا رہے گی۔کہ میں نے اتنے ساروں میں اسے منتخب کیا۔" اس سے وہ اسے تھوڑے خودغرض نظر آئے، جو صرف اپنے مفاد کی بات کر رہے تھے۔

"اور میں بھی ایک طرح سے پابند ہو جاؤں گا۔اس کی ہر جائز ناجائز ماننے کا۔اگر کبھی کسی سے شکوہ کیا تو یہی جواب ملے گا، تمہاری ہی پسند تھی۔"

"ایک بات بتائیں۔" وہ اپنے موڈ میں آ کر ایک دم جرح پر اتر آئی، اگر ابھی آپ کے سامنے کوئی ایسی لڑکی آ جائے، جسے دیکھتے ہی آپ اپنے نظریے کی نفی کر جائیں، میرا مطلب ہے نہ صرف یہ کہ وہ آپ کو سب سے مختلف نظر آئے بلکہ آپ کے دل میں یوں اترے کہ آپ شدت سے اس کی ہمراہی کی تمنا بھی کرنے لگیں، تب آپ کیا کریں گے۔"

"کیا کروں گا۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر سر



کے پیچھے تکیہ سا بنا لیا۔اور آنکھیں بند کرتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں یوں بولے، جیسے اس بات کو سوچنے لگے ہوں۔اور وہ پوچھنے لگی۔

"کیا آپ اس سے محض اس لیے نظریں چرائیں گے کہ کہیں وہ احساس تفاخر میں مبتلا نہ ہو جائے۔"

"نہیں روشی، اگر ایسی بات ہوئی تو میں اسے احساس تفاخر ضرور دوں گا۔لیکن کیا ایسا ممکن ہے؟" ذرا سی آنکھیں بھی جیسے انہوں نے ڈرتے ڈرتے کھولی تھیں کہ کہیں تصور ٹوٹ نہ جائے، لیکن سامنے تصور سے زیادہ حسین منظر تھا۔پھولوں کی باڑھ سے نکل کر سج سج قدم اٹھاتی وہ جو کوئی بھی تھی، انہوں نے اسے دیکھتے ہی سوچا کہ اس کی خاطر سارے الزام بخوشی سر لیے جا سکتے ہیں۔اور اس کی نظریں روشی پر جمی تھیں۔قریب آ کر ان کی موجودگی کا احساس ہوا، تو ذرا سا جھجکی۔پھر انہیں نظر انداز کر کے اسے پکارا۔

"روشی۔"

"ارے، صبا جی۔" روشی کی وہی کیفیت تھی۔وہ یہاں نہیں تھیں۔تو یاد ہی نہیں کیا۔اور سامنے آئیں تو کوئی دوسرا یاد نہیں رہا۔بے اختیار اٹھ کر ان سے لپٹ گئی۔

"کیسے آئیں؟"

"ماموں جی چھوڑ کر گئے ہیں۔"

"اندر نہیں آئے؟"

"نہیں۔اس وقت انہیں کہیں اور جانا تھا۔رات کو آئیں گے۔"

"چلیے اندر چلتے ہیں۔" پھر ایک دم شیرازی کا خیال آیا تو رک کر بولی۔" صبا جی! یہ شیرازی ہیں۔"

"السلام علیکم۔!" شیرازی اٹھ کھڑے ہوئے تو صبا جی آہستہ سے جواب دے کر جانے لگیں کہ وہ فوراً بولے۔

"روشی، ان کا تعارف نہیں کراؤ گی؟"

"یہ صبا جی ہیں۔میری بڑی بہن۔"

"بہن۔تم نے کبھی ان کا ذکر نہیں کیا۔" شیرازی واقعی حیران ہوئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"یہ کسی سے میرا ذکر نہیں کرتی، اور مجھے اس کی یہ بات اچھی لگتی ہے۔" صباجی نے پیار سے اس کا گال چھوا۔

"آیئے اندر چلیں۔" اس نے شیرازی سے کہا۔

"میں ابھی ایک کام سے جا رہا ہوں۔ کچھ دیر میں آ جاؤں گا۔" وہ گھڑی دیکھتے ہوئے گیٹ کی طرف چل پڑے تو صباجی اس سے پوچھنے لگیں۔

"کون ہیں یہ۔؟"

"پاپا کے دوست کے بیٹے ہیں۔ یہاں ٹرانسفر ہو کر آئے ہیں، اور ان کی رہائش ہماری انیکسی میں ہے۔" وہ صباجی کے ساتھ اندر آتے ہوئے ان کے بارے میں بتانے لگی۔

"صبا تم کب آئیں بیٹا!" ممی اچانک انہیں سامنے دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ سینے سے لگا کر پیار کیا پھر پاس بٹھاتے ہوئے بولیں۔

"اس بار بہت دن رہ گئیں۔"

"میں آنا چاہتی تھی آنٹی، لیکن نانا جی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس لیے رک گئی۔"

"اب کیسے ہیں؟"

"اب تو کافی بہتر ہیں، اور آپ سب کو بہت سلام کہہ رہے تھے۔"

"وعلیکم السلام۔ اور تم آئی کس کے ساتھ ہو؟"

"ماموں جی کے ساتھ۔ کسی کام سے گئے ہیں، رات کو آئیں گے۔"

"اچھی بات ہے، اب تم جلدی سے منہ ہاتھ دھو لو، پھر چائے پیں گے۔" صباجی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ تو وہ ممی کو شیرازی کے بارے میں بتانے لگی کہ وہ الگ گھر لینا چاہتے ہیں، اور وجہ بھی بتائی۔ اس کے بعد انتظار کرتی رہی کہ ممی کچھ کہیں گی، لیکن وہ اس وقت کچھ نہیں بولیں۔ البتہ رات کے کھانے پر براہ راست شیرازی سے پوچھ لیا۔

"روشی بتا رہی تھی۔ تم نے اپنے لیے کوئی گھر وغیرہ دیکھ لیا ہے۔"

"جی۔" وہ کھانے میں خاصے مگن تھے، چونک کر بولے۔ "ابھی دیکھا تو نہیں۔ لیکن ارادہ ہے۔"

"ایک بات سن لو۔ اگر واقعی گھر بسانے کا ارادہ ہے تب تو ہم تمہیں نہیں روکیں گے،



اور اگر۔"

"بس ڈیڈی کا ایسا ہی پروگرام ہے۔" وہ ممی کی بات سمجھ کر فوراً بولے۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔ منگنی وغیرہ ہو گئی۔"

"نہیں۔ میرا خیال ہے چٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہو گا۔" وہ قدرے جھینپ رہے تھے۔ پھر کن انکھیوں سے اسے یوں دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں۔ اتنی جلدی تم نے سب کہہ دیا۔ اور وہ ذرا سے کندھے اچکا کر اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

رات کو بہت دیر تک وہ صباجی سے باتیں کرتی رہی۔ اس نے محسوس کیا ان چند دنوں میں صباجی کافی بدل گئی ہیں۔ پہلے زیادہ تر خاموش رہتی تھیں، اور کسی بہت ہنسنے والی بات پر ہی ذرا سا مسکراتیں۔ جبکہ اب ایک پل کو بھی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں سے جدا نہیں ہوتی تھی۔ پھر کسی کسی بات پر بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس بھی دیتیں۔ وہ جتنی دیر ان کے پاس بیٹھی حیران ہوتی رہی تھی۔ اور جب سونے کے لیے لیٹی تو ایک دم سے شیرازی کا خیال آیا۔ اور ان کی باتوں کو سوچتے ہوئے جانے کیوں وہ آزردہ سی ہو گئی تھی۔ اور آرزدگی میں گھر کر ہی اس نے ان کی ذات کی نفی کرنی چاہی تھی، لیکن بہت جلد اسے احساس ہو گیا کہ وہ شخص اپنی خود غرضی اور خود پسندی سمیت اس کے دل میں جگہ بنا چکا ہے۔

☆☆☆

پچھلے ایک گھنٹے سے وہ چپ چاپ بیٹھی تھی۔ گو کہ ذہن کسی مخصوص خیال کی گرفت میں نہیں تھا۔ لیکن وہ کوشش کر رہی تھی، کسی بات کو سنجیدگی سے سوچنے کی، لیکن ہر بار کسی طرف سے کوئی آواز اسے ڈسٹرب کر جاتی۔ کبھی ممی کی اونچی ہیل کی ٹک ٹک، کبھی کسی پھول سے اچانک کوئی تتلی پر پھیلا کر اس کی توجہ کھینچ لیتی۔ پھر صباجی اسے پکارتے ہوئے آ گئیں۔

"تم یہاں بیٹھی ہو۔ میں کتنی دیر سے تمہیں تلاش کر رہی ہوں۔" صباجی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولیں۔ تو وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"مجھے تم سے کوئی کام نہیں تھا۔" صباجی اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائیں۔

"تم جانتی ہو، اگر زیادہ دیر تک مجھے نظر نہ آؤ، تو میں پریشان ہو جاتی ہوں۔" وہ کچھ نہیں بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''یہاں کیوں بیٹھی ہو، اندر چلو۔''

''اندر کچھ گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس لیے یہاں چلی آئی۔''

''اسکوائش پیو گی، میں ابھی بنالاتی ہوں۔''

''نہیں۔'' اس نے روک دیا۔ ''کسی چیز کی خواہش نہیں۔''

''کیا ہو گیا ہے تمہیں روشی، کیا تم کسی بات سے پریشان ہو؟'' صبا جی کو آخر ٹوکنا پڑا۔

''نہیں۔''

''نہیں روشی! کوئی بات ضرور ہے مجھے بتاؤ۔''

''جب کوئی بات ہی نہیں ہے تو کیا بتاؤں۔''

''پھر اتنی چپ چپ سی کیوں ہو۔ جس روز سے میں آئی ہوں تمہیں مسلسل سوچوں میں گم دیکھ رہی ہوں۔''

''کوئی سوچ نہیں ہے۔'' وہ اکتا کر بولی۔ اور اٹھنا چاہتی تھی کہ شیرازی کو آتے دیکھ کر بیٹھی رہ گئی۔ وہ آفس سے آرہے تھے، ان دونوں کو برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھے دیکھ کر اشارے سے سلام کرتے ہوئے اسی طرف آگئے۔

''کیا میں یہ سمجھ لوں کہ آپ میرے انتظار میں یہاں بیٹھی ہیں۔'' وہ دیکھ روشی کو رہے تھے۔ لیکن مخاطب غالباً صبا جی تھیں۔ کیونکہ اسے وہ تم کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اور صبا جی روشی کو دیکھ کر ذرا سا ہنسیں پھر کہنے لگیں۔

''اگر آپ اس بات سے خوش ہو سکتے ہیں تو یہی سمجھ لیں۔''

''صرف سمجھ لوں یا یقین بھی کر لوں۔'' اس بار انہوں نے براہ راست صبا جی کو دیکھا تو وہ سٹپٹا گئیں۔

''تم بتاؤ بے بی۔'' انہوں تے اسے چھیڑا۔ تو وہ برا مانے بغیر بولی۔

''آپ کی مرضی۔ صرف سمجھیں یا یقین کر لیں۔''

''او کے اب یہ بتاؤ چائے کا کیا پروگرام ہے؟''

''میں رشید سے کہتی ہوں۔'' صبا جی اٹھنے لگیں کہ انہوں نے روک دیا۔

''رشید کو ابھی میں نے راستے میں کہیں دیکھا ہے۔ اگر روشی کو زحمت نہ ہو تو بنا دے۔''



''میں بناتی ہوں۔'' صبا جانا چاہتی تھیں، اور وہ جانے نہیں دے رہے تھے۔

''آپ نہیں روشی۔'' اور وہ اٹھ کر اندر چلی آئی۔

عجیب سی الجھن تھی۔ پتا نہیں شیرازی اس کے ہاتھ کی چائے پینا چاہتے تھے، یا اسے وہاں سے اٹھانا مقصود تھا۔ چائے بناتے ہوئے وہ یہی سوچتی کے ساتھ لان میں جا بیٹھے تھے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ جیسے محسوس کیا جاتا، اور اس نے محسوس کیا بھی نہیں تھا۔ لیکن جب قریب آکر دونوں کے چہروں پر نظر پڑی تو وہ چونک گئی۔ جانے کسی خیال کے تحت یا ان کی کسی بات پر صبا جی کے ہونٹوں پر بڑی پیاری اور شرمگیں مسکراہٹ تھی۔ جبکہ ان کا انداز ایسا تھا جیسے ان پر سے نظریں ہٹانا بھول گئے ہوں۔ اسے اپنے اندر کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔ بہت خاموشی سے ٹرے ان کے سامنے رکھ کر پلٹ آئی۔ صبا جی اسے پکارتی رہ گئیں لیکن وہ رکی نہیں۔ اور وہ یہ بھی جانتی تھی، کہ صبا جی اب مروتاً ہی وہاں بیٹھیں گی۔ پھر جلد ہی کسی بہانے سے اس کے پیچھے چلی آئیں گی، اس لیے آنکھوں کی گیلی سطح کو اس نے ٹشو پیپر سے صاف کیا اور الماری کھول کر یوں کھڑی ہو گئی۔ جیسے کچھ تلاش کر رہی ہو۔ اس کی توقع کے عین مطابق کچھ دیر بعد ہی صبا جی آگئیں۔

''کیا تم خفا ہو کر آئی ہو''۔

''کس بات پر۔'' وہ الٹا ان سے پوچھنے لگی۔

تو صبا جی کی سمجھ میں نہیں آیا، کیا کہیں۔ اس کے پاس کھڑی ہو کر الماری میں جھانکتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''کیا تلاش کر رہی ہو؟''

''وہ۔ میرا کیسٹ نہیں مل رہا، پتا نہیں کہاں رکھ دیا ہے۔'' اسے یہی جواز سمجھ میں آیا۔

''کون سا۔؟''

''آپ کو نہیں پتا، وہ آپ کے جانے کے بعد خریدا تھا۔'' پھر الماری بند کرتے ہوئے بولی۔ ''خیر چھوڑیں۔ یہ بتائیں ممی کیا کر رہی ہیں۔؟''

''کچھ نہیں، یونہی اکیلی بیٹھی تھیں۔ لیکن اب شیرازی ان کے پاس ہیں۔''

''آپ کیوں چلی آئیں۔؟'' اس نے بظاہر ہر سرسری انداز میں پوچھا، تو وہ مسکرا کر بولیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''تمہارے لیے کیونکہ مجھے گمان ہوا تھا کہ شاید تم خفا ہو کر آئی ہو۔''

''کیا میں پہلے کبھی آپ سے خفا ہوئی ہوں۔''

''نہیں۔''

''پھر آپ کو ایسا گمان کیوں ہوا۔''

''آئی ایم سوری۔'' صباجی فوراً مصالحانہ انداز میں بولیں۔

''حالانکہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے اتنا پیار کرتی ہیں کہ کبھی۔''

''صرف آپ۔'' وہ فوراً ٹوک کر بولی۔

''کیا مطلب؟ کیا تم مجھ سے پیار نہیں کرتیں۔؟''

''پتا نہیں۔'' وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھی، اچانک اجنبی بن جاتی۔ اور صباجی کیونکہ اس کی ہر بات اور عادت سے واقف تھیں، اس لیے نہ محسوس کرتیں، نہ برا مناتیں، جانتی جو تھیں کہ کچھ دیر بعد ہی وہ جان چھڑکنے والی بن جائے گی۔ لیکن اس وقت پتا نہیں کیسے صباجی ایک دم سنجیدہ ہو گئیں۔

''میرا خیال ہے روشی! آج تم بتا ہی دو کہ تم اپنے دل میں میرے لیے کیسے جذبات رکھتی ہو۔ محبت، نفرت یا اس سے الگ کوئی جذبہ ہے؟'' اس نے کچھ چونک کر دیکھا تو کہنے لگیں۔

''میں شروع سے محسوس کرتی آ رہی ہوں، کہ کبھی تم مجھ سے اتنا پیار جتاتی ہو، جیسے میرے بغیر رہ ہی نہیں سکو گی۔ اور کبھی میرے وجود کی نفی کرتے ہوئے سنگدلی کی انتہا کر جاتی ہو۔ آخر ایسا کیوں ہے؟''۔

''نہیں تو صباجی۔ ایسا تو نہیں ہے۔ وہ نظریں چرا گئی۔ مجھے تو ایسا کوئی لمحہ یاد نہیں جو میں نے آپ سے نفرت کا اظہار کیا ہو۔ بلکہ میں سمجھتی ہوں، سب سے زیادہ میں آپ کے قریب ہوں۔''

''جتنی قریب ہو، اتنی ہی دور بھی۔''

صباجی افسردگی سے مسکرائیں، اور وہ ایمانداری سے ان کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے اعتراف کرنے جا رہی تھی۔ کہ یاسر آ گیا۔ پہلے دروازے پر دستک دی، پھر سر اندر کر کے



بولا۔

''کیا میں آ سکتا ہوں۔؟'' اس نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر ہلایا۔ اور صباجی کے پاس بیٹھی تو ان کے گرد اپنے بازوؤں کا حلقہ بنا لیا۔

''ارے۔'' یاسر نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔ ''تم تو یوں چھپ رہی ہو، جیسے میں تمہیں کھانے آیا ہوں۔''

''میں تمہیں چھپتی ہوئی نظر آ رہی ہوں۔'' وہ تنک کر بولی۔

''اچھا، اچھا۔ صباجی پر پیار آ رہا ہے۔'' وہ ہنسا پھر شرارت سے بولا۔ ''تھوڑا سا دوسروں کے لیے بھی بچا رکھو۔''

''دوسروں سے مراد تم خود ہو تو منہ دھو رکھو۔''

''صبح شام دھوتا ہوں۔ تمہاری طرح تھوڑی کہ۔''

''بس۔'' صباجی نے اسے ٹوک دیا۔ ''اگر لڑنے کا ارادہ کر کے آئے ہو تو فوراً ترک کر دو، کیونکہ اس طرف بھی موڈ خراب ہے۔''

''اچھا کب رہتا ہے۔'' وہ جل کر بولا۔ ''جب بھی آؤ یہ ایسے ہی ملتی ہے۔ مجال ہے کبھی مسکرا کر استقبال کیا ہو۔ میں ہی ڈھیٹ ہوں۔ ہمیشہ یہاں سے جاتے ہوئے تہیہ کرتا ہوں کہ آئندہ نہیں آؤں گا۔''

''پھر آ جاتے ہو۔'' وہ چپ نہیں رہ سکی۔

''تم سے ملنے نہیں آتا۔''

''پھر۔؟''

''صباجی سے ملنے آتا ہوں۔'' پھر ایکدم لہجے میں مٹھاس گھول کر بولا۔

''کیسی ہیں آپ صباجی! پچھلی بار میں آیا معلوم ہوا، آپ گئی ہوئی ہیں۔ کب واپس آئیں۔؟''

کچھ دن ہوئے۔''

''یعنی کچھ دن بھی ہو گئے۔ کمال ہے فون کر دیتیں۔ میں اسی وقت ملنے چلا آتا۔''

''اچھا۔'' صباجی بے ساختہ ہنسیں۔ ''یہ بتاؤ گھر میں سب کیسے ہیں۔؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''سب ٹھیک ہیں، اور آپ کو تو اتنا یاد کرتے ہیں کہ کیا بتاؤں۔''

''نہ ہی بتاؤ تو اچھا ہے''۔ وہ چڑ کر بولی۔

''کیوں۔؟''

''خوامخواہ اپنا نامہ اعمال خراب کرو گے۔ اگر سب اتنا ہی یاد کرتے ہیں تو آتے کیوں نہیں۔ حنا کو فون کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔''

''وہ تمہارے بارے میں یہی کہتی ہے۔''

''بس بھئی، اب تم دونوں لڑنا بند کرو، صبا جی مداخلت کرتے ہوئے بولیں۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئیں۔'' چلو روشی! آنٹی کے پاس۔''

''آپ جائیں اور یاسر کو بھی لے جائیں۔''

''نہیں۔ تم بھی چلو۔'' وہ زبردستی اسے اٹھا کر لے آئیں۔ لاؤنج میں ممی شیرازی کے ساتھ پتا نہیں کون سے قصے چھیڑے بیٹھی تھیں۔ کہ شیرازی خاصے اکتائے ہوئے لگ رہے تھے، ان تینوں کو دیکھ کر جیسے انہیں نے اطمینان کا سانس لیا، اور جیسے ہی ممی ان کی طرف متوجہ ہوئیں، وہ اٹھ کر چلے گئے۔

پھر رات کے کھانے کے لیے رشید انہیں بلانے گیا، تو انہوں نے منع کر دیا کہ بھوک نہیں ہے، اور یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی، لیکن ممی تشویش میں مبتلا ہو گئیں۔ کھانے کے بعد اسے بھیجا کہ جا کر معلوم کرے، انہوں نے کھانا کیوں نہیں کھایا۔ اور اگر کھانے کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت یا خواہش ہو تو وہ بتائیں۔ اس نے سوچا صبا جی کو ساتھ لے جائے، لیکن وہ اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ تب وہ اکیلی چلی آئی۔ دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوئی تو وہ صوفے پر نیم دراز نظر آئے۔ اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھے اور مسکرا کر بولے۔

''یقیناً تم یہ پوچھنے آئی ہو گی کہ میں کھانے پر کیوں نہیں آیا؟'' وہ کچھ نہیں بولی۔

مجھے واقعی بھوک نہیں ہے، اور یہ تم کھڑی کیوں ہو، بیٹھ جاؤ۔'' وہ بیٹھ گئی تو کچھ دیر کے لیے وہ یوں بن گئے جیسے انہیں مزید کوئی بات نہیں کرنی، اور اسے یوں بیٹھنا بڑا عجیب سا لگا، فوراً کھڑی ہو گئی۔

''ممی پوچھ رہی ہیں، اگر آپ کو کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو۔''



''نہیں، اور یہ تم کھڑی کیوں ہو گئیں۔ آرام سے بیٹھو، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔''

''کیا بات؟'' وہ اب کے فوراً نہیں بیٹھی۔

''تم بیٹھو تو، اور پلیز اتنی سنجیدہ شکل مت بناؤ، مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔''

''مجھ سے؟''

''نہیں، تمہاری سنجیدگی سے، تم ہنستی کھلکھلاتی اچھی لگتی ہو۔''

''اچھا۔'' وہ ذرا سا ہنسی۔ ''آپ جلدی سے بتائیں کیا بات ہے؟''

''بات وہی ہے جو تم نے چھیڑی تھی۔'' ان کے پرسوچ انداز پر وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

''میں نے۔؟''

''ہاں۔ تم ہی نے کہا تھا ناں اگر اچانک میرے سامنے کوئی ایسی لڑکی آ جائے جو نہ صرف یہ کہ سب سے مختلف لگے بلکہ میرے دل میں یوں اترے کہ میں شدت سے اس کی ہمراہی کی تمنا بھی کرنے لگوں؟''

وہ اس کی بات دھرا کے خاموش ہو گئے۔ تو اسے کہنا پڑا۔

''پھر۔''

''پھر یہ کہ ایسا ہو گیا ہے۔''

''اچھا، کون ہے؟'' وہ قصداً انجان بن کر پوچھنے لگی۔ ورنہ اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس کا نام لیں گے۔

''صبا۔'' اس کی توقع کے عین مطابق انہوں نے صبا کا نام لیا، پھر بھی وہ چونک گئی۔

''صبا جی۔''

''ہاں۔ تمہاری صبا نے میرے نظریے کو غلط ثابت کر دیا ہے، اور اب میں انہیں تفاخر کا حق دینا چاہتا ہوں، کہ وہ اپنی بقیہ ساری زندگی مجھ پر جتانے کے ساتھ اپنی ہر جائز و ناجائز منوا سکتی ہیں۔ کیونکہ میں خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا ہوں۔'' وہ اپنی شکست تسلیم کر بھی رہے تھے، شاہانہ انداز میں اس کا دل چاہا اونچے اونچے قہقہے لگا کر ان کا مذاق اڑائے۔ بمشکل خود پر ضبط کر کے پوچھنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"پھر۔ میرا مطلب ہے، اب آپ کیا چاہتے ہیں؟"۔

"میں صبا سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اور اپنے ڈیڈی کو اپنی پسند سے آگاہ کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں تم صبا سے معلوم کرلو۔"

"میں نے دو ایک بار کوشش کی ہے لیکن وہ خوبصورتی سے موضوع چینج کر گئیں۔ بلکہ مجھے ایسا لگا جیسے وہ کچھ خوف زدہ سی ہوگئی ہوں۔

شاید اس خیال سے کہ گھر والے کیا سوچیں گے۔" انہوں نے بتایا تو وہ کچھ دیر تک ان کی طرف دیکھتی رہی پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے میں ان سے بات کروں گی۔"

"ذرا جلدی، کیونکہ کل ہی ڈیڈی کا فون آیا تھا اور میں نے ان سے صرف ایک ہفتے کی مہلت مانگی ہے۔" اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔ اور انہیں شب بخیر کہہ کر چلی آئی۔

پہلے سوچا اسی وقت صبا جی سے بات کرے لیکن پھر اگلے دن پر ٹالتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔ وہ خود اپنے لیے ایک معمہ تھی۔ پتا نہیں خود اپنی ذات کے اسرار اس پر کیوں نہیں کھلتے تھے ابھی بھی بالکل سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے۔ صبا جی کے لیے خوشی، حسد یا کوئی اور جذبہ ہے، ہوسکتا ہے، کچھ دن پہلے اگر اس نے اپنے دل کے دروازے پر شیرازی کی دستک نہ سنی ہوتی۔ تو اس وقت وہ خوش ہوتی۔ جبکہ اب اندر دور تک سناٹا تھا اور اس وقت یہ سناٹا اچانک ٹوٹ گیا۔ جب صبا جی سامنے آکھڑی ہوئیں۔

"تم سو رہی ہو؟" انہوں نے پوچھا۔ اور وہ کوئی جواب نہیں دے سکی۔ کیونکہ اپنے اندر شور مچاتی آواز سننے کی کوشش میں مصروف تھی۔

"ہمیشہ سے میری ہر خوشی کی قاتل۔"

"میں صبح کے لیے تمہارے کپڑے استری کردوں۔"

صبا جی شاید عجلت میں تھیں، اس لیے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر الماری کی طرف بڑھ گئیں۔ اس کا کالج یونیفارم نکالا اور وہیں کھڑی ہوکر استری کرنے لگیں۔ وہ بہت خاموشی سے ان کی کمر پر جھولتی لمبی سی چوٹی کو دیکھ رہی تھی۔ جس پر ناگن کا گمان ہو رہا تھا۔ اور پھر یوں لگا، جیسے



سیاہ ناگن دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھنے لگی ہو۔ قدرے خوف زدہ ہوکر اس نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند لیں۔

اگلے دن وہ کالج سے آکر کچھ تھکے ہوئے انداز میں لاؤنج میں بیٹھی ہی تھی کہ قریب رکھے فون کی بیل بجنے لگی۔ گو کہ وہ ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا سکتی تھی، پھر بھی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ کہ شاید کوئی آجائے، اور جب کوئی نہیں آیا تو مجبوراً اسے ریسیور اٹھانا پڑا۔

"ہیلو۔"

"کیسی ہو صبا؟" دوسری طرف کسی نے اتنے یقین سے صبا کہہ کر پکارا کہ اسے بے حد حیرت ہوئی، پکارنے والے پر نہیں، بلکہ اپنے آپ پر کہ اب تک اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کی اور صبا جی کی آواز ایک سی ہے۔

"جی۔" وہ غالباً اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہتی تھی کہ وہ بول پڑا۔

"تمہاری ہر بات میں جی کہنے کی عادت نہ گئی۔"

وہ سمجھ گئی، صبا کے خیال میں سے کوئی ہوگا۔ ان کا ماموں زاد یا خالہ زاد۔ اس لیے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے صبا جی کو تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگی۔ تاکہ انہیں بتا سکے کہ ان کا فون ہے۔

"سنو صبا۔" وہ اس کی خاموشی پر متوجہ کر کے کہنے لگا۔ "میں نے امی سے بات کر لی ہے۔"

"کیا بات۔؟" وہ بے دھیانی میں پوچھ گئی۔

"وہی اپنی اور تمہاری شادی کی بات۔ اور امی تو جیسے دل سے یہی چاہتی تھیں، بہت خوش ہوئیں۔

اگلے مہینے ابو آرہے ہیں پھر امی اور ابو تمہارے انکل، آنٹی کے پاس آئیں گے۔" اس نے اچھا کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ اسی وقت صبا جی کچن سے نکلتی ہوئی نظر آئیں، تو جس بات کو اس نے سرسری انداز سے سنا تھا۔ اسے سنجیدگی سے سوچنے لگی۔

"کون تھا اور کیا۔ صبا جی بھی اس سے۔"

"تمہارے آنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔" صبا جی نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کی سوچوں کو منتشر کر دیا۔

''اب میرے آنے کا کہاں پتا چلے گا صبا جی۔ اب تو آپ کو اپنی بھی خبر نہیں رہتی۔'' وہ ذو معنی مسکراہٹ کے ساتھ بولی، تو صبا جی چونک گئیں۔

''تمہیں کس نے کہا کہ مجھے اپنی خبر نہیں رہتی'' کون کہے گا کہ میں خود دیکھتی ہوں محسوس کرتی ہوں۔''

''اچھا۔'' وہ اس کی بات کو ہنسی میں اڑاتے ہوئے بولیں۔'' مجھے اپنی خبر رہے نہ رہے تمہاری خبر رہتی ہے''

''واقعی؟''

تم کہاں یقین کرو گی۔ پتا نہیں تمہیں میری محبت پر شبہ کیوں ہے'' صبا جی لمحہ بھر کو آزردہ ہوئیں' پھر فوراً سنبھل کر بولیں'' تم نے ابھی تک کپڑے چینج نہیں کیے جاؤ جلدی سے چینج کر کے آؤ۔ میں کھانا لگواتی ہوں۔ آنٹی بھی انتظار کر رہی ہیں۔''

''کہاں ہیں ممی؟''

''اپنے کمرے میں''

''آپ انہیں بلائیں' میں فوراً آتی ہوں'' اس نے بیگ اٹھایا اور اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

شام کو شیرازی اسے ممی اور صبا جی کے درمیان میں سے اٹھا کر لان میں لے آئے تو وہ یہی سمجھی کہ شاید بیڈمنٹن کھیلنے کے ارادے سے لائے ہیں۔ ان کی گرفت سے اپنی کلائی چھڑاتے ہوئے بولی۔

''اس وقت میرا بالکل موڈ نہیں ہے۔''

''کس بات کا؟'' وہ حیران ہوئے۔

''بیڈمنٹن کھیلنے کا۔''

''میرا بھی ایسا کوئی موڈ نہیں ہے۔''

''پھر۔؟''

''بیوقوف لڑکی! مجھے یہ بتاؤ تم نے صبا سے بات کی؟'' ان کی بے قراری پر وہ چپ سی



ہو گئی اور یونہی چلتے ہوئے پھولوں کی باڑھ کے پاس آ کھڑی ہوئی تو وہ فوراً اس کے پیچھے آ کر بولے۔

میں جانتا ہوں تم مجھے تنگ کرو گی۔ کم آن بے بی میں تمہیں آئس کریم کھلاؤں گا اور بہت اچھا سا گفٹ بھی دوں گا۔ اب جلدی بتاؤ پلیز وہ سر اونچا کر کے انہیں دیکھنے لگی۔ یہ اچھا موقع تھا۔ وہ ان کا مذاق اڑا سکتی تھی۔ ان کی خود پسندی پر ایک ہلکی سی چوٹ ہی سہی۔ لیکن وہ کچھ اور سوچے کھڑی تھی۔ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''آپ میں تو ذرا صبر نہیں۔''

''بالکل نہیں'' انہوں نے اعتراف کیا۔

''تو پھر انتظار کس بات کا ہے' بلا لیجئے اپنے گھر والوں کو۔''

''واقعی۔'' صبا کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناں؟'' انہوں نے پرجوش ہو کر بے اختیار اس کے کندھے تھام لئے۔

''نہیں۔'' اس نے غیر محسوس طریقے سے ان کے ہاتھ ہٹائے اور پھر اندر بھاگ آئی۔

تیسرے دن ہی شیرازی کے ممی ڈیڈی آ گئے غالباً انہوں نے فون پر انہیں صبا جی کے بارے میں بتا دیا تھا۔ جبھی آتے ہی انہوں نے ممی اور پاپا سے صبا جی کے لئے بات کی۔ بظاہر اس رشتے میں کوئی برائی نہیں تھی' بلکہ پاپا کے خیال میں ہر لحاظ سے بہت بہتر اور صبا جی کے لئے موزوں تھا۔ اس لئے انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ پھر بھی انہوں نے صبا جی کی رضامندی ضروری سمجھی اور یہ کام اسے سونپا گیا۔

''پتا ہے صبا جی' شیرازی کے ممی ڈیڈی کیوں آئے ہیں اس کی معنی خیز مسکراہٹ پر صبا جی ٹھٹھک گئیں۔

''کوئی خاص بات ہے کیا؟''

''خاص الخاص یعنی آپ کی اور شیرازی کی شادی'' پتا نہیں وہ ہمیشہ سے ایسی سنگدل تھی یا ایک ذرا سی چوٹ نے اسے اتنا سنگ دل بنا دیا تھا کہ جو اس پر اول روز سے جان چھڑکتی آ رہی تھی اس کی جان کے درپے کھڑی تھی۔ صبا جی سکتے کے عالم میں اسے دیکھے جا رہی تھی اور وہ جان کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



انجام بنتی ہوئی ان کا دوپٹہ پیشانی سے آگے کھینچتے ہوئے بولی۔

"ذرا سا شرما ہی لیں۔"

"؟" انہوں نے ایک جھٹکے سے اپنا دوپٹہ کھینچا کیا کر رہی ہو؟

"ارے آپ کو خوشی نہیں ہوئی۔"

"پتا نہیں تم کیا کہہ رہی ہو۔"

"میں نے تو کوئی پہیلیاں نہیں بجھوائیں صبا جی! سیدھے صاف لفظوں میں بتایا ہے کہ ادھر آپ کی اور شیرازی کی شادی کی باتیں ہو رہی ہیں میں نے خود سنا ہے پاپا کہہ رہے تھے کہ صبا میری بہت اچھی اور سعادت مند بیٹی ہے اس کے بارے میں میں جو بھی فیصلہ کروں گا وہ دل سے قبول کرے گی۔"

"انکل یہ کہہ رہے تھے؟" صبا جی کی آواز بہت دور سے آتی لگی۔

"ہاں۔ پتا نہیں صبا جی پاپا کو آپ پر اتنا یقین اتنا مان کیوں ہے جو میں کوشش کے باوجود حاصل نہیں کر سکی۔" وہ اپنے لہجے میں بے پناہ آزردگی سمیٹ لائی تو صبا نے اس کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"نہیں روشی! انکل کو تم پر بھی اتنا ہی مان ہے"

"آپ مجھے بہلایا مت کریں"

"تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ ہم سب تم سے کتنا پیار کرتے ہیں"

"اچھا چھوڑیں، یہ بتائیں میں پاپا سے کیا کہوں؟"

"کیا مطلب؟"

"یہی کہ آپ نے ان کا مان رکھ لیا ہے یا"

"میں ان کا مان نہیں توڑ سکتی روشی کبھی بھی نہیں ان سے کہہ دو اگر وہ مجھے دار پر چڑھنے کیلئے بھی کہیں گے تو میں خود اپنے ہاتھوں سے پھندا اپنے گلے میں ڈالوں گی" ضبط کی کوشش کے باوجود ان کے آنسو چھلک پڑے تو انہوں نے اپنی پیشانی گھٹنوں پر رکھ لی اور بہت خاموشی سے ان کے پاس سے اٹھ کر چلی آئی۔

اس گھر میں ہی نہیں بلکہ خاندان بھر میں پہلی شادی تھی اور وہ بھی صبا جی کی جنہیں سب



بے حد عزیز رکھتے تھے۔ گاؤں سے دادا' دادی کے ساتھ۔ پھوپھی بھی اپنی اولادوں سمیت آ گئی تھیں پھر صبا جی کے ننھیال والے بھی آئے ہوئے تھے۔ یوں گھر میں خوب رونق تھی۔ پورا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔

مہینہ بھر پہلے جب شادی کی تاریخ رکھی گئی تھی اسی وقت شیرازی الگ گھر کا انتظام کر کے اس میں شفٹ ہو گئے تھے ان کے والدین اور بہن بھائی آج کل انہی کے ساتھ تھے اور پروگرام یہ تھا کہ ولیمے کے بعد وہ شیرازی اور صبا جی کو اپنے ساتھ گاؤں لے جائیں گے جہاں سے شیرازی کی چھٹیوں کے بعد ہی ان کی واپسی ہو گی۔

بہر حال اسے بعد کے پروگرام سے فی الحال کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ابھی تو وہ یہ دیکھ رہی تھی کہ شیرازی جتنے خوش ہیں صبا جی اتنی ہی آزردہ گو کہ کزنز کے درمیان وہ اپنی آزردگی چھپانے کی کوشش کرتیں۔ لیکن ان کی ہلکی سی مسکراہٹ میں چھپا درد کوئی اور جانے نہ جانے وہ خود جانتی تھی۔

اس رات وہ تمام مہمانوں کی طرف سے اطمینان کر کے ہال اور لاؤنج کی لائٹس آف کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف آ رہی تھی کہ گیلری میں آہٹ سن کر یونہی رک کر دیکھنے لگی۔ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آیا۔ لائٹ جلانا چاہتی تھی کہ سرگوشی نما آواز پر اس کا سوئچ بورڈ کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ وہیں رک گیا۔

میں نے تمہیں بتایا تو تھا صبا کہ ابو کے آتے ہی امی ان کے ساتھ تمہیں مانگنے آئیں گی۔ یہ آواز پہلے یقیناً اس نے فون پر سنی تھی۔ اور اب سن کر دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ پوری جان سے متوجہ ہو گئی کہ صبا جی کیا کہتی ہیں اور وہ کہنے لگیں۔

"پتا نہیں منصور شاید ہمارے مقدر میں یہی لکھا تھا۔"

"مقدر کو الزام مت دو صبا۔ مجھ بتاؤ کیا تمہارے ساتھ جبر کیا گیا ہے؟"

"بخدا نہیں"

"پھر تم نے اپنے ہاتھوں پر کسی اور کے نام کی مہندی کیوں سجائی؟"

"یہ مت پوچھو میں نہیں بتا سکوں گی۔"

"کیوں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''مجبوری سمجھو''

''مجبوری'' اس کے لہجے میں طنز اور تلخی ایک ساتھ تھی۔ تم لڑکیوں کے پاس ایک ہی لفظ ہے صاف بچ نکلتی ہو۔ لیکن میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ تم نے میرے ساتھ بے وفائی کی ہے''

''نہیں منصور۔ میں تو اس لفظ سے ہی نا آشنا ہوں۔''

''ہونہہ نا آشنا'' بھاری قدموں کی آواز ابھری اور دور ہوتی چلی گئی۔ پھر سناٹے میں صبا جی کی سسکی سنائی دی اور وہ ان سے پہلے ہی اپنے کمرے میں آ گئی۔ وہی اسرار تھا خوش یا ناخوش اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔

اگلے دن وہ سارا وقت صبا جی کے ساتھ لگ کر بیٹھی رہی کبھی ان کی حنائی ہتھیلیاں اپنے سامنے پھیلا کر انہیں دیکھے جاتی کبھی چوڑیاں گننے لگتی اور کبھی ان کا چہرا اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیتی۔ بولی کچھ بھی نہیں اور صبا جی نے بھی کسی مقام پر اسے ٹوکا نہیں چپ چاپ اس کی ایک ایک حرکت دیکھتی رہیں۔ اس کی آنکھوں میں اشتیاق نہیں تھا۔ جو صبا جی کو اس پر چھوٹی سی معصوم بچی کا گمان ہوتا جو ایک ایک چیز کو بڑے شوق سے چھو کر دیکھتی ہے اور نہ ہی حسرت تھی' جو اس کی کسی آرزو کے پامال ہونیکا پتا دیتی اور اب تک تو صبا جی کو یہ دعویٰ تھا کہ وہ اسے بہت اچھی طرح سمجھتی ہیں لیکن اس وقت وہ ایسا معمہ لگی جسے حل کرنا تو دور کی بات صبا جی سمجھ ہی نہیں پائیں۔

''صبا جی!۔ بارات کی آمد کے شور پر لڑکیاں کمرے سے نکل گئیں تو وہ ان سے پوچھنے لگی۔ ''آپ خوش ہیں ناں''

تم خوش ہو روشی! تو میں کیوں نہیں خوش ہوں گی'' پتا نہیں صبا جی کا جواب غیر متوقع تھا یا اسے لگا۔ سٹپٹائی تو نہیں لیکن نظریں ضرور چرا گئی تب وہ اس کی تھوڑی چھو کر پوچھنے لگیں۔

''مجھے یاد کرو گی؟''

''آپ کوئی اتنی دور تو نہیں جا رہی ہیں''

''اس گھر میں تو بہر حال نہیں ہوں گی''

''پتا نہیں صبا جی! یہ تو آپ کے جانے کے بعد ہی پتا چلے گا کہ آپ یہاں سے گئی ہیں یا نہیں۔'' اس نے مسکرا کر بات بنائی' لیکن صبا جی حیرت سے اسے دیکھے گئیں۔

''اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟''



''کچھ نہیں' انہوں نے جیسے الجھ کر سر جھٹکا'' تم جاؤ روشی تمہیں مہمانوں کے درمیان ہونا چاہئے''

''اور لوگ ہیں تو''

''پھر بھی تمہارا ہونا ضروری ہے''

''اچھا'' وہ بادل نخواستہ اٹھ کر باہر آ گئی سارا انتظام گھر پر ہی تھا۔ وہ برآمدے میں قدرے ستون کی آڑ میں ہو کر سب کو دیکھنے لگی سب لوگ ہی اسے بہت خوش نظر آ رہے تھے اور خوش تو وہ بھی ہونا چاہتی تھی بلکہ دل یہ بھی چاہ رہا تھا کہ اچانک سب کے درمیان جا کر خوب ہلا گلا کرے لیکن پتا نہیں کیا بات اسے ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔

''ارے! تم یہاں کھڑی ہو؟'' یاسر کی آواز پر وہ بری طرح چونکی۔

''ادھر چلو ناں شیرازی کئی بار تمہارا پوچھ چکے ہیں۔''

''کیوں''

''ظاہر ہے اکلوتی سالی ہو۔''

''تم چلو میں آتی ہوں۔'' وہ اس سے کہہ کر عجلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اندر جانے کے لئے پلٹی ہی تھی کہ کسی سے ٹکرا گئی۔ فوراً سنبھل کر پیچھے ہٹی' اور یاسر کے ہنسنے پر اسے گھور کر دیکھنے لگی۔

''میں نے کیا کیا ہے'' اس نے کندھے اچکائے پھر اسے ادھر متوجہ کرتے ہوئے بولا'' ان سے ملی ہو' یہ منصور ہیں صبا جی کے خالہ زاد''

''آ۔'' اس کے ہونٹ کھلے ضرور' لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔

''آپ کون ہیں؟'' منصور نے اسے دیکھ کر یاسر سے پوچھا۔

''روشی۔'' یاسر نے یوں کہا جیسے ساری دنیا میں صرف وہی ایک روشی ہو۔ پھر شرارت سے بولا میرا خیال ہے صرف نام ہی کافی ہے۔

''جی۔'' منصور اس قدر کہہ کر آگے بڑھ گیا تو وہ ایک نظر یاسر پر ڈال کر اندر چلی آئی۔

اس کا خیال تھا صبا جی رخصتی کے وقت اپنے سارے آنسو اسی دہلیز پر بہا جائیں گی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ وہ اپنے اندر کا سارا پانی جیسے اسکی آنکھوں کو سونپ گئیں۔ کسی اور نے محسوس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کیا یا نہیں لیکن ممی حیران تھیں کہ صبا چپ چاپ رخصت ہوگئی اور وہ اب تک رو رہی تھی۔ اپنے اپنے طور پر سب نے اسے بہلانے کی کوشش کی لیکن اس کے آنسو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے اور پھر اسی طرح اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف آ رہی تھی کہ منصور سے سامنا ہوگیا۔ وہ باقاعدہ اسے روک کر بولا۔

''حیرت ہے آپ اس کے لئے رو رہی ہیں۔ جسے کسی کی پرواہ ہی نہیں تھی۔''

''آپ کیسے کہہ رہے ہیں صباجی کو کسی اور کی پرواہ ہو نہ ہو میری پرواہ ضرور تھی''۔

''اچھا'' منصور کی ہنسی میں طنز تھا'' جبھی جاتے سے آپ سے ملتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔''

''حیرت ہے آپ نے صرف ان کی مسکراہٹ دیکھی'' وہ تاسف سے کہہ کر اپنے کمرے میں چلی آئی اور تکیے میں منہ چھپا کر سوچا۔

''وہ چیخیں سنائی کیوں نہیں دیں منصور جو میرا دل دہلائے دے رہی ہیں''

☆☆☆

کل تک صباجی اس گھر میں تھیں تو جیسے کبھی کہیں گئی ہی نہیں تھیں۔ اور آج وہ نہیں تھیں تو ہمیشہ کی طرح اسے یہی لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کبھی یہاں تھیں ہی نہیں۔

صبح کیونکہ سب دیر سے اٹھے تھے اس لئے ناشتا گول کر دیا اور اب دوپہر کے کھانے پر سب کے پاس جیسے ایک ہی موضوع تھا۔

''صباجی کتنی پیاری لگ رہی تھیں اور شیرازی بھی۔ پرفیکٹ کپل وغیرہ وغیرہ اور اس کا وہی انداز تھا سب کے تبصرے سنے لیکن خود کچھ نہیں بولی۔

''روشی اکیلی ہوگئی'' اس کی پھوپھی زاد سیما نے کہا تو اس نے چونک کر دیکھا پھر کندھے اچکا کر بولی

''میں پہلے بھی اکیلی تھی''

''کیوں'' صباجی نہیں تھیں کیا؟''

''وہ اب بھی ہیں'' اس کے انداز میں حد درجہ بے نیازی تھی۔

''ہاں'' لیکن یہاں نہیں''



''اچھا'' وہ ہنسی اور اس سمت دیکھا جہاں صباجی بیٹھتی تھیں۔ ان کی جگہ منصور کو بیٹھے دیکھ کر جانے کیوں اس کی پیشانی شکن آلود ہوگئی اور پھر وہ کھانا چھوڑ کر چلی آئی۔

پھر ولیمے کے بعد صباجی گاؤں چلی گئی اور پاپا نے اس کی تنہائی کے خیال سے اسے دادا دادی کے ساتھ بھیجنا چاہا لیکن اس نے منع کر دیا کیونکہ شادی کی وجہ سے پہلے ہی پڑھائی کا کافی حرج ہوگیا تھا اور اب وہ مزید کلاسیں مس نہیں کر سکتی تھی۔ اگلے ایک دو دن میں سب مہمان رخصت ہوگئے تو اس کی پہلے والی روٹین شروع ہوگئی جس میں اتنی تبدیلی آئی تھی کہ کسی کسی وقت وہ اچانک خود کو بے پناہ اداسیوں میں گھرا محسوس کرتی اور سبب کھوجتے ہوئے اسے نہ تو صباجی کا خیال آتا اور نہ شیرازی کا ہو سکتا ہے اس کے لاشعور میں کہیں یہ بات پوشیدہ ہو کہ اس نے صباجی کی آرزوؤں کا خون کیا ہے یا یہ کہ دردل پر دستک دینے والا شخص اسکا نہیں رہا لیکن شعوری طور پر اس کا دھیان اسطرف نہیں جاتا تھا بس یوں لگتا جیسے اس کا پورا وجود دھیرے دھیرے سسک رہا ہو جیسے کوئی کسی کرب سے گزرتا ہے اور اس کی ذات کا کرب کیا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

''صبا کو گئے ہوئے پندرہ دن ہوگئے ہیں'' ممی روزانہ دن گنتی تھیں۔ پھر پاپا سے پوچھنے لگیں۔

''شیرازی کی چھٹی کتنے دن کی تھی''

''غالباً پندرہ بیس روز''

''اس کا مطلب ہے آنے والے ہوں گے'' پھر اس سے کہنے لگیں صبا کا کمرہ ٹھیک ٹھاک کر دینا۔''

''کیوں۔ میرا مطلب ہے اب تو وہ اپنے گھر جائیں گی۔''

''یہاں نہیں آئے گی کیا؟'' ممی اس پر بگڑ گئیں ''عجیب لڑکی ہو تم اس کی شادی ہو جانے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ یہاں سے اس کا تعلق بالکل ہی ختم ہوگیا۔''

''میں نے ایسا کب کہا'' وہ ایک دم روہانسی ہوگئی۔ تو پاپا اس کی طرف داری کرتے ہوئے بولے۔

''اس نے تو ایک بات کہی تھی اور تم خوامخواہ اس پر بگڑنے لگیں۔''

''یہ ایسی احمقانہ باتیں کرتی کیوں ہے''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''کوئی احمقانہ بات نہیں کی۔ جاؤ بیٹا تم اپنے کمرے میں تمہاری ممی تو بس'' پاپا کے اشارے پر وہ اٹھ کر چلی آئی۔ اچھا بھلا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ منہ پھلائے بیٹھی تھی اور کچھ بڑبڑا بھی رہی تھی کہ یاسر آ گیا۔

''یہ پیٹھ پیچھے کسے گالیاں دی جا رہی ہیں؟'' وہ اس کی بڑبڑاہٹ سن چکا تھا۔

''تمہیں۔'' وہ خفگی بھری نگاہ اس پر ڈال کر بولی۔

بہت بری بات ہے' یعنی ڈبل گناہ ایک تو گالیاں اور وہ بھی پیٹھ پیچھے'' وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بڑے آرام سے تنبیہی لہجے میں بولا تو وہ اور چڑ گئی۔

''دیکھو میرا دماغ گھوما ہوا ہے''

''ارے'' وہ زور سے ہنسا'' تمہیں اب پتا چلا جبکہ میں شروع سے جانتا ہوں۔''

''لیکن یہ ہرگز نہیں جانتے ہو گے کہ میں سر توڑنے میں بھی ماسٹر ہوں'' وہ کسی چیز کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے بولی۔

''دیوار ٹھیک رہے گی' جاؤ اسی پر سر دے مارو'' اس نے فوراً مشورہ دیا تو وہ تلملا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں پاپا سے تمہاری شکایت کرتی ہوں۔ آخر تم یہاں آئے کیوں ہو۔''

''تمہارے لئے'' وہ اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ آخر تم یہ بات سمجھتی کیوں نہیں ہو۔''

''تم'' وہ کوئی سخت بات کہنے جا رہی تھی کہ بالکل غیر ارادی طور پر وہ اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ گیا۔

☆☆☆

چھٹی کا دن تھا اور وہ صبح اٹھی تو معمول کے مطابق تھی لیکن پھر دوبارہ سو گئی اس کے بعد جب اس کی آنکھ کھلی دس بج رہے تھے وہ حیران ہوئی کہ ممی نے بھی نہیں اٹھایا۔ منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے نکلی تو ممی کسی خاتون سے باتوں میں مصروف تھیں۔ اسے دیکھتے ہی کہنے لگیں۔

''روشی' صبا آئی ہے''

''صبا جی۔ کہاں ہیں؟''



''یہاں'' جسے وہ کوئی خاتون سمجھی تھی وہ بھاری بھرکم صبا جی تھیں' ہنستی ہوئی اس کی طرف دیکھا تو وہ حیران ہو کر انہیں دیکھے گئی۔

''ملو گی نہیں'' صبا جی نے بازو پھیلائے اور پھر خود ہی بڑھ کر اسے بازوؤں میں بھینچ لیا س کا دم گھٹنے لگا خود کو الگ کر کے بولی۔

''یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟''

''کچھ نہیں بس ذرا موٹی ہو گئی ہوں''

''ذرا نہیں۔ آپ تو بہت موٹی ہو گئی ہیں''

''ماشاء اللہ کہو'' ممی نے فوراً ٹوکا تو وہ ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگی۔ ''کس کے ساتھ آئی

''ظاہر ہے شیرازی کے ساتھ ہی آؤں گی۔''

''کیا وہ آپ کو چھوڑ کر واپس چلے گئے؟''

''نہیں کچھ تھکے ہوئے ہیں' سو رہے ہیں''

اچھا آپ بیٹھیں میں چائے وغیرہ کا کہہ آؤں'' وہ جانے لگی کہ ممی نے روک دیا۔

''تم بیٹھو بہن کے پاس' میں جا رہی ہوں کچن میں'' ممی اٹھ کر چلی گئیں۔ تو صبا جی نے ں کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور اپنے مخصوص انداز میں اس کی ٹھوڑی چھو کر بولیں۔

''اچھی تو ہو ناں''

''میں تو اچھی ہوں صبا جی لیکن آپ بالکل اچھی نہیں لگ رہیں''

''کیوں؟''

''اتنی موٹی جو ہو گئی ہیں ابھی آپ کی شادی کو پورا ایک مہینہ بھی نہیں ہوا اور یوں لگ رہا ہے جیسے آٹھ دس بچوں کی اماں ہو۔ کیا شیرازی بھی ایسے ہو گئے ہیں؟''

''نہیں'' وہ تو ویسے ہی ہیں بلکہ اور زیادہ سمارٹ ہو گئے ہیں''

''پھر آپ کیوں ایسی ہو گئی ہیں؟'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک پل میں' صبا جی کو پہلے جیسا کر دے'' لگتا ہے گاؤں کی آب و ہوا آپ کو کچھ زیادہ ہی راس آ گئی ہے؟

''شاید'' بس ایک پل کو کوئی پرچھائیں انکے چہرے سے لہرائی تھی اور اس کے اندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



سسکیوں کا ایک جہاں آباد ہو گیا ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بولی۔

''آپ خوش ہیں ناں''

''پتا نہیں'' یہ وہ جواب تھا جو اس نے ہمیشہ ہر مقام پر صباجی کو دیا تھا اور اب ان کے ہونٹوں سے سن کر پہلے ذرا سا حیران ہوئی پھر جھنجھلا کر بولی۔

''یہ کیا بات ہوئی بھلا۔ صاف صاف بتائیں۔

''ارے'' صباجی ہنسیں اور اس پر جتانا چاہتی تھیں کہ شیرازی کو آتے دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔

السلام علیکم صباجی کی نظروں کے تعاقب میں اس نے ذرا سی گردن موڑ کر دیکھا اور انہیں سلام کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''والسلام کیسی ہو؟'' ان کے لہجے کی گمبھیرتا نے اسے چونکا دیا وہ بغور دیکھنے لگی آنکھوں میں شوخی تھی نہ پا لینے کا خمار ابھی زیادہ دن تو نہیں ہوئے تھے کہ اس نے انہیں بے پناہ خوش دیکھا تھا اور اب ہلکی سی خوشی کا شائبہ تک نہ تھا۔ اور ابھی کچھ دیر پہلے اس کے اندر جو سسکیوں کا جہاں آباد ہو گیا تھا وہ دھیرے دھیرے دم توڑنے لگا۔ گہری سانس لیتے ہوئے دوبارہ بیٹھی تو اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ اسی وقت ممی آ گئیں ان کے ساتھ رشید ٹرالی دھکیلتے ہوئے آ رہا تھا۔

اتنی جلدی اٹھ گئے شیرازی'' ممی ان سے کہنے لگیں'' کیا نیند نہیں آئی؟''

''کچھ دیر سویا ہوں' بس اب گھر جانا ہے'' ''ہائیں'' ابھی تو آئے ہو اور یہ بھی تمہارا ہی گھر ہے'' اس نے دیکھا وہ کن انکھیوں سے صباجی کی طرف یوں دیکھ رہے تھے جیسے ان کے بولنے کے منتظر ہوں۔ لیکن صباجی ان کی طرف متوجہ ہی نہیں تھیں بلکہ صاف لگ رہا تھا کہ وہ قصداً انجان بنی بیٹھی ہیں تب انہیں خود ہی کہنا پڑا۔

''اصل میں کل سے مجھے آفس جانا ہے''

''کل سے ناں۔ ابھی تو نہیں جانا'' وہ فوراً ٹوک کر بولی' ابھی تو مجھے صباجی سے ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں اور آپ سے بھی یہ پوچھنا ہے کہ آخر انہیں ایسا کیا کھلا دیا ہے جو یہ پندرہ دنوں میں ہو گئیں موٹی موٹی۔''

''روشی'' آخر میں اس کے گنگنانے پر ممی نے خفگی سے ٹوکا'' آخر تم کیوں اس کے پیچھے



ہو یہ تمہیں موٹی نظر آ رہی ہے۔ ماشاءاللہ صحت اچھی ہے۔

''ماشاءاللہ'' وہ ہنسی دبا کر بولی'' ویسے مزا اس وقت آتا جب شیرازی بھی ایسے ہی صحت مند ہو کر آتے''

''تم باز نہیں آؤ گی' چلو جاؤ یہاں سے، جا کر کچن دیکھو'

''ہاں' آج کھانا میں پکاؤں گی خاص صباجی کے لئے''

''نہیں روشی! ہمارے لئے کوئی اہتمام نہ کرو' صباجی نے اسے روک دیا پھر ممی سے لگیں'' آنٹی اس وقت ہمیں جانے دیں پھر اطمینان سے آئیں گے۔ اصل میں اتنے دنوں گھر بند پڑا ہے ابھی بھی میں سب کچھ ایسے ہی چھوڑ کر آ گئی تھی۔''

''تو کیا ہوا'' ممی اور خود اس نے بہت اصرار کیا لیکن وہ رکنے پر آمادہ نہیں ہوئیں اور شیرازی کی جیسے اپنی کوئی مرضی نہیں تھی۔ خود اپنی کہی بات کی تفسیر نظر آ رہے تھے' میں اس کی ہر جائز و ناجائز مانے کا پابند ہو جاؤں گا۔''

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ صباجی یہ کہہ کر گئی تھیں کہ دوبارہ جلدی آئیں گی کتنے دن گزرنے کے بعد بھی نہیں آئیں تھیں البتہ فون کر لیتیں۔ بلکہ زیادہ تر ممی ہی انہیں کرتی تھیں اور آنے کے لئے بھی ضرور کہتیں ان کا ایک ہی جواب ہوتا آؤں گی۔''

اس روز کالج سے واپسی پر وہ بس کے انتظار میں کھڑی تھی کہ شیرازی نظر آ گئے۔ نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ گاڑی اس کے قریب روک کر بولے۔

''آ جاؤ'' کچھ ایسا انداز تھا کہ وہ بغیر کسی پس و پیش کے دوسری طرف سے ان کے بیٹھی اور وہ فوراً چل پڑے۔

''کیسے ہیں آپ اور صباجی؟''

یہ خوب ہے سر راہ ملاقات ہو گئی تو احوال پوچھنے لگیں۔ ان کے لہجے میں چھپا طنز وہ کر گئی۔

ظاہر ہے جب سامنا ہو گا تب ہی احوال پوچھوں گی اور اگر آپ کو یہ شکایت ہے کہ میں کے گھر نہیں آئی تو اس کے لئے یہی کہوں گی کہ ہم روزانہ آپ کا اور صباجی کا انتظار کرتے ان کے خاموش رہنے پر کہنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''میں نے کئی بار ممی سے کہا کہ آپ کی طرف چلتے ہیں لیکن ان کا خیال ہوتا ہے کہ شاید آپ لوگ گھر پر نہ ہوں۔''

''ہمیں کہاں جانا ہے''

''کیوں کیا آپ کو سیر و تفریح سے کوئی دلچسپی نہیں؟''

''میری بات چھوڑو اپنی صبا جی کی بات کرو کہ انہیں کس بات سے دلچسپی ہے''

''اب تک آپ کو اندازہ نہیں ہوا۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ بھی ذرا سا رخ موڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی لیکن پھر فوراً پلٹ کر پوچھا۔

''یہ آپ کہاں جا رہے ہیں'' میرا مطلب ہے یہ راستہ تو نہیں ہے۔''

''ہم ابھی گھر نہیں جا رہے'' وہ اطمینان سے بولے۔

''پھر؟''

پہلے میں تمہیں چائنیز سے لنچ کراؤں گا ان کی حد درجہ سنجیدگی محسوس کرنے کے باوجود وہ قصداً ہنس پڑی۔

اس مہربانی کا شکریہ گھر میں ممی پریشان ہوں گی۔''

''فکر مت کرو پہلے انہیں فون کر لینا ان کے انداز میں ذرا تبدیلی نہیں آئی۔ تو وہ قدرے تشویش میں مبتلا ہو کر سوچنے لگی کہ آخر ان کا مقصد کیا ہے اور ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ انہوں نے گاڑی روک دی اور اسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر اتر گئے۔ مجبوراً اسے بھی اترنا پڑا اور جب ان کے سامنے بیٹھی تو کہنے لگی۔

''صبا جی کو بھی ساتھ لے لیتے تو اچھا تھا۔ انہوں نے جیسے سنا ہی نہیں۔ مینو پر نشان لگا کر ویٹر کو تھمایا۔ اس کے بعد اس کیطرف متوجہ ہوئے تو کچھ دیر تک بس دیکھتے رہے کہ وہ اپنے آپ میں عجیب سا محسوس کرنے لگی ہلکے سے انگلی سے ٹیبل بجا کر بولی۔

''کیا سوچ رہے ہیں؟''

''سوچ رہا ہوں جو بات میں تم سے پوچھنے جا رہا ہوں وہ پوچھنی چاہئے یا نہیں۔''

''ایسی کیا بات ہے؟''

''چلو فیصلہ ہو گیا میرا مطلب ہے تم ہی سے پوچھنی ہے اور پلیز روشی ایمانداری سے بتانا۔



''جی؟'' وہ الجھن آمیز نظروں سے دیکھنے لگی ''گھبراؤ مت کوئی ایسی بات نہیں ہے'' انہوں نے کہا اور ویٹر کی طرف متوجہ ہو گئے اور جب وہ ساری چیزیں رکھ کر چلا گیا تب بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگے۔

''مجھے صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ شادی سے پہلے جب میں نے تم سے کہا تھا کہ صبا کی رائے معلوم کرو تو اس نے کیا کہا تھا؟

''میرے خدا'' اسے قطعی امید نہیں تھی کہ یوم حساب اتنی جلدی آ جائے گا اور خود کو سنبھالنے میں اسے خاصی دیر لگی۔

''بتاؤ ناں'' انہوں نے سوالیہ نظریں اس پر جما دیں۔ تو وہ بھی ان ہی کی طرح بظاہر سرسری انداز میں بولی۔

''ظاہر ہے ان کی رضامندی کے بغیر تو کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔''

''تمہارا مطلب ہے صبا کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا؟ اس کا جواب چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہوا تو وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے۔

''نہیں روشی' کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہوئی ہے''

''کیسی گڑبڑ؟ وہ اندر ہی اندر سہم کر پوچھنے لگی۔

''پتا نہیں تمہارے سمجھنے میں غلطی ہوئی یا صبا کے' بہرحال تم کھانا کھاؤ۔ وہ فوراً اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔ لیکن کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہا مجبوراً ذرا ذرا سے چاول حلق سے اتارنے لگی۔ کن انکھیوں سے انہیں بھی دیکھتی جا رہی تھی جو یوں پوز کر رہے تھے جیسے واقعی صرف کھانا کھانے کی غرض سے یہاں آئے ہوں۔

''کیا صبا جی نے کچھ کہا ہے'' وہ پوچھے بغیر رہ نہیں سکی۔

''نہیں''

''پھر آپ کو کسی گڑبڑ کا احساس کیوں ہوا؟''

''اس لئے کہ صبا خوش نہیں ہے میرا مطلب ہے میرے ساتھ''

لیکن میں نے تو انہیں اس روز بہت خوش دیکھا تھا اور پھر ان کی صحت''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''صحت'' وہ فوراً ٹوک کر بولے۔اس کے جسم پر اضافی بوجھ کو تم صحت کہتی ہو نہیں روشی میں جانتا ہوں اندر سے وہ کتنی بیمار ہے''

''کیا ہوا ہے انہیں۔وہ پریشان ہو گئی۔

''یہ تم اسی سے پوچھو کہ وہ کون سا دکھ ہے جو اسے کھوکھلا کر رہا ہے۔میری ذات کی نفی تو کرتی ہی ہے لیکن خود اپنے آپ سے اتنی بیگانگی کہ کبھی کبھی مجھے اس سے گھن آنے لگتی ہے۔میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں۔میں تمہیں بتا نہیں سکتا روشی کہ اس کے رویے نے مجھے کتنے کرب میں مبتلا کر رکھا ہے۔وہ بولنے پر آئے تو بولتے چلے گئے اور وہ چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی جب ان کے پاس کہنے کیلئے کچھ نہیں رہا تو وہ بڑے آرام سے بولی۔

''میرا خیال ہے آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ صبا جی کو کیا دکھ ہو سکتا ہے اور پھر آپ کو ان کے رویے پر تعجب یا دکھ کیوں ہے۔کیا آپ نے نہیں کہا تھا کہ لڑکیاں سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ابتدائی عمر میں شوخ و شرارتی پھر دوپٹہ اوڑھنے کے ساتھ سنجیدگی کا لبادہ بھی اوڑھ لیتی ہیں اس کے بعد جب گرہستی کا وقت آتا ہے تو خود اپنے آپ سے بھی بے نیاز ہو جاتی ہیں۔''

''ہاں'' وہ ٹٹولتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے یہ جاننے کی کوشش کرنے لگے کہ وہ کیا جتانا چاہ رہی ہے۔

''پھر آپ کو شکایت کیوں ہے اگر صبا جی گرہستی میں کھو کر خود سے بیگانہ ہو گئی ہیں تو''۔

''گرہستی'' وہ تلخی سے بولے ''آؤ میں تمہیں اس کی گرہستی دکھاؤں۔''

''کیا مطلب؟''

''چلو میرے ساتھ'' انہوں نے ویٹر کو بلا کر بل پے کیا اور اسے لے کر باہر نکل آئے پھر تمام راستہ وہ کہتی رہی کہ وہ پھر کسی وقت ان کے گھر آئے گی لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور گاڑی اپنے گھر کے سامنے روکی۔

''اسے میرا مت بتانا' بلکہ یہی ظاہر کرنا کہ تم خود سے آئی ہو اسے اتار کر بولے اور پھر سپیڈ سے گاڑی بڑھا لے گئے تو وہ حیران و پریشان ان کے پیچھے دیکھتی رہ گئی۔جب گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی تب آگے بڑھ کر بیل کا بٹن دبایا اور پندرہ منٹ مسلسل بیل بجانے کے بعد جا کر کہیں گیٹ کھلا تو وہ صبا جی کو دیکھ کر واقعی حیران رہ گئی۔ایسے حلیے میں تو وہ کسی کو اپنے گھر میں ملازم



بھی نہیں رکھ سکتی تھی۔کپڑے بے حد میلے اور بالوں کا یہ حشر تھا کہ جیسے مہینوں سے سر نہ دھویا ہو۔پیر چپلوں سے آزاد۔

''ارے روشی'' صبا جی نے زبردستی اسے کھینچ کر اپنے ساتھ لگا لیا تو ان کے بدن سے اتنی ناگوار سی مہک سے اسے بے حد گھبراہٹ ہوئی۔فوراً اپنا آپ چھڑا کر پیچھے ہٹ گئی۔

کس کے ساتھ آئی ہو۔'' وہ گیٹ سے باہر سر نکال کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''کسی کے ساتھ نہیں۔کالج سے آ رہی ہوں''

''اچھا اندر چلو۔وہ گیٹ بند کر کے اسے اندر لے آئیں۔تو یہاں آ کر بھی اسے سخت دھچکا لگا۔ہر چیز پر گرد جمی ہوئی تھی۔فرش تو نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔وہ جان بوجھ کر ایک ایک چیز کا جائزہ لینے لگی۔پھر حیرت بھری نظریں ان پر جما کر بولی۔

''یہ آپ ہیں صبا جی۔آپ جو اپنے کپڑوں پر ہلکا سا پانی کا چھینٹا بھی برداشت نہیں کرتی تھیں۔''

''ہاں'' صبا جی بجائے شرمندہ ہونے کے ہنسنے لگیں۔دیکھ لو شادی کے بعد کیا حال ہو جاتا ہے''

''ایسا حال میں نے تو کسی کا نہیں دیکھا''

''اچھا تم بیٹھو تو''

''نہیں'' وہ ان کا ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹ گئی۔اگر میں کچھ دیر اور یہاں رکی تو میرا دم گھٹ جائے گا۔پتا نہیں آپ کیسے رہتی ہیں۔''

''میں ابھی سب صاف کر دیتی ہوں'' وہ گلے میں سے دوپٹہ کھینچ کر جلدی جلدی گرد جھاڑنے لگیں تو پورا کمرا گرد آلود ہو گیا۔

''میرے خدا۔'' وہ کھانستی ہوئی کمرے سے باہر آ کھڑی ہوئی تو صبا جی بھی اس کے پیچھے چلی آئیں اور منت سے بولیں۔

''جانا مت روشی' ورنہ مجھے بہت دکھ ہو گا۔'' اس شرط پر رکوں گی کہ پہلے آپ نہا کر کپڑے بدلیں۔''

''ہاں ہاں تم بیٹھو۔ میں ابھی نہا کر آتی ہوں'' وہ جلدی سے اپنے کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گئیں۔ تو اس نے بیگ کہیں برآمدے میں رکھا۔ اس کے بعد باقاعدہ صفائی میں لگ گئی۔

یہ تو نہیں تھا کہ وہ جانتی نہیں تھی۔ وہ سب جانتی تھی۔ لیکن ایسی صورت حال کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا اور اب بھی وہ خود کو الزام نہیں دے رہی تھی بلکہ یہ سوچ رہی تھی کہ آخر صبا جی کو ایسی جاہلانہ حرکتیں کرنے کی کیا ضرورت ہے اور بھی طریقے ہیں شیرازی کو تنگ کرنے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے۔

صبا جی نہا کر نکلیں تو وہ گھر کو صاف ستھرا کر چکی تھی۔ انہیں نہانے میں بھی تو اتنی دیر لگی تھی۔

''تم نے یہ سب کیوں کیا؟ میں خود کر لیتی'' صبا جی کو اب شرمندگی ہوئی۔

'کب کرتیں۔؟'' وہ یونہی کہہ گئی۔

''اصل میں کئی دنوں سے میری طبیعت ٹھیک نہیں کوئی کام نہیں ہوتا ذرا دیر کھڑی رہوں تو چکر آنے لگتے ہیں چلا بھی نہیں جاتا۔ پتا نہیں واقعی ایسا تھا یا صبا جی خجالت مٹانے کو ایسا کہہ رہی تھیں۔

''ڈاکٹر کو دکھایا آپ نے؟'' وہ برش اٹھا کر ان کے بال سلجھاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''نہیں روز سوچتی ہوں آج جاؤں گی لیکن ہمت نہیں ہوتی۔''

''اگر ایسی بات ہے تو ڈاکٹر کو یہیں بلا لیں۔''

''ہاں یہ خیال مجھے نہیں آیا تھا'' اس کا دل چاہا' پوچھے شیرازی کو بھی خیال نہیں آیا۔ لیکن خاموش رہی۔

''آنٹی اور انکل کیسے ہیں؟ تم آنٹی کو بھی ساتھ لے آتیں ناں۔''

میں نے بتایا ناں کہ سیدھی کالج سے آ رہی ہوں۔ اور اچھا ہوا ممی ساتھ نہیں تھیں ورنہ آپ کی حالت دیکھ کر انہیں کتنا دکھ ہوتا۔ وہ تو یہ سمجھ رہی ہیں کہ آج کل آپ خوب گھومنے پھرنے میں مصروف ہوں گی۔''

شیرازی تو کہتے ہیں لیکن'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ پھر بات بدل کر بولیں۔ تم نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا۔ ٹھہرو پہلے میں تمہارے لئے کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔''

نہیں۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آرام سے لیٹ جائیں' مجھے ویسے بھی بھوک نہیں ہے۔ البتہ میں آپ کے لئے کچھ بنا دیتی ہوں۔ وہ انہیں بتا کر کچن میں آ گئی۔

ممی کو اس نے فون کر دیا تھا کہ وہ صبا جی کے پاس ہے۔ اس لئے اطمینان سے شام تک ان کے پاس رہی اور شام میں جب شیرازی آئے تو صبا جی کے ساتھ گھر کو بھی اچھی حالت میں دیکھ کر انہیں اطمینان ہوا اور اسکا شکریہ ادا کرنے کے بعد پوچھنے لگے۔

''کچھ معلوم ہوا کہ وہ ایسا کیوں بی ہیو کر رہی ہے؟

''ہاں'' وہ بڑے آرام سے بولی ''صبا جی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور مجھے لگتا ہے وہ پریگنیٹ ہیں اور میں نے سنا ہے ایسی حالت میں اکثر خواتین بہت ڈل ہو جاتی ہیں ان سے کوئی کام نہیں ہوتا۔''

''واقعی'' اس کی معلومات پر حیرت اور اطلاع پر خوشی کا اظہار ایک ساتھ تھا۔

''یقین کے لئے ڈاکٹر سے رجوع کریں۔''

''وہ چلنے پر آمادہ ہو تب ناں۔ میں تو کئی بار کہہ چکا ہوں۔''

''ابھی آپ مجھے گھر چھوڑنے چلیں گے ناں۔ تو پہلے صبا جی کو ڈاکٹر کو دکھائیں گے۔''

''یہ ٹھیک ہے تم ساتھ ہو گی تو وہ انکار نہیں کرے گی۔ پھر رک کر بولے تمہیں پتا ہے وہ تمہیں کتنا چاہتی ہے۔''

''ہاں''

''کیا تم بھی اس سے اتنا ہی پیار کرتی ہو؟''

''پتا نہیں'' وہ یہ جواب دینے میں کبھی نہیں جھجکتی تھی۔

''کیا مطلب یعنی تمہیں؟''

''چھوڑیں مطلب کو اور جا کر دیکھیں صبا جی کیا کر رہی ہیں'' وہ ٹوک کر بولی چھ بج رہے ہیں اب چلنا چاہئے۔

ہاں ڈاکٹر بھی اس وقت ملے گی۔ وہ اس کے پاس سے اٹھ کر اندر چلے گئے اور کچھ دیر بعد صبا جی کو اپنے ساتھ لے کر آئے تو وہ انہیں دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"چلیں صبا جی! آپ مجھے گھر چھوڑ آئیں۔"

"میں بھی چلوں" وہ پرسوچ انداز میں بولیں۔

"کیوں کیا آپ کا ممی پاپا سے ملنے کو دل نہیں چاہتا؟"

"ان کے سینے میں دل ہوتب ناں" شیرازی آہستہ سے کہہ کر آگے بڑھ گئے تو اس نے صبا جی کا ہاتھ تھام لیا جو جانے کیوں اتنا سرد ہو رہا تھا۔

پھر ڈاکٹر کے پاس سے ہو کر جب وہ گھر آئی تو ممی پاپا انتظار میں بیٹھے تھے اس نے آتے ہی ممی کو صبا جی کے بارے میں خوشخبری سنائی کہ وہ ماں بننے والی ہیں۔ صبا جی نے قدرے خفگی سے دیکھا تو ان کے کان میں آہستہ سے بولی:

"بیٹا ہونا چاہئے" وہ گھبرا کر شیرازی کو دیکھنے لگیں تو وہ جیسے اس کی شرارت سمجھ گئے تھے مسکرا کر اثبات میں سر ہلانے لگے۔

☆☆☆

صبا جی کی حالت کے پیش نظر شیرازی چاہتے تھے کہ وہ کچھ دنوں کے لئے ان کے گھر آ کر رہے۔ انہوں نے ممی سے کہا تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ لیکن جب اس سے بات کی تو وہ شش و پنج میں پڑ گئی کیونکہ ادھر اس کے امتحان شروع ہونے والے تھے۔ صاف منع نہیں کیا بلکہ یہی کہا کہ امتحانوں کے بعد آ جائے گی۔ پھر کہنے لگی۔

"ایسا کریں آپ صبا جی کو یہاں چھوڑ جائیں یہاں ممی اچھے طریقے سے ان کی دیکھ بھال کر لیں گی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے اور پہلے میں نے صبا سے کہا تھا کہ وہ یہاں آ جائے لیکن وہ نہیں مانی"

"کیوں"

"تمہاری وجہ سے میرا مطلب ہے اس کا کہنا ہے کہ تمہارے امتحان ہونے والے ہیں اور تم اس کے آنے سے ڈسٹرب ہو جاؤں گی۔"

اس نے خاموشی سے ان کی بات سنی اور پھر جیسے محض انہی کا خیال کر کے جواب دیا۔

"نہیں میں ڈسٹرب نہیں ہوں گی۔"



"یہ تم خود اس سے کہوں"

"اچھی بات ہے میں کہہ دوں گی۔"

اسی شام اس نے صبا جی کو فون کر کے آنے کے لئے کہا تو انہوں نے اسے بھی یہی جواب دیا کہ تم امتحانوں سے فارغ ہو لو۔ پھر آؤں گی۔ اس کے بعد اس نے زیادہ اصرار نہیں کیا اور اپنی ساری توجہ پڑھائی پر مرکوز کر دی۔ البتہ ممی ہر دوسرے دن صبا جی کے پاس ہو آتی تھیں پتا نہیں کیا بات تھی کہ وہ ان کی طرف سے خاصی فکر مند رہنے لگی تھیں۔ اس روز اس نے سنا وہ پاپا سے کہہ رہی تھیں۔

"صبا بہت کمزور ہو گئی ہے حالانکہ شیرازی ہر طرح سے ان کا خیال رکھتا ہے اور ماشاء اللہ کسی چیز کی کمی بھی نہیں ہے لیکن اس کا یہ حال ہے کہ دن بہ دن لاغر ہوتی جا رہی ہے۔"

"صبا جی اور لاغر" ان کے سراپے کا تصور کر کے اس نے سوچا۔

"ڈاکٹر کو نہیں دکھایا؟" پاپا پوچھنے لگے۔

"کل میں خود اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھی۔ اور اس کا کہنا ہے کہ بظاہر تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس یہ ہے کہ غذا کا خیال رکھیں اور اسے خوش رہنا چاہئے۔"

"کیا وہ خوش نہیں ہے؟ پاپا کے پوچھنے پر وہ غیر ارادی طور پر ممی کو دیکھنے لگی کہ وہ کیا کہتی ہیں اور ممی پرسوچ انداز میں بولیں۔

یہی میں سوچتی ہوں۔ پتا نہیں وہ خوش بھی ہے یا نہیں"

"کیا مطلب؟ کیا اسے دیکھ کر تمہیں اندازہ نہیں ہوتا۔" پھر خود ہی کہنے لگے۔ اصل میں نئی زندگی میں ایڈجسٹ ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے شروع میں لڑکیاں ایسے ہی بوکھلا جاتی ہیں۔"

"ہاں" وہ ممی کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی اٹھ کر اندر چلی آئی۔ کل آخری پیپر کے لئے اسے بہت تیاری کرنی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے چاہا کہ کچھ نوٹس یاد کرے۔ لیکن پڑھنے میں بالکل دل نہیں لگا۔ کتاب سامنے رکھے انگلی سے اس پر آڑی ترچھی لکیریں بنا رہی تھی ذہن جیسے بالکل خالی تھا۔ کوئی خیال کوئی سوچ نہیں۔ اسی وقت یاسر اس کے کمرے میں جھانک کر پوچھنے لگا۔

"آ جاؤں" اس کا یہی انداز تھا۔ وہی یونہی سر اونچا کر کے دیکھنے لگی۔ نہ بلایا نہ منع کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اور وہ اندر آتے ہوئے بولا۔

''خیر' منع تو تم نہیں کروں گی۔ یہ بتاؤ امتحان ختم ہو گئے؟''

''نہیں کل آخری پیپر ہے''

''پھر تو مجھے کل آنا چاہئے تھا۔ چلا جاؤں؟''

''نہیں آ ہی چکے ہو تو بیٹھ جاؤ''

''تھینک یو' وہ فوراً بیٹھ گیا اور اس کے سامنے سے کتاب اٹھا کر بولا۔ لگتا ہے تیاری مکمل ہو گئی ہے''

''تم اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟'' وہ اس کی بات نظر انداز کر کے پوچھنے لگی۔

''اس وقت تو گھر سے آ رہا ہوں۔ البتہ تین روز پہلے میری ماسکو کی فلائٹ تھی اور وہاں سے صبح آیا ہوں۔''

''بیرون ملک بھی پرواز کرنے لگے ہو؟

''تمہیں نہیں پتا خیر تمہیں تو کسی بات کا پتا نہیں ہوتا۔''

''جی نہیں' مجھے ہر بات کا پتا ہوتا ہے'' وہ اب اپنے بارے میں اس قسم کی باتوں سے چڑنے لگی تھی۔

''اچھا'' وہ ہنسا'' پھر تو تمہیں یہ بھی پتا ہو گا کہ حنا کی بات پکی ہو گئی ہے۔''

''کیا؟'' وہ بے اختیار حیرت کا اظہار کر گئی لیکن پھر اس کی آنکھوں میں شوخی دیکھ کر فوراً سنبھل کر بولی'' ہاں مجھے معلوم ہے''

''بھلا کس کے ساتھ؟''

''جہاں ایک عرصے سے بات چل رہی تھی۔ اسی کے ساتھ'' اس نے اندھیرے میں تیر چھوڑا تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''مان گیا تمہیں' تھوڑی ذہین بھی ہو''

''شادی کب ہے؟''

''شادی تو نہیں فی الحال منگنی ہے''

''کب؟''



''دیکھو پرسوں میری لندن کی فلائٹ ہے۔ اگر میں جمعہ سے پہلے واپس آ گیا تو پھر سمجھو اسی جمعہ کو۔

''تم لندن جا رہے ہو؟ وہ اشتیاق سے بولی۔

''اب تو ہر جگہ ہی جانا ہو گا کبھی لندن کبھی امریکہ کبھی جاپان'' وہ اس کے اشتیاق کو مزید ہوا دیتے ہوئے بولا۔

ایمان سے بڑے خوش قسمت ہو۔ مفت میں ساری دنیا گھوم لو گے۔''

''تمہیں بھی گھما سکتا ہوں''

''سچ'' اس کی بے اختیاری پر وہ ذرا سا مسکرایا۔

''ہاں اگر تم چاہو تو''

''میں چاہوں؟'' وہ نہیں سمجھی۔

''ہاں بس پہلے تین بار قبول ہے کہنا پڑے گا۔ اس کے بعد جہاں کہو گی لے جاؤں گا۔

''بکو مت'' اس کا سارا اشتیاق ہوا ہو گیا۔

''اسے میں کیا سمجھوں' تمہارا انکار یا اقرار'' وہ سنجیدہ ہو کر بغور اسے دیکھنے لگا۔ تو وہ جھنجھلا کر بولی۔

''کچھ بھی سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے اور اب تم جاؤ۔ مجھے پڑھنا ہے۔''

''او کے'' خلاف عادت وہ فوراً ہی کھڑا ہو گیا پھر جاتے ہوئے رک کر بولا'' سنو سوچنا ضرور' میں تمہیں محبت کے ساتھ اچھی زندگی دے سکتا ہوں۔''

''محبت کے ساتھ اچھی زندگی'' اس نے ایک پل کو سوچا اور پھر سر جھٹک کر کتاب اٹھا لی۔

اگلے دن پیپر دے کر آئی تو اس کا خیال تھا اب ممی اسے صبا جی کے گھر جانے کے لئے کہیں گی لیکن اس کے برعکس وہ خود ان کے پاس جانے کو تیار تھیں' اور پھر جاتے ہوئے اس سے کہیں گئیں کہ وہ صبا جی کو یہیں لے آئیں گی اور جب تک ان کی طبیعت سنبھل نہیں جاتی وہ یہیں رہیں گی۔ اس لئے وہ ان کا کمرہ دیکھ لے۔

''چلو یہ اچھا ہے کہ صبا جی یہیں آ رہی ہیں'' اس نے سوچا اور کچھ دیر آرام کرنے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



بعد ان کے کمرے میں آ گئی۔ ان کی شادی کے بعد سے یہ کمرہ زیادہ تر بند ہی رہتا تھا۔ ہفتے میں دو ایک بار ممی اس کی جھاڑ پونچھ کروا دیا کرتیں۔ اس وقت بھی کمرہ تو صاف ستھرا تھا لیکن شاید بند رہنے کی وجہ سے حبس اور گھٹن تھی۔ اس نے کھڑکی کھول کر پردے ہٹائے اور پنکھا فل سپیڈ سے کھول دیا۔ پھر وہیں ان کے بیڈ پر لیٹ گئی تو نظر سامنے ٹیبل پر رکھی فریم شدہ تصویر پر جا ٹھہری' اس کی اور صباجی کی کافی پرانی تصویر تھی لیکن اسے یاد تھا کہ پاپا نے کب کھینچی تھی۔ کبھی کبھی کوئی یاد بڑی شدت سے اپنی گرفت میں لے لیتی ہے وہ بھی اٹھ کر تصویر کے پاس آ کھڑی ہوئی اور اسے انگلیوں سے چھوا۔ جیسے زندگی کے اوراق کو پلٹ رہی ہو۔

اس کی سالگرہ کا دن تھا لیکن اس روز اسے بخار بھی ہو گیا تھا اور وہ جو آئس کریم بہت شوق سے کھاتی تھی تو ڈاکٹر نے سختی سے ٹھنڈی چیزوں سے منع کیا تھا۔ لیکن وہ بضد تھی کہ آئس کریم ضرور کھائے گی۔ نہ ملنے پر روٹھی ہوئی تھی اور صباجی اسے منانے کے سوچتن کر رہی تھیں۔ اسی وقت پاپا نے یہ تصویر کھینچی تھی اس کے بعد اور کتنی یادیں تھیں جن میں زیادہ تر اس کا روٹھنا بگڑنا اور صباجی کا منانا تھا وہ کچھ دیر کو خاموش بیٹھ جاتی تو صباجی کی جان پر بن آتی تھی۔

''روشی'' یہ لے لو روشی یہ کھا لو۔ روشی میں تمہیں اچھی سی تصویر بنا دیتی ہوں۔''

اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتی تھیں جب تک اسے بہلا نہ لیتیں۔ کئی بار ممی تو کہتیں اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ لیکن انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا تھا اور ان باتوں کو سوچتے ہوئے اچانک اسے خیال آیا کہ اس نے صباجی کے لئے کیا کیا۔ جواب میں اسے اپنے اندر سسکیاں سنائی دینے لگیں۔ گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگی کہ ہاتھ کے جھٹکے سے تصویر فرش پر آ گری جس سے فریم کا شیشہ چکنا چور ہو گیا۔ ایک نظر دور تک پھیلے کانچ کے ٹکڑوں پر ڈالی اور پھر جھک کر احتیاط سے فریم اٹھایا تو تصویر کے ساتھ ایک سیاہ رنگ کی ڈائری بھی اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ فوری طور پر اس کے اندر کوئی تجسس نہیں جاگا بلکہ یہ خیال زیادہ غالب تھا کہ اگر اس وقت صباجی آ گئیں تو تصویر کا یہ حشر دیکھ کر انہیں بہت افسوس ہو گا۔ لہٰذا پہلے ہاتھ میں آئی چیزیں اپنے کمرے میں رکھ آئی۔ اس کے بعد تمام کانچ ایک کاغذ پر سمیٹ کر ڈسٹ بن میں ڈال دیئے۔ پھر پنکھا بند کر کے ان کے کمرے سے نکل آئی۔

تھی کیونکہ ٹھیک سے بتا کر نہیں گئی تھیں کہ وہ صباجی کو لے کر کب آئیں گی اس لئے ان



کا انتظار کرنے کے بجائے اس نے کھانا کھایا اور پھر سونے کی غرض سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ ویسے بھی سر سے امتحانوں کا بوجھ اترا تھا اور اب وہ لمبی تان کر سونا چاہتی تھی۔ تکیے پر سر رکھا ہی تھا کہ کارنر پر رکھی ڈائری نے اس کی توجہ کھینچ لی اور پھر وہ اسے دیکھے بغیر رہ نہیں سکی۔ ابتدائی صفحوں پر اس نے سرسری نظر ڈالی جن پر صباجی نے لکھا تھا۔

اگر میں دادا ابا کے پاس رہتی تو ہو سکتا ہے ہر قدم پر اپنے والدین کی کمی کو شدت سے محسوس کرتی لیکن یہاں آ کر مجھے کبھی احساس نہیں ہوا کہ میرے ماں باپ نہیں ہیں۔ یقیناً یہ انکل اور آنٹی کی محبتیں ہیں جنہوں نے مجھے کبھی احساس نہیں ہونے دیا بلکہ مجھے یہ کہنا چاہئے کہ اگر مجھے اپنے ابو جی یاد نہ ہوتے تو میں یقین سے کہتی کہ میں اسی گھر میں پیدا ہوئی ہوں۔''

اس کے بارے میں لکھا تھا۔

''روشی کی صورت مجھے چھوٹی بہن ملی ہے بات بات پر روٹھنے اور پھر جلد مان جانے والی یہ چھوٹی سی گڑیا مجھے بے حد عزیز ہے اور میں جانتی ہوں روشی بھی مجھے اتنا ہی عزیز رکھتی ہے حالانکہ کبھی اس نے اظہار نہیں کیا بلکہ بظاہر ایسا لگتا ہے جیسے میرا ہونا نہ ہونا اس کے لئے برابر ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ وہ لاکھ میری ذات کی نفی کرے مجھے خود سے الگ نہیں کر سکتی' اور یہ بات خود اسے بھی معلوم نہیں ہے اور مجھے اس دن کا انتظار ہے جب وہ اپنی روح کی گہرائیوں تک اتری میری محبتوں کو خود ہی پا لے گی۔

پھر کئی صفحات اس نے الٹ دیئے' جن پر صرف اس کے بارے میں لکھا گیا تھا۔ اسے نہ تو حیرت تھی نہ خوشی ہوئی۔ جیسے وہ سب جانتی ہو۔ پھر ایک جگہ منصور کا نام دیکھ کر وہ رک گئی۔ انہوں نے لکھا تھا۔

''منصور میری خالہ کے بڑے بیٹے ہیں۔ گذشتہ بار جب میں نانا جی کے پاس گئی تھی تو وہ بہاولپور جاتے ہوئے بس دو دن کے لئے نانا جی کے پاس رکے تھے ان دونوں میں گو کہ انہوں نے مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی جس سے میں یہ سمجھتی کہ وہ میرے لئے نئے انداز سے سوچنے لگے ہیں لیکن ان کے انداز ہمیشہ سے مختلف ضرور تھے جس سے میں چونکی اور ابھی سمجھنے کی کوشش ہی کر رہی تھی کہ وہ چلے بھی گئے اور ان کے جانے کے بعد میں نے خود کو قصداً کچھ بھی سوچنے سے باز رکھا۔ شاید اس لئے کہ انکل آنٹی نے جس محبت سے مجھے پالا ہے تو میں نے اپنی زندگی کا سارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اختیار انہیں سونپ دیا ہے اور پتا نہیں آنٹی میرے لئے کیا سوچتی ہیں۔ بہرحال اس بار جب میں نانا جی کے پاس گئی تو منصور پہلے سے وہاں موجود تھے اور مجھے یوں لگا جیسے وہ شدت سے میرے منتظر ہوں۔ اس روز پہلی بار میرا دل عجیب انداز میں دھڑکا پھر بھی میں اپنے گمان کی نفی کرتی رہی کہ شاید یہ میرا وہم ہو لیکن یہ میرا وہم نہیں تھا کیونکہ اسی شام منصور میرے پاس آ کر بولے تھے۔

''پتا ہے صبا میں کتنی شدت سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔''

''جی'' میں نے حیران ہو کر دیکھا تو کہنے لگے گذشتہ بار میں بہت جلدی میں تھا کیونکہ مجھے ڈیوٹی جوائن کرنی تھی۔ اس لئے میں تم سے کچھ نہیں کہہ سکا۔ حالانکہ مجھے کوئی لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھنی تھی اور نہ ہی پل پل کی داستان سنانا مقصود تھا۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں جو بات ایک جملے میں کہی جا سکتی ہے اس کیلئے داستان کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو سراسر جذبوں پر منحصر ہے کہ اگر ان میں سچائی اور خلوص ہوگا تو میرے ہونٹوں سے نکلا ایک لفظ تمہارے دل کے تاروں کو چھیڑنے بلکہ انہیں اپنا ہمنوا بنانے کے لئے بہت ہوگا اس کے برعکس میں ساری زندگی تمہارے سامنے کھڑا ہو کر یہ کہتا رہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ تو تم کبھی یقین نہیں کرو گی۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو ناں۔''

اور میں کیا کہتی۔ ان کے جذبوں کی سچائی نے اس خوبصورتی سے میری دھڑکنوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا تھا کہ میری پلکیں جھکتی چلی گئیں۔

''شکریہ صبا مجھے تمہارا جواب مل گیا ہے'' اتنے یقین سے کہہ کر وہ اس وقت میرے پاس سے ہٹ گئے تھے اور میں حیران ہوتی رہی۔

اس رات میں نے اور بہت ساری باتیں سوچنی چاہیں لیکن جذبوں کی سچائی نے مجھے نہ تو کسی اندیشے میں گھرنے دیا اور نہ کوئی خوف ہی میرا دامن تھام سکا۔

اور پھر یوں لگا جیسے میں اور منصور صدیوں سے ساتھ ساتھ چلتے آ رہے ہوں۔ گو کہ میرے دامن میں کوئی محرومی نہیں تھی۔ لیکن شاید اندر کہیں کسی تشنگی کا احساس تھا۔ جسے منصور کی محبت نے یوں مٹایا کہ میں روح کی گہرائیوں تک سیراب ہوتی چلی گئی بہرحال زندگی کا یہ رخ اپنے اندر ڈھیر ساری خوبصورتیاں لئے ہوئے تھا۔

چند دنوں میں ہی محبت کا امرت میری نس نس میں یوں اترا کہ مجھے لگا اگر منصور میری



زندگی میں شامل نہ ہوئے تو میں مر جاؤں گی۔ منصور کا بھی یہی حال تھا۔ ہم نے بہت سارے پیمان باندھے اور کائنات کے ذرے ذرے کو گواہ بنایا۔ اس بار منصور پورا ایک ہفتہ رہے اور جاتے ہوئے انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ بہت جلد اپنے امی ابو کو بھیجیں گے' بظاہر ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی اس لئے کسی لمحہ مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ ہماری محبت کسی امتحان سے بھی گزر سکتی ہے۔

میں نانا جی کے گھر سے واپس آئی تو منصور کی محبت اور ان کا خیال میرے ساتھ تھا جس نے میرے ہونٹوں کو ہر پل زندہ رہنے والی مسکراہٹ بخش دی تھی۔ میں ناخوش تو پہلے بھی نہیں تھی لیکن اب ایک نئے احساس نے مجھے زندگی سے پیار کرنا سکھا دیا تھا۔ میرا خیال تھا میں سب سے پہلے روشی کو ہمراز بناؤں گی۔ لیکن اسے دیکھ کر میں حیران رہ گئی۔ وہ جو ہر معاملے میں خاصی لاپرواہ سی تھی ایک دم سے اتنی سنجیدہ ہوگئی تھی اور پھر فوراً ہی میں نے اس کی سنجیدگی کا سبب جان لیا۔ وہ لاکھ خود کو چھپاتی رہے لیکن میں اس کی آنکھوں میں انگڑائیاں لیتے جذبوں کے ساتھ شیرازی کی شبیہ دیکھ چکی تھی۔''

''میرے خدا'' اس کا دل اتنی زور زور سے دھڑکنے لگا تھا کہ وہ ڈائری بند کر کے بے حد گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ یوں لگا جیسے در و دیوار اس پر ہنسنے لگے ہوں کہ وہ کسی معمولی سے کھیل میں بھی جیتنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیا کرتی تھی جبکہ یہاں وہ یوں اطمینان سے تھی جیسے ہارے مہرے اسی کے ہاتھ میں ہوں اور جب تک چاہے گی شہہ اور مات کھیلتی رہے گی۔

لیکن اس کے شاید فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ وہ مہروں کی بساط بچھانے سے پہلے ہی شکست کھا چکی ہے۔

دوبارہ ڈائری اس نے ڈرتے ڈرتے کھولی۔

''مجھے روشی پر بے طرح پیار آیا کہ نئے جذبوں سے آشنائی حاصل کر کے وہ کس قدر بوکھلائی ہوئی ہے اور میں جو اسے ہمراز بنانا چاہتی تھی تو اب انتظار کرنے لگی کہ وہ کب اپنے دل کی بات مجھ سے کہتی ہے۔ میرا خیال تھا وہ بہت جلد میرے سامنے کھلے گی' لیکن شاید وہ ڈر رہی تھی۔ یا جانے کیا بات تھی' بہرحال میں نے سوچا کہ میں خود کسی وقت کوئی ایسی بات چھیڑ دوں گی جس سے اس کی جھجک اور جو انجانا سا خوف ہے وہ دور ہو جائے گا اور وہ سہولت سے اپنے دل کی بات کہہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



سکے گی اور ابھی میں سوچ ہی رہی تھی کہ شیرازی کے ممی ڈیڈی آ گئے۔ میرا خیال بلکہ مجھے یقین تھا کہ وہ روشی کے لئے آئے ہیں لیکن"

"یہ روشی کیا کہہ رہی ہے میں بغور اسے دیکھتی ہوں' اسی کی آنکھوں میں کسی جذبے کی کوئی پرچھائیں نہیں۔ بس وہ یہ چاہتی ہے کہ میں ہاں کہہ دوں۔ جیسے میری ایک ذرا سی ہاں پر اس کی زندگی کا دارومدار ہو اور یہ لڑکی میری چھوٹی بہن مجھے اتنی پیاری ہے کہ میں اس پر اپنی سو زندگیاں وار سکتی ہوں مجھے ایک پل کو منصور اور ان سے کئے گئے پیمان یاد آئے تو دل چاہا صاف منع کر دوں۔ مجھے شیرازی سے شادی منظور نہیں لیکن یہ جو انکل آنٹی کی اتنی ڈھیر ساری محبتیں ہیں یہ ایسی تو نہیں ہیں جنہیں میں ایک پل کے لئے بھی نظر انداز کر سکوں اور سب سے بڑھ کر روشی' جانے وہ کیوں چاہتی ہے کہ میں ہاں کہہ دوں' خود اس کے جذبے کیا ہوئے لیکن میں نے یہ سب نہیں سوچا۔ اس لئے کہ میں نے ہمیشہ بنا سوچے سمجھے اس کی بات مانی ہے اور ماننے کے بعد کیا سوچنا۔ پھر بھی اس رات مجھے خیال ضرور آیا کہ آخر روشی نے ایسا کیوں کیا اور پہلی بار مجھے لگا جیسے روشی کو سمجھنے میں میں غلطی کر گئی ہوں وہ وہی ہے جو نظر آتی ہے یعنی میرا ہونا نہ ہونا اس کیلئے برابر ہے لیکن جانے مجھے کیوں یہ یقین رہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ بھی مجھے اتنا ہی چاہتی ہے جتنا میں اسے۔"

میرا خیال تھا محبتیں خوشیوں سے ہمکنار کرتی ہیں' لیکن ابھی ابھی مجھ پر ادراک ہوا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی روگ نہیں' جو زندگی کے ماہ و سال کو دیمک کی طرح چاٹ لیتا ہے"

اس کے بعد محبت کی تعریف میں ایسی ہی باتیں تھیں۔ اس نے ڈائری بند کر کے تکیے کے نیچے رکھی اور دوسرا تکیہ کھینچ کر منہ پر رکھ لیا۔ اب پتا نہیں وہ خود کو کس سے چھپانا چاہتی تھی۔

"میں نے ایسا کیوں کیا؟ اس تمام عرصے میں پہلی بار اس نے خود سے سوال کیا اور شاید جواب میں وہ اپنا محاسبہ کرنے جا رہی تھی کہ ممی کی آواز آنے لگی۔ وہ غالباً صباجی کو ساتھ لے کر آئی تھیں اور ان کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے رشید سے اس کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ وہ جلدی سے کروٹ بدل کر سوتی بن گئی۔ کیونکہ اس وقت وہ کسی طرح بھی صباجی کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔

"روشی" ممی نے اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر پکارا ساتھ ہی صباجی کی آواز آئی۔



"مت اٹھائیں آنٹی! سونے دیں اسے"

"سب جاننے کے باوجود بھی صباجی کو میرا خیال کیوں ہے؟" اس نے سوچا تو آنکھوں میں ڈھیر ساری نمی اتر آئی۔ اور کناروں تک آنے کی دیر تھی کہ جیسے ٹھہرے ہوئے پانی کو راہ مل گئی ہو۔ یونہی روتے روتے ہی وہ سو گئی تھی۔

شام میں صباجی کے اٹھانے پر اس کی آنکھ کھلی تو وہ انہیں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ جس طرح شادی کے بعد وہ چند دنوں میں اتنی موٹی ہو گئی تھیں۔ اسی طرح اب چند دنوں میں پہلے جیسی ہو گئی تھیں۔ دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھامے بیٹھی تھیں اور اسے کیونکہ فوری طور پر خیال نہیں آیا کہ سونے سے پہلے وہ کیا کر رہی تھی۔ اس لئے بے اختیار اٹھ کر ان سے لپٹ گئی۔

"آپ ایسی ہی اچھی لگتی ہیں صباجی، اب گاؤں مت جایئے گا ورنہ پھر موٹی ہو جائیں گی۔"

"بس تم نے کہہ دیا نہیں جاؤں گی۔ یہ بتاؤ تمہارے پیر کیسے ہوئے؟"

"ٹھیک ہو گئے"

"چلو اب اٹھ جاؤ آنٹی چائے پر انتظار کر رہی ہیں۔"

"آپ چلیں' میں آتی ہوں" وہ اٹھ کر واش روم چلی گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر آئینے میں خود پر نظر پڑی تو آنکھوں میں اتری گلابی دیکھتے ہی ڈائری کا خیال آیا اور پھر صباجی کے سامنے آتے ہوئے اسے ایک احساس جرم ہو رہا تھا جیسے صباجی کو ابھی ابھی معلوم ہوا ہو کہ وہ ان کے ساتھ کیا کر گئی ہے۔

"شیرازی نہیں آئے؟" اب شیرازی کے بارے میں پوچھتے ہوئے بھی اسے بڑا عجیب سا لگا۔ حالانکہ ان کے بارے میں اس نے اسی روز سے سوچنا چھوڑ دیا تھا جس روز انہوں نے اس سے صباجی کی بات کی تھی۔ گویا زندگی کے ہر معاملے یا ہر بات میں اس کی وہی سوچ اور انداز تھا کہ جو چیز صباجی کی ہے' بس انہی کی ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے حق سے بھی گویا دستبردار ہو جاتی تھی۔

"شیرازی آفس کے کسی کام سے اسلام آباد گئے ہیں' تین چار روز میں آ جائیں گے" صباجی نے بتایا۔

''آپ بھی ان کے ساتھ چلی جائیں' تو طبیعت بہل جاتی۔''

''وہ بھی یہی کہہ رہے تھے۔''

''پھر کیوں نہیں گئیں؟''

''اس لئے کہ وہ تو آفس کے کام میں مصروف رہتے اور میں اکیلی مزید بور ہو جاتی۔

''یہ تو ہے۔ ویسے اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

''تمہیں دیکھ کر جی اٹھی ہوں' صبا جی کھل کر مسکرائیں تو وہ یونہی انہیں دیکھے گئی۔

''یقین نہیں آ رہا تو آنٹی سے پوچھ لو کہ یہاں آنے سے پہلے میرا کیا حال تھا۔''

''اپنا حال آپ خود خراب رکھتی ہیں۔ خود سے غافل رہ کر اور اب یہ سب نہیں چلے گا۔''

''ہاں شیرازی بھی یہی کہہ رہا تھا'' ممی اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے بولیں۔ یہ اپنا خیال نہیں رکھتی نہ وقت پر کھانا نہ دوا اور ایسی حالت میں اس کے لئے تفریح کتنی ضروری ہے جبکہ یہ کمرے سے باہر ہی نہیں نکلتی۔''

''چلیں ماموں جی کے گھر چلتے ہیں کل یاسر بتا رہا تھا کہ جمعہ کو حنا کی منگنی ہے کیوں ممی ہم ہو آئیں حنا کے پاس؟'' اس نے فوراً پروگرام بنا کر ممی سے پوچھا۔

''ہاں چلی جاؤ''

''لیکن آنٹی''

''بس کوئی بہانا نہیں چلے گا چلیں اٹھیں وہ فوراً کھڑی ہوئی اور صبا جی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے لگی۔

''کپڑے تو بدل لیں۔''

''ٹھیک ہیں کپڑے'' ماموں کے گھر ہی تو جا رہے ہیں'' وہ بھاگ کر اپنا پرس اٹھا لائی اور پھر انہیں کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر تقریباً کھینچتے ہوئے باہر لے آئی۔

''تم میں ذرا صبر نہیں ہے۔ رشید سے کہہ کر رکشہ یہیں منگوا لیتے۔''

''کوئی اتنی دور تک نہیں چلنا پڑیگا سامنے ہی تو مین روڈ ہے بہت رکشے مل جائیں گے۔

''وہ لاپرواہی سے بولی ویسے اس کا مقصد صبا جی کو کچھ پیدل چلانا تھا اور انہیں باتوں میں لگا کہ کافی دور تک پیدل لے آئی جب دیکھا وہ واقعی تھک گئی ہیں تب رکشہ روکا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''زہے نصیب'' یاسر انہیں دیکھتے ہی بولا

''سچ سچ بتاؤ راستہ بھول گئی ہو؟''

''ہاں واقعی جا کہیں اور رہے تھے آ یہاں گئے' وہ بھی چڑانے سے باز نہیں آئی۔

''پھر تو میں تمہاری کوئی خاطر مدارات نہیں کروں گا البتہ صبا جی آپ کو ہم سر آنکھوں پر بٹھائیں گے چاہے آپ راستہ بھول کر آئی ہو۔''

وہ ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر صبا جی کے سامنے ذرا سا جھکا اور دوسرے ہاتھ سے اندر آنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ تو اس نے ایک نظر صبا جی پر ڈالی اور پھر اسے دھکا دے کر پہلے اندر داخل ہو گئی آخر ہر مقام پر اس کے مقابلے میں صبا جی کو اتنی اہمیت کیوں دی جاتی تھی۔

''کس قدر بدتمیز ہو تم؟'' وہ جھنجھلاتا ہوا اس کے پیچھے آیا لیکن وہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے مامی جی سے لپٹ گئی۔

''دیکھ لیں مامی جی آج ہی امتحان ختم ہوئے اور میں آج ہی آ گئی۔

''خوش رہو'' مامی جی نے اس کی پیشانی چومی تو اس کے عقب میں صبا جی پر نظر پڑی تو اشتیاق سے بولیں۔

''ارے صبا بھی آئی ہے'' اسے چھوڑ کر صبا جی کو گلے لگایا تو وہ حنا سے صرف ہاتھ ملا کر وہیں بیٹھ گئی۔

''شادی کے بعد اب تمہیں دیکھا ہے''

''اب بھی میں زبردستی لے کر آئی ہوں۔'' اس نے فوراً جتایا۔

''شیرازی کو بھی لے آتیں''

''وہ یہاں نہیں تھے'' پھر ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگی۔ ماموں جی نظر نہیں آ رہے کیا ابھی تک آفس سے نہیں آئے۔''

''آتے ہی ہوں گے'' مامی جی نے بتاتے ہوئے حنا کو اشارہ کیا تو وہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔ یاسر بھی اس کے پیچھے جانے لگا کہ وہ روک کر بولی۔

''سنو ہمارے لئے کوئی تکلف کرنے کی ضرورت نہیں ہے''

''اللہ رے خوش فہمی'' وہ مزید کچھ کہنے لگا تھا کہ مامی جی ٹوک کر اس سے بولیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''کیوں بیٹی اپنے گھر میں آئی ہو۔آرام سے بیٹھو جلدی مچانے کی ضرورت نہیں ہے اطمینان سے رات کا کھانا کھا کر جانا۔''

''ارے نہیں مامی جی پھر تو بہت دیر ہو جائے گی۔''

''کوئی فکر کی بات نہیں ہے' یاسر چھوڑ آئیگا''

مامی جی کا حتمی انداز تھا وہ خاموش ہو رہی پھر چائے کے دوران ماموں جی بھی آ گئے کچھ دیر ان سے باتیں کرنے کے بعد وہ حنا کے پاس کچن میں آ گئی اور کھانے کی تیاری میں اس کی مدد کرنے لگی۔ساتھ ساتھ اس کی منگنی کے حوالے سے اسے چھیڑتی بھی جا رہی تھی۔پہلے تو حنا چپ چاپ سنتی رہی آخر رہا نہیں گیا ٹوک کر بولی۔

''میری تو ابھی منگنی ہو رہی ہے تم اپنی خیر مناؤ۔جلد شہنائیاں بجنے والی ہیں''

''یہ تم سے کس نے کہا؟'' وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

''رات ایسی ہی باتیں ہو رہی تھیں میرا مطلب ہے۔امی مجھ سے پہلے یاسر بھائی کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔''

''پھر؟'' وہ سمجھی نہیں یا سمجھ کر انجان بنی تو حنا اسے دیکھ کر شرارت سے بولی۔

''پھر یہ کہ یاسر بھائی کی پسند تم ہو۔

''اچھا، وہ خوامخواہ ہنسی۔''

''جناب اور امی بہت جلد اس سلسلے میں تمہارے گھر آنے والی ہیں۔''

''پھر تو انہیں مایوسی ہوگی'' وہ بلا ارادہ کہہ گئی تو حنا چونک گئی۔

''کیا مطلب؟ کیا تم کہیں اور''

'نہیں' میرا فی الحال شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے' میں پہلے ایم اے کروں گی' اس کے بعد''

''یہ تو تم کہہ رہی ہوں ناں۔ہو سکتا ہے پھوپھو جی''

''ممی میری مرضی کے بغیر کچھ نہیں کریں گی'' وہ بہت سنجیدگی سے کہہ کر کچن سے نکل آئی۔صبا جی یقیناً مامی جی کے کمرے میں تھیں۔وہ ادھر جانے کے بجائے سیدھی یاسر کے کمرے میں آ گئی۔وہ اپنا سوٹ کیس کھولے کھڑا تھا۔تب اسے یاد آیا کہ کل وہ لندن جانے کی بات کر رہا



تھا۔

''تمہاری فلائٹ کب ہے؟'' وہ یونہی پوچھ گئی۔صبح پانچ بجے۔کچھ منگوانا ہے؟''

''نہیں۔اب تو باہر کی ساری چیزیں یہیں مل جاتی ہیں۔''

''یہ تو ہے ویسے مجھے یہ پوچھنا چاہئے تھا کہ تمہارے لئے کیا لاؤں۔''

''اور میں یہ ہرگز نہیں کہوں گی کہ میرا تحفہ ہو، تمہی۔لوٹ کے تم آ جانا'' وہ اس کی بات پر پہلے ہنسا پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا۔

''یہ بات کہنے میں کیا بات آڑے آتی ہے۔'' ''پتا نہیں'' وہ بے نیازی سے کہہ کر سوٹ کیس کے پاس رکھی پرفیوم اٹھا کر دیکھنے لگی۔

''جب میں کہتا ہوں کہ تمہیں کس بات کا پتا نہیں تو تم برا مان جاتی ہو۔''

''اس لئے کہ تم غلط کہتے ہو'' وہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر گئی اور پرفیوم کھلے سوٹ کیس میں پھینک کر اس کے کمرے سے نکل آئی۔

پھر کھانے کے فوراً بعد ہی اس نے واپسی کی رٹ لگا دی تو مجبوراً یاسر کو گاڑی نکالنی پڑی۔تمام راستہ ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی اور بے چاری صبا جی مروتاً وقفے وقفے سے یاسر سے کوئی بات کر لیتیں جس کا جواب وہ ہوں ہاں میں دے کر خاموش ہو جاتا۔گھر کے سامنے اُتر کر بھی صبا جی نے اسے اندر آنے کے لئے کہا جبکہ وہ فوراً اندر چلی گئی۔اور وہ بھی دوبارہ آنے کا کہہ کر باہر ہی سے چلا گیا۔

''سمجھ میں نہیں آ رہا۔گئیں تو تم اچھے موڈ میں تھیں اور یہ واپسی میں تمہیں کیا ہوا ہے'' صبا جی اس کے پیچھے آتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''آپ کو پتا ہے میرا دماغ خراب ہوتے دیر نہیں لگتی۔''

لیکن یہ بھی تو پتا چلے کہ بات کیا ہوئی؟ کیا یاسر نے کچھ کہا ہے۔

''پتا نہیں'' وہ اکتا کر بولی اور سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی جبکہ صبا جی لاؤنج میں ممی پاپا کے پاس جا بیٹھی تھیں۔

صبا جی کے لئے اس کے احساسات اب بھی ویسے ہی تھے جیسے وہ کہیں چلی جاتیں تو لگتا کبھی یہاں تھیں ہی نہیں اور آ جاتیں تو جیسے کبھی کہیں گئی ہی نہیں تھیں۔اس لئے اب ان کی آمد پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اسے کوئی خاص فرق نہیں پڑا اور نہ ہی وہ مروتاً ایسی باتیں کرتی تھی کہ صبا جی میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں یا آپ کے آنے سے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ روزمرہ کے معمولات میں بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا بس اتنا تھا کہ کیونکہ ممی نے اسے صبا جی کا خیال رکھنے کو کہا تھا تو وہ کھانے کے وقت اگر ان کا دل نہ بھی چاہ رہا ہوتا تو زبردستی کھینچ لاتی تھی اور دوا وغیرہ بھی باقاعدگی سے دیتی۔

اس وقت بھی وہ سونے سے پہلے دودھ سے بھرا گلاس اور ان کی ٹیبلٹس اور کیپسول وغیرہ لے کر ان کے کمرہ میں آئی تو دیکھا وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔ اس کی آہٹ پر انہوں نے کوئی حرکت نہیں کی۔ بس نظروں کا زاویہ بدل کر اسے دیکھنے لگیں۔

''یہ آپ کی دوا اور دودھ، ضرور پینا ہے'' وہ ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی پھر ان کے پاس آ بیٹھی۔

''کیا سوچ رہی تھیں؟''

''کچھ نہیں بس کل جو مامی جی نے باتیں کیں انہیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔''

''کیسی باتیں؟''

''وہ یاسر کی شادی کی بات کر رہی تھیں اور میرا خیال ہے انہوں نے اشاروں کنایوں میں مجھے یہ بتانا چاہا تھا کہ وہ تمہیں بہو بنائیں گی۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ ہونٹ بھینچ کر اپنے ناخن دیکھنے لگی تو صبا جی اس کے چہرے پر نظریں جما کر یہ جاننے کی کوشش کرنے لگیں کہ آیا وہ بھی ایسا چاہتی ہے یا نہیں۔ اس کا ہونٹ بھینچ لینا اس کی ناگواری ظاہر کر رہا تھا پھر بھی صبا جی اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے بولیں۔

''یاسر اچھا لڑکا ہے اور میرا خیال ہے تمہیں پسند بھی کرتا ہے'' پھر اس سے پوچھنے لگیں کیا کبھی اس نے تم سے اظہار کیا؟'' ''ہاں کئی بار'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''اور تم؟''

''پتا نہیں۔ میرا مطلب ہے میں نے اس کے بارے میں اس انداز سے کبھی نہیں سوچا۔''



''کیوں؟'' صبا جی کے چبھتے ہوئے لہجے پر وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

''کیا مجھے سوچنا چاہئے تھا؟''

''بالکل اس لئے کہ وہ بہت ہینڈسم ہے اور اسکی جاب اتنی اٹریکٹو ہے کہ کوئی بھی لڑکی اسے آئیڈیالائز کر سکتی ہے اور وہ یہ ایک فطری سی بات ہے پھر تمہارا تو وہ نہ صرف قریبی عزیز ہے بلکہ اپنی پسند کا اظہار بھی کر چکا ہے پھر تم کیوں اسے نظر انداز کرتی رہی ہو' وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتی رہی پھر سوچ کر بولی۔

یہ تو دل کے معاملے ہیں صبا جی! اور یہ ضروری تو نہیں ہے کہ حسین نظر آنے والا ہر شخص ہمارے دل کو بھی اچھا لگے۔''

''پھر تمہارے دل کو کون اچھا لگتا ہے؟'' بظاہر مسکرا کر صبا جی نے اس کا محاصرہ کر ہی لیا۔

''ایسا تو کوئی نہیں ہے'' اس نے بھی سوچا' اُن پر اپنی پوزیشن صاف کر دے۔ میرا خیال ہے اب تک تو کوئی اس لحاظ سے دل کو اچھا نہیں لگا۔ آگے کی پتا نہیں۔ ویسے بھی ممی پاپا اور آپ کے ہوتے ہوئے مجھے یہ سب سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔''

اس کا مطلب ہے ہم اگر یاسر کے حق میں فیصلہ کریں تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''اعتراض صرف اتنا ہے کہ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔ پہلے ایم اے کروں گی اگر اتنا عرصہ مامی جی انتظار کر سکتی ہیں تو ٹھیک ورنہ''

فون کی بیل بجنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی اور اس خیال سے کہ شاید ممی پاپا سو چکے ہوں گے۔ تقریباً بھاگتے ہوئے آ کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف شیرازی تھے اور اس کی آواز پر وہ بھی دھوکا کھا گئے۔

''کون صبا؟''

''نہیں میں روشی ہوں'' فوراً ان کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے اچانک اسے منصور کا خیال آیا۔

''اچھا حیرت ہے''

''کس بات پر؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''میں نے کبھی غور ہی نہیں کیا کہ تم دونوں کی آواز ایک جیسی ہے۔ بہرحال صبا کہاں ہے؟

اپنے کمرے میں۔ بلاؤں انہیں''

''نہیں اسے آرام کرنے دو۔ طبعیت تو ٹھیک ہے ناں اس کی۔''

''جی۔ آپ بات کرلیں ان سے''

''نہیں بس تم اس سے کہہ دو کہ یہاں میرا کام کچھ بڑھ گیا ہے۔ اس لئے ہفتہ دس دن لگ جائیں گے۔ قدرے توقف سے بولے۔ اصل میں میں اس سے صرف چار دن کا کہہ کر آیا تھا۔''

''فکر مت کریں۔ وہ یہاں خوش ہیں'' وہ محض انہیں چھیڑنے کی غرض سے بولی اور وہ گہری سانس کے ساتھ کہنے لگے۔

''میں جانتا ہوں وہ صرف میرے ساتھ خوش نہیں ہوتی۔'' اس کے ساتھ ہی انہوں نے سلسلہ منقطع کر دیا تو وہ اپنے مذاق پر پچھتاتے ہوئے دوبارہ صبا جی کے پاس آ بیٹھی اور انہیں بتانے لگی۔

شیرازی کا فون تھا کہہ رہے تھے آپ کو بتا دوں کہ ان کا کام کچھ بڑھ گیا ہے۔ اس لئے ہفتہ دس دن کے بعد آئیں گے۔ صبا جی نے خاموشی سے اس کی بات سنی اور کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ تب وہ انہی کی بات کی آڑ لے کر بولی۔

''ایک بات بتائیں صبا جی! شیرازی بھی تو ہر لحاظ سے اٹریکٹو ہیں پھر آپ ان کے ساتھ خوش کیوں نہیں ہیں؟''

''تم سے کس نے کہا کہ میں خوش نہیں ہوں'' صبا جی کا لہجہ بہت کمزور سا تھا۔

''میں نے خود محسوس کیا ہے اور ابھی شیرازی نے بھی یہ بات کہی ہے''

''شیرازی شاید میری خاموشی کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ خیر اب انہیں یہ شکایت نہیں ہوگی'' صبا جی بات بناتے ہوئے بولیں لیکن ان کے چہرے پر پھیلا نارسائیوں کا دکھ واضح نظر آ رہا تھا جس سے نظریں چرا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ دوا لے لیں'' پھر خود ہی کیپسول ان کی ہتھیلی پر رکھا اور دودھ کا گلاس ان کے



ہونٹوں کے قریب لے آئی۔ انہوں نے خاموشی سے کیپسول نگلا اور دودھ بھی ایک سانس میں پی گئیں۔ پھر پوچھنے لگیں۔

''تم میرا خیال کیوں رکھتی ہو؟''

''آپ کیوں میرا خیال کرتی ہیں؟ وہ بلا ارادہ انہی کی بات دہرا گئی۔

''اس لئے کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ تمہاری ذرا سی تکلیف بھی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔''

ان کے جواب پر وہ خاموش ہو رہی اور پھر اسی خاموشی سے ان کے کمرے کی لائٹ آف کر کے اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

حنا کی منگنی میں گو کہ قریبی عزیزوں کو ہی بلایا گیا تھا پھر بھی کافی مہمان ہو گئے تھے۔ وہ صبح سے آ گئی تھی تا کہ مامی جی کا ہاتھ بٹا سکے۔ تقریب کوئی بھی ہو کام بڑھ ہی جاتے ہیں۔ سارا دن اسے حنا کے پاس بیٹھنے کا موقع ہی نہیں۔ شام میں بھی جب اسے تیار کرنے لگی تب اتنی دیر اس کے پاس کھڑی رہ سکی۔ اس کے بعد خود تیار ہونے چلی گئی۔ آف وائٹ سوٹ پر ٹشو کا دوپٹہ جو شانوں پر ٹھہر ہی نہیں رہا تھا جس سے وہ خاصی جھنجھلائی ہوئی تھی۔ ایک ایک سے سیفٹی پن کا پوچھتے ہوئے جیسے ہی پلٹی دروازے میں یاسر کو کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اتفاق سے وہ بھی آف وائٹ سوٹ میں تھا اور سارا دن کی بے نیازی کے بعد اس وقت کچھ ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ وہ نروس ہو گئی اور فوراً اس کی طرف سے رخ موڑ لیا تو وہ قریب آتے ہوئے بولا۔

''سیفٹی پن تو نہیں یہ بروچ ہے میرے پاس۔ اگر اس سے کام چلا سکو تو'' اس نے کن اکھیوں سے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا۔ بے حد خوبصورت گولڈن بروچ تھا۔ عام حالات میں وہ فوراً جھپٹ سکتی تھی لیکن اس وقت ایک تو اس کا انداز کچھ الگ سا تھا دوسرے وہ اپنی بدلتی کیفیت سے پریشان ہو گئی تھی۔

''لے لو واپس نہیں لوں گا'' وہ خود ہی اس کی ہتھیلی پر بروچ رکھ کر چلا گیا تو وہ اس کی کرنز کی موجودگی کا خیال کر کے بظاہر خاصی لاپرواہی سے اپنا دوپٹہ ٹھیک کرنے میں لگ گئی پھر آئینے میں خود پر سرسری نظر ڈال کر باہر آئی تو ممی کو اکیلے دیکھ کر حیران ہوئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''صبا جی کہاں ہیں؟'' فوراً ان کے پاس آ کر وہ پوچھنے لگی۔

''وہ نہیں آئی'' اسے جواب دے کر وہ مامی جی اور ان کے ساتھ کھڑی خواتین سے ملنے لگیں تو وہ بے صبری سے اس مرحلے کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ ممی جس کی طرف بڑھتیں وہ بھی قدم بڑھا کر ان کے ساتھ ہو جاتی اور جیسے ہی وہ فارغ ہوئیں ان کے سامنے آ گئی۔

''کیوں نہیں آئیں صبا جی''

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی''

''صبح تو ٹھیک تھیں''

''ہاں لیکن وہ زیادہ لوگوں میں گھبرا جاتی ہے''

''پھر بھی ممی آپ انہیں لے آتیں اکیلے میں وہ اور زیادہ گھبرائیں گی۔''

میں نے کہا تھا لیکن وہ نہیں مانی خیر ہم بھی زیادہ دیر نہیں رکھیں گے۔ ممی عجلت میں اپنی بات ختم کر کے دوسری طرف چلی گئیں تو وہ کچھ بددل سی ہو کر وہیں بیٹھ گئی۔

مہمانوں کی آمد کا سلسلہ ختم ہوا تو فوراً ہی منگنی کی رسم ادا کر دی گئی۔ اس کے بعد کھانا اور جیسے زیادہ تر لوگ اسی لئے ہی آئے تھے کھانا کھاتے ہی رخصت ہونے لگے۔ اور جب اس کے جانے کی باری آئی تو مامی جی نے روک لیا۔ ممی نے بھی اتنا پھیلاوا دیکھ کر اس سے یہی کہا کہ جب تم مامی کا ہاتھ بٹانے آئی ہو تو رک جاؤ کل آ جانا۔ یوں رکنا پڑا پھر جب صرف گھر کے افراد رہ گئے تب حنا بھی اس کے ساتھ مل گئی اور دونوں پھیلی ہوئی چیزیں سمیٹنے لگیں جبکہ یاسر ڈیکوریشن والے کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ اس سے سارا سامان اٹھوا کر جب وہ اندر آیا تو وہ دونوں برتن دھونے میں لگی ہوئی تھیں۔

ابھی تمہارا کام ختم نہیں ہوا؟ وہ تھکے تھکے انداز میں سٹول کھینچ کر بیٹھ گیا۔

بس یہ تھوڑے سے برتن رہ گئے ہیں۔

''تو ایسا کرو ایک آدمی برتن دھوئے اور دوسرا چائے بنائے۔''

اس نے بغیر کسی تردد کے کیتلی میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھ دیا اور دوبارہ حنا کے ساتھ مصروف ہو کر اس سے بولی۔

چولہا جلا دو۔



اس کے بعد کہو گی پتی ڈال دو وہ شاید اٹھنا نہیں چاہتا تھا۔

''تو یہ کون سا مشکل کام ہے''

''میرے لئے مشکل ہے میں پتی بن سکتا ہوں لیکن پتی ڈال نہیں سکتا۔''

اس کی بات پر حنا زور سے ہنسی جبکہ وہ جل کر بولی۔

''پتی (شوہر) بننا بھی آسان نہیں ہے اس کے لئے بھی پہلے پتی ڈالنا سیکھنا پڑتا ہے''

''واقعی یہ مجھے معلوم نہیں تھا خیر ابھی تو'' وہ اٹھا ہی تھا کہ اس سے پہلے وہ ماچس اٹھا کر چولہا جلانے لگی۔

''پتی میں ڈالوں گا۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم اندر جاؤ۔ چائے تمہیں وہیں مل جائے گی۔''

''کیوں میرے یہاں بیٹھنے سے تمہارا کیا جاتا ہے؟ وہ خاموش رہی تو وہ کچھ دیر رک کر اندر چلا گیا۔

صبح ناشتے کے بعد وہ گھر جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ حنا نے بہت کہا کہ شام میں چلی جانا لیکن وہ نہیں مانی۔ اسے صبا جی کا خیال تھا اور مامی جی سے بھی اس نے یہی کہا کہ اچھا نہیں لگتا۔ صبا جی آئی ہوئی ہیں۔ اور وہ یہاں بیٹھ جائے۔ جلدی سے بیگ میں اپنی چیزیں رکھ کر باہر آئی تو وہ گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور دوسری طرف کا دروازہ کھولنے لگا۔

کبھی کبھی تم بہت زیادہ غیرت نہیں برت جاتیں۔ اس کے بیٹھتے ہی وہ بولا۔

''سنو میرا اس وقت کسی بھی بات پر بحث کرنے کا کوئی موڈ نہیں ہے لہٰذا چپ چاپ گاڑی چلاؤ ورنہ میں رکشہ لے لیتی ہوں۔

یہ دھمکی کسی اور کو دینا اس نے سپیڈ سے گاڑی بڑھائی اور پھر اس کے گھر کے سامنے جا کر ہی روکی تو کہنے لگا۔

ایک بات بتاتی جاؤ۔

''کیا؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''حنا بتا رہی تھی کہ تم ایم اے کرنا چاہتی ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''ہاں تمہیں اعتراض ہے کیا''

''میرے اعتراض کی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت ہوگی؟ وہ الٹا اس سے پوچھنے لگا تو وہ کچھ دیر تک پرسوچ انداز میں اس کی طرف دیکھتی رہی پھر جیسے خود سے الجھ کر بولی۔

''پتا نہیں''

''پتا نہیں'' اس نے تاسف سے دہرایا پھر اسے دیکھ کر بولا میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ کسی دن ایمانداری سے اپنے اندر جھانک کر سوچو کہ آخر تم چاہتی کیا ہو۔''

''تمہیں بہرحال نہیں چاہتی وہ روٹھے لہجے میں کہہ کر نیچے اتر آئی اور چکر کاٹ کر اندر جانے لگی کہ وہ پکار کر بولا۔

''سنو صبا جی سے کہنا جہاں انہوں نے تمہیں اتنا کچھ سکھایا ہے تھوڑی محبت کرنا بھی سکھا دیں۔''

اس کے ساتھ ہی گاڑی بڑھا لے گیا تو وہ کچھ سوچ کر ذرا سا مسکرائی اور پھر اندر چلی آئی۔ صبا جی برآمدے ہی میں بیٹھی تھیں۔ وہ بھی بیگ پھینک کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

کتنی بری بات ہے تم یاسر کو اندر آنے کے لئے نہیں کہتیں۔ صبا جی نے فوراً اسے سرزنش کی۔

کیا کروں وہ باتیں ہی ایسی کرتا ہے کہ میرا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔

''اب کیا کیا ہے اس نے؟''

''کہہ رہا تھا آپ سے محبت کرنا سیکھ لوں۔ بھلا بتایئے محبت کرنا بھی کہیں سیکھا جاتا ہے۔ یہ تو وہ جذبہ ہے جو دل کے بیابانوں میں آپ ہی آپ چشمے کی مانند پھوٹتا ہے اور پھر روح کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔

''روشی!'' صبا جی حیرت کی وسعتوں میں محو پرواز تھیں اور وہ اپنی بات کہہ کر چلی بھی گئی۔ کافی دیر بعد وہ انہیں تلاش کرتے ہوئے دوبارہ اس طرف آئی تو انہیں اسی جگہ اسی حالت میں بیٹھے دیکھ کر حیران ہونے کے ساتھ پریشان بھی ہوگئی۔

''صبا جی آپ اس وقت سے یہیں بیٹھی ہیں'' یہ حیرت کا اظہار تھا اور پھر تشویش'' آپ کی طبعیت تو ٹھیک ہے ناں؟ آیئے اندر چلیں۔ دیکھیں تو یہاں کتنی دھوپ آ گئی ہے''



''ہاں!'' انہوں نے دھوپ کی شدت کو اب محسوس کیا اور اس کے ساتھ اندر چلی آئیں۔

''آپ اپنے ساتھ خود ظلم کر رہی ہیں'' وہ انہیں لٹا کر پنکھے کا بٹن آن کرتے ہوئے بولی۔ ''بھلا یہ کوئی موسم ہے دھوپ میں بیٹھنے کا۔ آخر آپ اتنی بے حس کیوں ہوگئی ہیں۔''

میں بے حس ہوگئی ہوں انہیں اپنے بارے میں اس بات پر تعجب ہوا۔

''اور کیا ذرا بھی اپنا خیال نہیں رکھتیں۔''

''خیال نہ رکھنا اور بات ہے اور بے حسی اور بات''

''بس فلسفہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اوٹ پٹانگ سوچوں سے اپنے ذہن کو متاثر کریں۔ یہ دیکھیے بہت اچھی کتاب ہے۔ آپ جب تک اس کا مطالعہ کریں میں کچن سے نمٹ لوں۔ وہ کتاب ان کے ہاتھ میں تھما کر جانے لگی کہ انہوں نے پکار لیا۔

''سنو روشی!''

''جی!'' وہ رک کر دیکھنے لگی۔

''تمہارے نزدیک محبت کیا ہے!''

''محبت!'' اس نے جیسے شدت سے اس جذبے کو محسوس کیا اور کھو سی گئی۔ رگ و پے میں اتر جانے والا وہ احساس جو من و تو کا فرق مٹا دے۔ میں میں نہ رہوں تو ہو جاؤ اور تو تو نہ رہے۔ میں ہو جاؤں۔''

''تمہیں کبھی ایسے کسی احساس نے چھوا'' صبا جی۔ حیران ہوئیں۔

میں ایسے ہی احساس کے ساتھ زندہ ہوں صبا جی کبھی کبھی تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرے اندر کسی اور کی روح سما گئی ہو۔''

''کون ہے؟'' انہوں نے قدرے سہم کر پوچھا۔ ''کون؟'' وہ بری طرح چونکی اور اپنے اطراف یوں دیکھنے لگی جیسے پتا نہیں کہاں آ گئی ہو۔ پھر صبا جی کو دیکھ کر گہری سانس لینے کے بعد کچھ کہنا چاہتی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر شیرازی اندر آ گئے۔

''اسلام علیکم''

''وسلام'' اس کی مسکراہٹ بھرپور تھی۔ کب آئے؟'' ابھی سیدھا یہیں آ رہا ہوں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اسے ب دے کر صبا جی کی طرف متوجہ ہو گئے تم کیسی ہو صبا؟"

"ٹھیک ہوں"

"لیکن مجھے تو کافی کمزوری لگ رہی ہو۔"

اس کے بعد کہیں گے کہ ہم نے خیال نہیں رکھا"

"تم ابھی تک یہیں ہو۔"

"جا رہی ہوں" وہ ہنستے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔

☆☆☆

اس کا رزلٹ آیا تو اس نے ایم اے میں ایڈمیشن لے لیا گو کہ ممی بہت مخالف تھیں کیونکہ وہ اس کی شادی کرنا چاہتی تھیں لیکن اس نے پاپا کی حمایت حاصل کر لی تھی۔ پھر ممی اس سے وہ یوں نہیں الجھ سکیں کہ ان دنوں ان کی ساری توجہ صبا جی کی طرف تھی۔ جن کی ڈیلیوری میں کچھ ہی رہ گیا تھا۔ اور وہ اتنی کمزور ہو گئی تھیں کہ ڈاکٹر بھی انہیں دیکھ کر تشویش کا اظہار کر جاتی تھی اس وقت بھی ممی بہت فکر مندی بیٹھی تھیں کہ وہ ان سے کہنے لگی۔

"ممی آپ صبا جی کو یہیں لے آئیں ناں"

کیا کروں میں تو بار بار اس سے کہتی ہوں لیکن وہ آنے پر تیار ہی نہیں ہوتی۔

"کیوں کیا شیرازی منع کرتے ہیں"

"نہیں شیرازی تو خود کئی بار مجھ سے کہہ چکا ہے کہ یہ اپنا خیال نہیں رکھتیں۔ اسے اپنے پاس بلا جائیں۔

"خیال تو وہ واقعی اپنا نہیں رکھتیں"

"پتا نہیں اسے کیا ہو گیا ہے ایسی تھی تو نہیں بلکہ مجھے تو اس کی طرف سے اطمینان ہی اطمینان تھا کہ جس گھر میں جائے گی اسے جنت بنا دے گی ممی ان کی حالت پر کڑھتی ہوئے بولیں یہ نہیں ہے کہ ہم نے اس کی مرضی کے خلاف کچھ کہا ہو پھر پتا نہیں کس بات کا روگ لگا لیا ہے اس نے۔

"روگ" اس کا ذہن بھٹکنے لگا۔ میں سمجھتی تھی محبت خوشیوں سے ہمکنار کرتی ہے لیکن اس سے کر کوئی روگ نہیں"



"میں جاؤں صبا جی کے پاس؟" وہ احساس جرم میں گھر کر پوچھنے لگی۔

"ہاں" صبح وہ کہہ بھی رہی تھی کہ تمہیں بھیج دوں لیکن اس وقت کیسے جاؤ گی؟"

"میرا خیال ہے یاسر آ رہا ہے اس سے کہتی ہوں وہ چھوڑ آئے گا۔" وہ گلاس ڈور سے سے یاسر کو آتے دیکھ کر بولی اور جیسے ہی وہ اندر آیا اس سے کہنے لگی۔

"سنو" مجھے صبا جی کے گھر چھوڑ آؤ گے؟ وہ جواب دینے کے بجائے ممی کی طرف دیکھنے لگا تو انہیں کہنا پڑا۔

"پہلے بیٹھنے تو دو اسے آتے ہی جانے کی بات کرنے لگیں۔"

"بیٹھ جاؤ' میں جب تک چینج کر کے آتی ہوں" وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ جلدی جلدی کرتے بھی پندرہ منٹ لگ گئے۔ واپس آئی تو غالباً ممی اسے صورت حال بتا چکی تھیں۔ جبھی اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

"اچھا ممی رات میں' میں صبا جی کے پاس رہوں گی اور کوشش کروں گی کل انہیں اپنے ساتھ لے آؤں"

اس نے کھڑے کھڑے اپنا پروگرام بتایا اور پھر اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

خاموش کیوں ہو۔ کوئی بات کرو" راستے میں وہ اس کی مسلسل خاموشی سے تنگ آ کر بولی۔

"اب کیا بات کروں"

"کیا مطلب"

"یار میں راستے بھر یہ دعا کرتا آیا تھا کہ مجھے دیکھتے ہی تم مجھ سے کہیں چلنے کی فرمائش کرو اور میں تمہیں ساحل پر لے جاؤں گا" وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"آدھی دعا تو پوری ہو گئی"

"اور باقی آدھی"

"باقی آدھی کے لئے سمجھ لو کہ تمہاری طرف آنے والی کوئی مصیبت ٹل گئی" وہ اس کی جھنجھلاہٹ سے محظوظ ہو کر بڑے آرام سے بولی۔

"مجھے لگتا ہے روشی کسی دن میں بڑے پیار سے تمہارا گلا دبا دوں گا"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''پیار سے کیوں؟''

'تا کہ تمہیں تکلیف نہ ہو' وہ پھر زور سے ہنسی اور صباجی کا گھر دیکھ کر چلائی۔''

''ارے ارے آگے کہاں جا رہے ہو۔ بس یہیں روک دو''

''جاؤ خدا حافظ' وہ گاڑی روک کر بولا۔

''اندر نہیں چلو گے؟''

''اس وقت نہیں پھر کبھی آؤں گا''

''تمہاری مرضی' وہ نیچے اتر آئی اور اس کے جانے کے بعد گیٹ کھلا ہونے کے باوجود بیل بجاتے ہوئے اندر آئی تو شیرازی آتے ہوئے نظر آئے غالباً وہ بیل کی آواز سن کر آ رہے تھے۔

''بیل تم نے بجائی تھی؟'' اسے دیکھ کر وہ پوچھنے لگے۔

''جی کہاں ہیں صباجی؟''

''اندر چلی جاؤ''

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''کہیں دور نہیں جا رہا بس ابھی آتا ہوں'' وہ باہر نکل گئے تب وہ اندر صباجی کے پاس آ گئی۔ انہیں دیکھ کر اسے شدید دھچکا لگا وہ بیڈ پر بالکل سیدھی لیٹی تھیں۔ چھت پر مرکوز آنکھوں میں دشت کی سی ویرانیاں تھیں۔

''صباجی!'' اس نے بہت دھیرے سے پکارا اور اسی طرح انہوں نے بنا حرکت کیے چھت پر سے نظریں ہٹا کر اس پر جما دیں۔

''یہ آپ نے اپنا کیا حال کر لیا ہے؟'' وہ ان کے پاس بیٹھی اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ کیا آپ کو ہمارا خیال بھی نہیں ہے۔ ممی پاپا میں ہم سب آپ کے لئے کتنے پریشان ہیں اور شیرازی' انہیں آپ کس بات کی سزا دے رہی ہیں؟''

''میں کسی کو کیا سزا دوں گا میں تو خود سزا کاٹ رہی ہوں'' وہ انتہائی دکھ سے بولیں کہ اس کا دل رو پڑا۔

''کس بات کی؟''



''یہ سارے دکھ یہ ساری سزائیں محبتوں کی بخشی ہوئی ہیں'' وہ بہت دھیمی آواز میں کہنے لگیں' اب میں تمہیں کیا بتاؤں روشی' میں تو خود نہیں جانتی کہ میں کس محبت کی سزا کاٹ رہی ہوں۔

اس محبت کی جو مجھے تم سے ہے یا اس محبت کی جو میں تمہاری طرف سے چاہتی تھی اور تمہیں مجھ سے کبھی نہیں ہوئی۔

انکل اور آنٹی کی بے غرض و بے لوث محبت یا پھر اس محبت کی جو مجھے منصور سے ہے اور منصور کو مجھ سے ہوئی۔ لیکن ابھی ہم اتنی دور نہیں نکلے تھے کہ واپسی ممکن نہ ہوتی۔

میرا خیال ہے روشی! یہ اس محبت کی سزا ہے جو تمہیں شیرازی سے ہوئی اور شیرازی کو مجھ سے''

''نہیں صباجی! وہ جھٹلانا چاہتی تھی کہ وہ ٹوک کر بولیں۔

''مجھے کہنے دو روشی کہ تم ہمیشہ کی طرح یہ سوچ کر دستبردار ہو گئیں کہ جو چیز صباجی کی ہے وہ بس صباجی کی ہے اور تمہاری یہی ادا مجھے مار گئی۔ میں نے شیرازی کے ساتھ خوش رہنا بھی چاہا تو نہیں رہ سکی۔ کیونکہ مجھے ہر پل تمہارا خیال رہا۔ مجھے بتاؤ روشی جب تمہیں مجھ سے محبت نہیں میرا ہونا نہ ہونا بھی تمہارے لئے برابر ہے تم پھر تم نے میرے لئے۔''

''بس کریں صباجی وہ رو پڑی۔ آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ مجھے آپ سے کبھی محبت نہیں ہوئی۔ میرے اندر رہ کر بھی آپ نے میری محبت کو نہیں پایا، کیوں، جوابدیں مجھے''

''وہ انہیں جھنجھوڑنا چاہتی تھی لیکن ان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی پریشان ہو گئی۔ جانے کہاں درد اٹھا تھا کہ ان کا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا تھا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے وہ شاید ضبط کی کوشش کر رہی تھی۔

صباجی اس نے آواز دی پھر شیرازی کو پکارتے ہوئے کمرے سے نکلی تو وہ گیٹ کے پاس کھڑے نظر آئے۔

''شیرازی'' وہ اتنی دور سے چیخی کہ وہ گھبرا کر بھاگے آئے اور سامنے سے اسے دھکا دے کر اندر جھانکا اور صباجی کی حالت دیکھتے ہی واپس پلٹتے ہوئے بولے۔

''تم انہیں لے کر آؤ۔ میں گاڑی نکالتا ہوں۔ وہ بڑی مشکل سے انہیں گاڑی تک لائی شیرازی نے انہیں پچھلی سیٹ پر لٹا دیا اور اس سے کہنے لگے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"تم تو اپنے آپ کو سنبھالو کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں ہے"

"صبا جی" وہ ان کے برابر بیٹھی اور بار بار پیچھے مڑ کر انہیں پکارتی رہی اور شیرازی نے سیدھا ہاسپٹل جانے کے بجائے پہلے اسے گھر پر اتارا اور ممی کو ساتھ لے کر چلے گئے اور وہ سمجھ تو رہی تھی پھر بھی بہت پریشان تھی مسلسل صبا جی کے لئے دعائیں مانگتے ہوئے کسی وقت اسے نئے مہمان کی آمد کا خیال آتا تو کچھ دیر کے لئے پتا نہیں کیا ہوگا سوچتے ہوئے اس کا دھیان بٹ جاتا۔ وہ اس وقت خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی تھی کمرے سے نکل کر آئی تو پاپا کو لاؤنج میں ٹہلتے ہوئے دیکھا اور ان کے قریب پہنچی ہی تھی کہ فون کی بیل پر انہوں نے تقریباً بھاگ کر ریسیور اٹھا لیا وہ بہت خاموشی سے ان پر نظریں جمائے کھڑی تھی اور شاید منتظر بھی تھی کہ ابھی وہ اسے کوئی خوشخبری سنائیں گے اور وہ بہت نڈھال سے اس کے پاس آئے تو اس کا چہرا ہاتھوں میں تھام کر بولے۔

"صبا ہمیں بیٹی کا تحفہ دے گئی ہے"

"صبا جی" اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی اور ایک پل میں ان کے کئی روپ اس کی نگاہوں میں آ سمائے۔

وہ وہاں کھڑی تھیں وہ یہاں بیٹھی تھیں وہ کچن میں آ رہی تھیں وہ اس کے بال سنوار رہی تھیں اس کی الماری کے پاس اس کی کتابوں کا ریک سنوارتے ہوئے وہ کہاں نہیں تھیں۔ ہر جگہ تھیں ہمیشہ ان کے جانے پر اسے یوں لگا تھا جیسے وہ کبھی یہاں تھیں ہی نہیں اور اب اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا کہ ابھی یہاں سے گئی ہیں دوبارہ کبھی نہ آنے کے لئے۔

"پاپا" پاپا کو تیزی سے باہر کی طرف جاتے دیکھ کر اس نے چیخ کر پکارا اور ان کے آنے سے پہلے ہی زمین بوس ہو چکی تھی۔

☆☆☆

یہ سانحہ بھلایا جانے والا نہیں تھا لیکن وقت بڑا مرہم ہے۔ ممی پاپا کو وہ روشی ہی کی طرح پیاری تھیں پھر بھی وہ کافی حد تک سنبھل چکے تھے اور جس کے بارے میں سب کا کہنا تھا کہ وہ بہت لاپرواہی ہے اور کسی بات کا اثر نہیں لیتی تو مہینہ بھر گزرنے کے بعد بھی اسکی حالت دیوانوں جیسی تھی۔ اس کی ہر بات صبا جی سے شروع ہو کر انہی پر ختم ہوتی۔ جیسے اس کے پاس کرنے کو اور کوئی



بات تھی ہی نہیں۔ کسی کسی وقت ممی کو واقعی حیرت ہوتی کہ صبا جی کی غیر موجودگی میں اس نے کبھی خود سے ان کا ذکر نہیں چھیڑا تھا پھر اب وہ کیسے ان کی کمی اتنی شدت سے محسوس کرنے لگی تھی۔ ممی کسی کام کو کہتیں تو صاف منع کرتے ہوئے کہتی کہ یہ تو صبا جی کرتی تھیں مجھے نہیں آتا۔ یہاں تک کہ خود اپنے کام بھی اس سے نہیں ہوتے تھے۔ بال بناتے ہوئے وہ کئی بار برش پٹختی تھی۔ الماری ٹھیک کرنے کھڑی ہوتی تو پہلے سارے کپڑے باہر آتے اور پھر تہ کئے بغیر سب کو اندر ٹھونس دیتی۔ اس روز ممی نے ٹوک دیا۔

"یہ تمہارے کمرے کی کیا حالت ہو رہی ہے ٹھیک نہیں کر سکتیں؟ وہ روہانسی ہو گئی۔

"میں کوشش کرتی ہوں ممی لیکن مجھ سے نہیں ہوتا"

"کیوں"

اس لئے کہ یہ سب تو صبا جی کرتی تھیں"

"بیٹا" ممی اسے پاس بٹھا کر سمجھانے لگیں تمہاری صبا جی سال بھر پہلے ہی اس گھر سے رخصت ہو گئی تھیں۔ تب یہ سارے کام تم ود کرتی تھیں یا نہیں۔"

"میں! وہ حیران ہو گئی۔" نہیں تو ممی۔ مجھے تو اپنی کسی چیز کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔ پتا نہیں صبا جی کہاں رکھ گئی ہیں۔"

ممی کو اس کے جواب پر حیرت ہوئی اور تشویش بھی۔ انہوں نے پاپا سے کہا اور ان کی سمجھ میں یہی آیا کہ اس صدمے سے بری طرح متاثر ہے۔ اس لئے اس کا دھیان بٹانے کی خاطر ممی پاپا اسے دادا کے پاس گاؤں چھوڑ آئے۔ ان کا خیال تھا وہ اس تبدیلی سے کافی حد تک سنبھل جائے گی۔ لیکن یہاں آ کر اس کی وہی باتیں تھیں۔ دادی کے پاس بیٹھتی تو شدت سے ان دنوں کو یاد کرتی جب وہ اور صبا جی چھٹیاں گزارنے یہاں آتی تھیں۔ پھر ایکدم رونے لگتی۔ دادی! مجھے صبا جی کے بنا کچھ اچھا نہیں لگتا وہ کیوں چلی گئیں۔ دادی کی آنکھیں بھی چھلک پڑتیں۔

اپنی ماں کی طرح وہ بھی اتنی ہی عمر لائی تھی۔ اس کی ماں بھی اسے جنم دے کر انتقال کر گئی تھی اور صبا بھی بیٹی کی پیدائش پر۔

"بیٹی" اس تمام عرصے میں پہلی بار اسے ان کی بیٹی کا خیال آیا تو خود پر حیرت ہوئی کہ اسے دیکھا ہی نہیں تھا اور کہاں تھی وہ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''صبا جی کی بیٹی کہاں ہے؟ کس کے پاس ہے'' وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر دادی سے پوچھنے لگی۔

''ظاہر ہے اپنے باپ کے پاس ہوگی'' غالباً جنریشن گیپ کی بنا پر دادی کا انداز سرسری سا تھا جبکہ وہ بے چین ہوگئی۔

''دادی میں گھر جاؤں گی''

اس نے اسی وقت سے رٹ لگا دی۔ پھر لاکھ سب نے روکا لیکن وہ مزید رکنے پر تیار نہیں ہوئی۔ یہ انتظار بھی نہیں کیا کہ پاپا آ کر اسے لے جائیں گے۔ جیسا کہ وہ کہہ کر گئے تھے اور اس کی ضد سے مجبور ہو کر دادا نے پھوپھو کے بیٹے باسط کے ساتھ اسے بھیج دیا۔

ممی اسے دیکھ کر حیران ضرور ہوئیں لیکن اظہار نہیں کیا کہنے لگیں۔

اچھا ہوا تم آ گئیں۔ میں آج ہی تمہارے پاپا سے کہہ رہی تھی کہ تمہیں لے آئیں۔

''ہاں ممی صبا جی کے ساتھ جاتی تھی تو اچھا لگتا تھا۔ اب تو بالکل اچھا نہیں لگا۔''

''اتنے لمبے سفر سے آئی ہو نہا کر فریش ہو جاؤ۔ ممی نے قصداً صبا جی کے ذکر سے گریز کیا تو وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور اسی وقت الماری سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں گھس گئی۔

نہانے سے سفر کی تھکان کسی حد تک کم ہوگئی۔ ساتھ ہی نیند بھی آنے لگی تو اس نے چائے کا انتظار بھی نہیں کیا اور سو گئی۔ کچھ دیر بعد ممی چائے کے لئے بلانے آئیں تو وہ بے خبر سو رہی تھی۔ انہوں نے قریب بالوں کو ہٹا کر پیشانی کو چوما اور اسی طرح بے آواز قدموں سے چلی گئیں۔

شام میں وہ خود ہی اٹھ کر آئی۔ پاپا آفس سے آ چکے تھے۔ وہ ان کے پاس آ بیٹھی۔ باسط بھی وہیں موجود تھے اور پاپا سے واپس جانے کی بات کر رہے تھے۔ وہ اس دوران کچھ نہیں بولی۔ جب ممی آئیں تو انہیں دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

''ممی صبا جی کی بیٹی کہاں ہے؟''

''شیرازی کے پاس'' پھر پاپا سے کہنے لگیں'' صبح شیرازی آیا تھا گڑیا کی طرف سے بہت پریشان ہے۔ کوئی ڈھنگ کی ملازمہ نہیں مل رہی جو بچی کی دیکھ بھال کر سکے۔''

''شیرازی اسے یہاں کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ آپ نے ان سے کہا نہیں؟'' وہ پوچھنے



لگی۔

''نہیں ابھی میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔''

''کیوں؟''

اس لئے کہ اس کے والدین بھی بچی کو لے جانا چاہتے ہیں لیکن اس نے نہیں دی۔ اگر میں کہتی تو ہو سکتا ہے مجھے بھی منع کر دیتا۔'' ممی نے بتایا تو وہ کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر پوچھنے لگی۔

''میں بچی کو دیکھ آؤں؟''

''اس وقت؟''

'ہاں میں ابھی اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔ پاپا آپ چلیں۔ اچھا ایسا کریں مجھے گاڑی کی چابی دے دیں۔ میں خود ہی چلی جاتی ہوں' پاپا ممی کی طرف دیکھنے لگے تو وہ عاجزی سے بولی۔

''پلیز منع مت کریں۔ میں جلدی آ جاؤں گی۔''

''جلدی کی بات نہیں ہے بیٹا۔ میں دیکھ رہا ہوں تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔''

''میں بالکل ٹھیک ہوں'' اس نے یقین دلایا اور پھر ان سے چابی لے کر باہر نکل آئی۔

مسلسل بیل بجاتے ہوئے اسے یاد آیا۔ پہلی بار جب وہ یہاں آئی تھی تو اسی طرح اتنی دیر تک بیل بجاتی رہی تھی۔ اس کے بعد صبا جی جس حلئے میں سامنے آئی تھیں۔ اس سے اسے شدید شاک لگا تھا اور وہ اب ان کا وہ حلیہ یاد کر کے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ جنہیں دوپٹے کے پلو میں جذب کر رہی تھی کہ شیرازی گیٹ کھول کر دیکھنے لگے۔

تم ہو روشی۔ آئی ایم سوری میں گڑیا کو فیڈ ردے رہا تھا اس لئے فوراً دروازہ نہیں کھول سکا۔ آؤ اندر آؤ۔''

وہ خاموشی سے ان کے پیچھے چلی آئی اور اندر آ کر کاٹ کے پاس کھڑی ہو کر ایک ٹک ننھی گڑیا کو دیکھے گئی۔ پتا نہیں وہ کس کی طرح تھی لیکن اسے اس میں اپنا آپ نظر آ رہا تھا اور یہی بات شیرازی کہنے لگے۔

''صبا تمہیں اپنی محبت کا ثبوت دے گئی ہے''

''جی'' وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"تمہیں شاید اندازہ نہیں روشی کہ وہ تمہیں کتنا چاہتی تھی۔ دیکھ لو اس بچی کو اس کی آنکھیں اس کی ناک اس کے ہونٹ ہر شے تم سے مشابہ ہے۔ آخر تم کس طرح اس کے دل و دماغ میں روح میں بس گئی تھیں۔

جس طرح انہوں نے میرے اندر سما کر من و تو کا فرق مٹا دیا کہ میں میں نہیں رہتی تھی صباجی ہو جاتی تھی۔

"واقعی" انہوں نے برملا حیرت کا اظہار کیا۔ لیکن بظاہر تو تم بہت لاتعلق سی نظر آتی ہو جیسے اس کا ہونا نہ ہونا تمہارے لئے برابر ہو۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ کاٹ میں سے بچی کو اٹھا کر سینے میں بھینچ لیا اور پھر بیڈ پر آ بیٹھی اور اسے گود میں الٹا کر دیکھنے لگی۔

"چائے پیو گی؟ وہ پوچھنے لگے۔

نہیں میں گڑیا کو دیکھنے آئی ہوں اور ہاں ممی بتا رہی تھیں اس کے لئے کسی آیا کا انتظام نہیں ہوا آپ کو پرابلم ہوتی ہو گی۔"

"پرابلم ہوتی تو ہے لیکن" انہوں نے یونہی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اگر آپ اجازت دیں تو اسے میں اپنے ساتھ لے جاؤں۔"

"نہیں روشی!" وہ فوراً بولے اسے دیکھ کر ہی تو خود اپنے زندہ ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ ورنہ تو کچھ رہا ہی نہیں۔ جینے کی امنگ تک تو صبا اپنے ساتھ لے گئی ہے۔ قدرے توقف کے بعد کہنے لگے۔

"پتا نہیں وہ اتنی کٹھور کیوں تھی کہ ایک پل کو بھی میرا خیال نہیں آیا۔ اس کے بغیر کیسے زندہ رہوں گا اور ستم دیکھو کہ بچی میری جھولی میں ڈال کر مجھے زندہ رہنے پر مجبور بھی کر گئی ہے"

"صباجی کٹھور نہیں تھیں" وہ آہستہ سے بولی۔

"پھر کیوں اس نے میری محبتوں کو قبول نہیں کیا۔ کیوں میرے ساتھ خوش نہیں رہی۔" وہ تیز لہجے میں کہتے ہوئے اچانک خاموش ہو گئے۔ جیسے احساس ہو گیا ہو پھر دھیمی آواز میں بولے۔

"شاید میرے ہی جذبوں میں کمی تھی ورنہ میں نے بارہا محسوس کیا کہ وہ خوش رہنا چاہتی ہے لیکن اچانک کوئی احساس اس کے ہونٹوں تک آئی مسکراہٹ کو اس بے دردی سے نوچتا کہ وہ خود پریشان ہو جاتی تھی اور اب میں سوچتا ہوں تو لگتا ہے جیسے اس کا ذمے دار بھی میں ہی ہوں۔



مجھے اسے خوش رکھنا آیا ہی نہیں"

"یہ بات نہیں ہے" وہ بے اختیار کہہ گئی تو وہ اسے دیکھنے لگے۔

"پھر کیا بات ہے"

"میرا مطلب ہے وہ آپ کے ساتھ خوش تھیں بس یہ ان کی عادت تھی کہ وہ خوشی کا اظہار کم ہی کرتی تھیں۔ پھر فوراً گھڑی دیکھ کر بولی۔

"کافی دیر ہو گئی ہے مجھے چلنا چاہئے۔"

"میں چھوڑ آؤں؟" وہ پوچھنے لگے۔

"نہیں میں پاپا سے گاڑی لے کر آئی تھی اس نے بچی کو کاٹ میں لٹایا اور انہیں خدا حافظ کہہ کر آنے لگی کہ وہ روک کر بولے۔

"سنو۔ بس یہ ہے کہ میں بچی کو خود سے جدا نہیں کر سکتا تم پلیز خیال مت کرنا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ صبح آفس جاتے ہوئے میں اسے تمہارے پاس چھوڑ دوں اور واپسی میں لیتا آؤں۔"

"میں بھی یہی چاہ رہی تھی۔"

"اب میں جاؤں؟"

"ہاں!" وہ ایک بار پھر انہیں خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے گڑیا کے آنے سے یہ تھا کہ گھر میں رونق سی ہو جاتی تھی وہ سارا دن اس کے ساتھ مصروف رہتی ممی بھی کام کے دوران آتے جاتے اس کے پاس بیٹھ جاتیں ان کا خیال تھا وہ کافی حد تک صباجی کا غم بھلا کر بچی کے ساتھ بہل گئی ہے لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس طرح صباجی کو دوبارہ اپنے اندر زندہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

اس وقت شیرازی بچی کو لے کر گئے تھے اور وہ انہیں باہر تک چھوڑ کر واپس آ رہی تھی کہ یاسر آ گیا۔ وہ اسے ساتھ لے کر اندر آئی تو پوچھنے لگی۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟"

اس قسم کے سوال شکی مزاج بیویاں کرتی ہیں"

"تمہیں کیسے پتا۔ تمہاری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔"

"ہو جائے گی شادی بھی۔ یہ بتاؤ چائے پلا رہی ہو یا نہیں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''بیٹھو لا رہی ہوں۔''

''میں پھوپھو جی سے مل کر تمہارے کمرے میں آ رہا ہوں چائے وہیں لانا۔''

''او کے وہ کچن کی طرف چلی گئی۔ رشید موجود نہیں تھا اسلئے چائے اسے خود بنانی پڑی اور جب چائے لے کر اپنے کمرے میں آئی تو وہ بیٹھا کوئی میگزین دیکھ رہا تھا۔ اس کی آمد پر میگزین ایک طرف پھینک کر بولا۔

''سنا ہے تم نے پڑھائی چھوڑ دی ہے؟''

''ہاں''

''کیوں؟''

''بس اچانک ہی دل اچاٹ ہو گیا تھا'' وہ چائے کا کپ اس کی طرف بڑھا کر بولی۔

''اب کیا کر رہی ہو؟''

''کچھ نہیں''

''گویا فراغت ہی فراغت ہے۔''

نہیں بلکہ گڑیا کے ساتھ خوبصورت مصروفیات ابھی تو شیرازی اسے لے کر گئے ہیں اور اب تو وہ جانا بھی نہیں چاہتی'' اس نے خوش ہو کر بتایا تو وہ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔ تمہیں گڑیا کو اپنے ساتھ اتنا مانوس نہیں کرنا چاہئے۔''

''کیوں''

''ظاہر ہے کل کو جب تمہاری شادی ہو گی تو بچی کے لئے پرابلم ہو جائے گی'' اس نے خاموشی سے اس کی بات سنی اور کچھ بولی بھی نہیں۔ تب وہ کہنے لگا۔

''میں اسی سلسلے میں تم سے بات کرنے آیا تھا کہ پہلے تم ایم اے کرنا چاہتی تھیں۔ اس لئے میرے پروپوزل کو ٹال دیا اب جبکہ پڑھائی چھوڑ چکی ہو تو کیا کہتی ہو۔''

''ہاں کہو تو میرے گھر والے باقاعدہ پیام لے کر آئیں۔''

''عجیب آدمی ہو۔ یعنی پیام آنے سے پہلے ہاں کہہ دوں'' ہلکی شوخی کے ساتھ شرگیں مسکراہٹ نے اسے بہت کچھ سمجھا دیا۔ اطمینان بھرا سانس لے کر بولا۔

''تھینکس گاڈ اینڈ تھینک یو''



''بس اب مزید کوئی بات مت کرنا۔''

مزید رکوں گا بھی نہیں۔ کیونکہ حنا خوشخبری سننے کی منتظر ہے'' وہ بقیہ چائے ایک ہی گھونٹ میں پی کر اٹھ کھڑا ہوا اور وہ اس کے جانے کے بعد خالی کپ اٹھا کر کچن میں آئی تو سوچا رات کے کھانے کے لئے بھی کچھ پکا دے۔ سمجھ میں نہیں آیا روٹی پکائے یا چاول اور یہی پوچھنے کے لئے ممی کے پاس آ رہی تھی کہ ان کے ہونٹوں سے نکلے ایک ادھورے جملے نے اس کے قدم دروازے سے باہر ہی روک دیئے۔

''روشی کی شادی'' پھر کافی دیر خاموشی چھائی رہی اس کے بعد پھر ممی کی آواز آئی۔

''گڑیا کی وجہ سے ہی میں ایسا سوچ رہی ہوں۔ صبح شیرازی کی والدہ کا فون بھی آیا تھا وہ بھی یہی کہہ رہی تھیں میں نے فوری طور پر انہیں کوئی جواب تو نہیں دیا لیکن میرا خیال ہے یہی مناسب ہے۔''

''پہلے روشی سے پوچھ لو''

''روشی اب کافی سمجھدار ہو گئی ہے اور اس بات کو سمجھ سکتی ہے کہ گڑیا کے لئے وہی اچھی ماں بن سکتی ہے۔ پھر بھی میں اس سے پوچھ ضرور لوں گی۔'' اس سے زیادہ وہ نہیں سن سکی تو بے آواز مگر تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آئی اور بیڈ پر ڈھے سی گئی۔

ممی پاپا کا ہی مان اس نے صبا جی پر جتایا تھا اور پل میں ان سے اس شخص کے لئے ہامی بھروالی تھی جس کا ان کے تصور میں کہیں گزر نہیں تھا اور اب اس کی باری تھی۔ اس شخص کے لئے جو کبھی ہوا کے جھونکے کی مانند اس کی زندگی میں آیا اور گزر بھی گیا تھا کہ دور دور تک کہیں کوئی نشان نہیں تھا۔ وہ اگر سوچنے بھی بیٹھتی تو اس لمحے پر گرفت نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ ایک بار صبا جی کا ہو چکا تھا اور جو چیز صبا جی کی تھی وہ بس انہی کی تھی۔ اول روز سے اس کی یہی سوچ تھی بہر حال ابھی فیصلے کا حق وہ اختیار اس کے پاس تھا ممی جب پوچھیں گی وہ صاف منع کر دے گی۔ اس نے یہ سوچ کر خود کو مطمئن کرنا چاہا۔ لیکن اب اطمینان کہاں تھا۔

☆☆☆

ہمیشہ سے وہ خود اپنے لئے ایک معمہ تھی نہ اپنے قول و فعل کا تضاد سمجھ میں آیا اور نہ ہی اپنی ذات کے اسرار کو پا سکی تھی۔ شاید غلطی اس کی اپنی تھی۔ کہ کبھی خود اپنے بارے میں جاننے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوشش بھی نہیں کی کہ وہ کیا چاہتی ہے بس ہر بات میں پتا نہیں۔'' جیسے یہ دو لفظ کہہ کر اس کی ذمہ داری ختم ہوگئی ہو۔ حالانکہ ہر مقام پر کسی نہ کسی نے ضرور ٹوکا کہ روشی کبھی ایمانداری سے اپنے اندر جھانک کر دیکھو لیکن اس نے شاید ضرورت ہی نہیں سمجھی اور آج پتا نہیں کیسے وہ خود اپنے بارے میں سوچتے ہوئے بہت پیچھے چلی گئی تھی۔ اور ابھی ایک تصور قائم ہوا ہی تھا کہ یاسر آ گیا۔ وہ اس وقت برآمدے کے فرش پر بیٹھی تھی اور جس انداز سے یاسر نے پہلے اسٹیپ پر پاؤں رکھا اس سے وہ سمجھ گئی کہ وہ بہت غصے میں ہے۔

''آخر تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو۔'' اس نے جیسے ہی سر اٹھا کر دیکھا وہ دانت پیس کر بولا۔ ''تمہیں اگر مجھ سے شادی نہیں کرنی تھی تو اسی روز منع کیوں نہیں کیا جب میں نے تم سے پوچھا۔''

''اس وقت میرے سامنے صرف تم تھے'' وہ جیسے خود سے بولی۔

''شیرازی اچانک تو آسمان سے نہیں ٹپکے وہ پہلے سے موجود تھے اور تمہاری ان کے ساتھ۔ انڈر سٹینڈنگ بھی ہو چکی تھی۔''

''نہیں''

''پھر تم نے ان کے لئے ہامی کیوں بھری جبکہ صباجی کا حال تم سے پوشیدہ نہیں تھا وہ کبھی ان کے ساتھ خوش نہیں رہیں کیا تم خوش رہ سکو گی؟''

''نہیں''

''نہیں۔'' وہ پہلی بار چونکا اور بغور اسے دیکھا وہ بے حد آزردہ بیٹھی تھی۔ تب وہ نرم پڑ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''مجھے بتاؤ کیا بات ہے کیا تم پر کوئی جبر ہے''

''نہیں یاسر۔ میں نے یہ سزا اپنے لئے خود منتخب کی ہے'' وہ عاجزی سے بولی۔ جس طرح صباجی نے میری کچی عمر کی نادانی پر اپنے لئے ہر خوشی حرام کر لی تھی اسی طرح میں ان کی بیٹی کی خاطر خود پر خوشیوں کے دروازے بند کر رہی ہوں۔''

''لیکن''

''مجھے مت روکو یاسر! کہنے دو'' وہ بولنے پر آئی تو یوں بولی کہ خود اپنی ذات کا ادراک



ہونے لگا۔

''میں خود نہیں جانتی تھی کہ صباجی میرے لئے کیا ہیں اور ان کے جانے کے بعد میں نے جانا کہ وہ میرے اندر اس طرح سمائی ہوئی تھیں کہ من و تو کا فرق ہی مٹ گیا تھا۔ اب بتاؤ کیا میں ان کی بیٹی کے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتی کہ۔''

گیٹ سے شیرازی کو داخل ہوتے دیکھ کر اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو وہ گڑیا کو لے کر گئے تھے اسلئے وہ کچھ پریشان سی ہو کر کھڑی ہوگئی۔

''گڑیا کہاں ہے؟''

''گھر گیا تو ممی ڈیڈی آئے ہوئے تھے ان کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔''

پھر ایک نظر یاسر پر ڈالی اس کے بعد سینے پر ہاتھ باندھ کر اسے دیکھے گئے کہ وہ سٹپٹا کر نظریں چرا گئی۔

''ٹھیک کہتی تھی صبا! کہ تم بہت نادان ہو۔''

''میں۔''

''ہاں تم یہ کیا حماقت کرنے جا رہی تھیں؟'' وہ نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھنے لگی تو وہ یاسر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

''اچھے خاصے بندے کو مایوس لوٹانا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ بیوقوف لڑکی مجھے ابھی ابھی ممی ڈیڈی نے بتایا ہے کہ وہ کس ارادے سے آئے ہیں۔ یعنی میرے علم میں لائے بغیر یہاں تمام مراحل طے ہو چکے ہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ آخر کیوں؟''

آخر میں انہوں نے پوچھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے تو ہاتھوں میں چہرا چھپا کر رو پڑی۔

''رونا بعد میں پہلے میری بات کا جواب دو''

''یہ اس وقت کچھ نہیں بولے گی'' اس کے بجائے یاسر نے کہا تو وہ اسے دیکھ کر ذرا سا مسکرائے۔

''اچھی بات ہے میں بھی اس وقت جلدی میں ہوں۔ البتہ تم یہیں کھڑے رہ کر انتظار

کرو۔ جب یہ اچھی طرح رو لے تب اسے بتانا میرے لئے ممکن نہیں ہے کہ میں صبا کی جگہ کسی او کو دوں۔"

اپنی بات کہہ کر وہ تیز قدموں سے واپس پلٹ گئے تو وہ انگلیوں کے درمیان ذرا سی جھری بنا کر انہیں جاتے ہوئے دیکھنے لگی پھر یاسر پر نظر پڑی تو وہ اس کی اس حرکت کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ ہونٹوں پر اطمینان بھری شوخ مسکراہٹ بھی تھی۔ وہ سمجھ گئی اب اس کا مذاق اڑائے گا۔ اس لئے فوراً پلٹ کر اندر بھاگنے لگی لیکن وہ اس سے زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کر گیا۔

"اب کیا کہتی ہو؟"

"مجھے نہیں پتا۔"

"جب میں کہتا ہوں تمہیں کسی بات کا پتا نہیں ہونا تو" وہ ایک جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑا کر اندر بھاگ گئی کیونکہ وہ مزید اس کے سامنے کھڑی نہیں رہ سکتی تھی اس لئے نہیں کہ اس کی شوخی اسے نروس کر رہی تھی بلکہ اس لئے کہ اسے واقعی پتا نہیں تھا کہ وہ خوش ہے یا ناخوش۔

☆☆☆



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

# محبت ایک شجر ہے

"مما! میں کراچی جانا چاہتی ہوں۔"

ٹی پاٹ میں چمچ چلاتے ہوئے اس نے کہا تو اخبار کی سرخیوں پر نظریں دوڑاتی ہوئی مما نے بغیر چونکے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔

"اپنے باپ کے پاس؟" وہ چونک کر دیکھنے لگی مما کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ تب وہ الٹا انہی سے پوچھنے لگی۔

"کیا مجھے ان کے پاس جانا چاہیے؟"۔

"جانا چاہو تو بے شک جاؤ۔" مما کا انداز ہنوز بے نیازی لیے ہوئے تھا۔

"ہمیشہ کے لیے؟" اس نے اچانک ان کی ساری بے نیازی چھین لی۔ اخبار پر مما کے ہاتھوں کی گرفت آپ ہی آپ مضبوط ہوگئی۔ پھر محض فوری جواب سے بچنے کی خاطر انہوں نے پہلے اخبار رول کر کے ایک طرف رکھا اس کے بعد سلائس اٹھا کر اس پر جام لگانے لگیں۔ جب اس نے چائے کا کپ ان کی طرف کھسکایا تب اسے دیکھ کر بولیں۔

"اس کا فیصلہ تم اپنے باپ سے ملنے کے بعد کرنا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''مما!'' وہ حیران ہو کر ذرا سا ہنسی۔ ''میں آپ کو چھوڑ سکتی ہوں بھلا۔''

''بیٹیوں کو ایک نہ ایک دن چھوڑ کر جانا ہوتا ہے۔''

''لیکن ہمیشہ کے لیے نہیں۔'' اس نے کہہ کر چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا تو قدرے توقف سے مما پوچھنے لگیں۔

''یہ اچانک تمہیں اپنے باپ کے پاس جانے کا خیال کیسے آیا۔؟''

''میں نے تو آپ سے کراچی جانے کی بات کی تھی ان کا خیال تو آپ نے دلایا۔''

اس نے کہا تو مما کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہونے لگا۔ لیکن اس پر ظاہر کیے بغیر بولیں۔

''ظاہر ہے کراچی میں اور کون ہے۔''

''کوئی بھی ہو، مجھے کسی کے پاس نہیں جانا۔''

''پھر۔؟'' مما اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

''ہمارا کالج ٹرپ ہے۔ کافی لڑکیاں جا رہی ہیں جیسے گزشتہ سال ہم مری گئے تھے۔'' اس نے بتایا تو مما اندر ہی اندر مطمئن ہو کر بولیں۔

''اچھا اچھا۔ گھومنے کا پروگرام ہے۔''

''جی۔''

''لیکن کراچی تو تم کئی بار جا چکی ہو۔''

''اور لڑکیاں تو نہیں گئیں ناں۔ اور سب کی خواہش وہیں جانے کی ہے۔ ٹیچر نے ہامی بھر لی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ تمہاری اگر خواہش ہے تو چلی جانا۔ کتنے دن کا پروگرام ہے اور وہاں رہائش کا کیا انتظام ہے۔'' مما نے اجازت دینے کے ساتھ پوچھا۔

''دس دن اور رہائش کا مجھے نہیں پتا۔ آئی مین ٹیچر نے کوئی انتظام کیا ہوگا۔'' اس کے لاپروائی سے کہنے پر مما کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہیں پھر مسکرا کر بولیں۔

''او کے بیٹا! اپنا خیال رکھنا۔ لیکن جانا کب ہے؟''

''کل۔'' مما حیران ہوئیں۔ ''اچانک پروگرام بنایا تم مجھے اب بتا رہی ہو۔''

''اچانک پروگرام نہیں ہے مما! اور میں آپ کو کب بتاتی۔ آپ اپنے پروگرامز میں اتنی



بزی تھیں۔''

اس نے مما کو ان کی مصروفیات یاد دلائیں ساتھ ہی پوچھنے لگی۔ ''اب تو کچھ دن آپ فارغ ہوں گی۔''

''نہیں بیٹا! میں ایک دو روز میں مڈل ایسٹ جانے والی ہوں۔ چلو یہ بھی اچھا ہے کہ تم اپنی دوستوں کے ساتھ ہو گی۔ پھر ہم بہت سارے دن اکھٹے رہیں گے۔''

مما نے اس کا گال تھپک کر جیسے بچوں کی طرح بہلایا اور وہ ان کا ہاتھ چوم کر کالج جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے کراچی جانے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی نہ زیادہ گھومنے پھرنے کا شوق تھا البتہ سہیلیوں کی کمپنی میں انجوائے کرتی تھی۔ پھر گھر میں اکیلے بور ہونے سے اچھا تھا اور کل تک سونیا اور نشاء کے بہت اصرار پر بھی وہ ڈانواں ڈول تھی کہ دیکھو موڈ بنا تو چلوں گی لیکن آج جب اس نے یقین سے کہا کہ وہ بھی جا رہی ہے تو دونوں خوش ہو گئیں۔

''سچ جھرنا! تم نہ جاتیں تو ہمیں بھی اپنا جانا ملتوی کرنا پڑتا۔ ابھی ہم دونوں یہی بات کر رہے تھے۔'' سونیا نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

''مجھے پتا تھا۔ اس لیے میں نے ابھی آتے ہوئے مما سے بات کر لی۔''

''اجازت دے دی انہوں نے؟''

''ہاں! وہ کب منع کرتی ہیں خیر یہ بتاؤ تم لوگوں نے تیاری کر لی؟'' اس نے باری باری دونوں کو دیکھ کر پوچھا۔

''تیاری میں کیا دیر لگتی ہے۔ آج رات میں ہو جائے گی۔ چلو پہلے میڈم سے معلوم کریں کہ آیا ہمیں کل کالج آنا ہے یا خود اسٹیشن پہنچنا ہے۔''

نشاء نے کہا تو وہ اس کی تائید کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

پھر رات میں ہی اس نے اپنا بیگ تیار کر لیا۔ اس کے بعد کتنی دیر تک مما کا انتظار کرتی رہی اور وہ آئیں تو ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ وہ سمجھ گئی، اب اس کی مما سے بات نہیں ہو سکے گی اس لیے لائٹ آف کر کے سو گئی۔

صبح گو کہ اسے کالج نہیں جانا تھا پھر بھی وہ اپنے معمول کے مطابق اٹھ گئی۔ پارو اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کے لیے چائے لے کر آئی تو اس سے مما کا پوچھ کر وہ چائے کا کپ لیے ہوئے اپنے کمرے سے نکل کر مما کے خاص کمرے کی طرف چل پڑی پھر بہت احتیاط سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو اور کوئی آہٹ کیے بنا مما کے سامنے کارپٹ پر بیٹھ کر خاموشی سے انہیں ریاض کرتے ہوئے دیکھنے لگی۔ ان کی انگلیاں بہت دھیرے دھیرے ستار کے تاروں کو چھو رہی تھیں۔ پھر اپنی خوبصورت آواز میں انہوں نے وہ غزل چھیڑ دی جو وہ اکثر گنگناتی تھیں۔

یہ جو دیوانے سے دو چار نظر آتے ہیں
ان میں کچھ صاحب اسرار نظر آتے ہیں
دور تک کوئی ستارہ ہے نہ کوئی جگنو
درد کے داغ بھی بے کار نظر آتے ہیں
پی نہیں ہم نے فقط دیدۂ تر کے صدقے
پاک دامن بھی گنہگار نظر آتے ہیں
کل جنہیں چھو نہیں سکتی تھی فرشتوں کی نظر
آج وہ رونقِ بازار نظر آتے ہیں!

وہ مما کے حسین چہرے پر نظریں جمائے ان کی آواز میں کھو گئی تھی۔ بہت سوز، بہت گداز تھا۔ حالانکہ ان کا تعلق کسی فنکار گھرانے سے نہیں تھا پھر بھی غزل کی گائیکی میں انہیں کمال حاصل تھا۔ آواز اتنی خوبصورت تھی کہ جنہیں غزل گائیکی سے شغف نہیں تھا وہ بھی انہیں ضرور سنتے تھے۔ جیسے وہ اُسے چھٹی کے دن کا انتظار رہتا تھا تاکہ مما کا ریاض سن سکے اور ٹی وی پر بھی وہ انہیں بہت شوق سے دیکھتی اور سنتی تھی۔ جبکہ دوسرے غزل سرا اسے اچھے نہیں لگتے تھے۔ ان کی نسبت علی حیدر کا ''پرانی جینز'' پسند کرتی تھی۔ اس کی دوستوں کا بھی یہی کہنا تھا کہ غزل نہ سننے والے اس کی مما کو ضرور سنتے ہیں اور اسے مما کی مقبولیت اور تعریف اچھی لگتی تھی۔ وہ خود ان کی سب سے بڑی مداح تھی۔ ابھی جب مما نے غزل کے اختتام پر آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تو اس نے بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے ہاتھ تھام لیے اور ہونٹوں سے چھو کر بولی۔

''وٹ اے ونڈرفل مما! آپ تو سارے ماحول پر چھا جاتی ہیں۔''

''تھینک یو'' مما نے مسکرا کر اس کا گال چھوا پھر ستار ایک طرف رکھ کر پوچھنے لگیں۔



نے ناشتا کر لیا؟''۔

''نہیں۔ آپ کے ساتھ کروں گی''۔

''چلو پھر''۔ وہ ان کے ساتھ کمرے سے نکل آئی۔ پھر ناشتے کے دوران مما نے اسے بتایا کہ رات انہوں نے مڈل ایسٹ میں ہونے والے شوز کے لیے ایگریمنٹ سائن کر دیا ہے اور یہ کہ اگلے تین چار روز میں وہ چلی جائیں گی۔ پھر انہوں نے ہمیشہ والی ہدایات دہرانی شروع کیں تو وہ بول پڑی۔

''مجھے سب یاد ہے مما! اور اب تو میں بڑی ہو گئی ہوں''۔

''نہیں بیٹا! مجھے تمہاری فکر رہتی ہے۔ بہرحال کراچی سے آ کر اگر تم چاہو تو اپنے ماموں کے ہاں چلی جانا''۔

''نہیں مما! میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ بس آپ روزانہ مجھے فون ضرور کیجیے گا''۔

''وہ تو میں کروں گی''۔

''بس تو میری فکر نہیں کریں۔ میں اپنے گھر میں آرام سے ہوتی ہوں''۔ اس نے اپنی طرف سے اطمینان دلایا۔

''او کے بیٹا۔ جیسے تمہاری مرضی''۔ مما نے اس پر چھوڑ دیا پھر پوچھنے لگیں۔ ''تم کس وقت جاؤ گی؟''۔

''گیارہ بجے''۔ اس نے بتانے کے ساتھ گھڑی پر نظر ڈالی۔ نو بج رہے تھے۔ تب وہ جلدی سے چائے ختم کر کے اٹھ گئی۔

بیگ اس نے رات ہی تیار کر لیا تھا۔ اب کچھ وقت اپنی تیاری میں لگا۔ اس کے بعد مما خود اسے اسٹیشن تک چھوڑنے آئی تھیں۔

☆☆☆

لاہور سے کراچی تک بذریعہ ٹرین بہت لمبا سفر تھا۔ گو کہ سفر بہت اچھا کٹا تھا پھر بھی سب کا تھکن سے برا حال تھا اور پہلا دن تو سب کا نہانے اور آرام کرنے میں نکل گیا۔ اس کے فوراً میڈم نے جگہیں اور دن طے کر لیے کہ کس دن کہاں کہاں جانا ہے۔ ان میں ایک دن شاپنگ کا اور آخری دن عزیزوں، رشتے داروں سے ملنے کے تھے۔ وہ کیونکہ مما کے ساتھ کئی بار یہاں آ چکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



تھی اس لیے اس کے لیے کوئی جگہ نئی نہیں تھی۔ پھر بھی..... دوستوں کے ساتھ اس نے کا
انجوائے کیا۔ البتہ اس وقت وہ پریشان ہوگئی جب سب لڑکیاں اپنے کسی نہ کسی عزیز کے ہا
جانے کی تیاری کررہی تھیں۔

''تمہارا یہاں کوئی نہیں ہے؟''۔ اس چپ چاپ بیٹھے دیکھ کر نشاء نے پوچھا تو اس نے
چونک کر دیکھا اور نہیں کہتے کہتے رہ گئی۔ پھر قصداً لاپروائی سے بولی۔

''ہے۔ لیکن میں سوچ رہی ہوں۔ جاؤں نہ جاؤں''۔

''یہاں اکیلی کیا کروگی۔ سب تو جارہی ہیں''۔

''اور اگر میں کہوں تم نہیں جاؤ''۔ اس نے بظاہر سرسری انداز میں کہہ کر نشاء کو دیکھا تو
وہ کندھے اچکا کر بولی۔

''نہیں جاؤں گی لیکن مجھے اپنے رشتے داروں سے نہ ملنے کا افسوس رہے گا''۔

''پھر ضرور جاؤ''۔

''اور تم؟''۔

''ظاہر ہے میں یہاں تم سب کے سامان کی نگرانی پر تو نہیں بیٹھوں گی۔ میں بھی جارہی
ہوں''۔ اس نے کہا اور جلدی سے اپنا بیگ کھول کر اس میں مصروف ہوگئی لیکن اسے کہیں نہیں جا
تھا اور اس افراتفری میں کسی نے توجہ ہی نہیں دی کہ وہ اتنی سست کیوں ہورہی ہے۔ سب لڑکیا
اپنی اپنی تیاری میں مصروف ہونے کے ساتھ ایک دوسرے سے پوچھ رہی تھیں۔ تمہیں کس طر
جانا ہے اور کچھ ایسی ملی جلی آوازیں آرہی تھیں۔

''گلشن اقبال۔ ارے میرے ماموں بھی وہیں رہتے ہیں بس ہم دونوں ساتھ چل
گے''۔

''ثناء! تم بفرزون جارہی ہو۔ پلیز مجھے بھی ساتھ لے چلنا''۔

''سنو۔ تم میں سے کسی کو ناظم آباد جانا ہے''۔

''وہ اس ساری آوازوں سے الگ تھلگ کر باتھ روم میں بند ہوگئی اور قصداً بہت دیر تک
لیتی رہی۔ پھر جب کمرے میں آکر بالوں میں برش کررہی تھی تو نشاء اس کے پاس آکر بولی۔

''سنو میں ثناء وغیرہ کے ساتھ جارہی ہوں تم کس کے ساتھ جاؤ گی؟''۔



''کسی کے ساتھ نہیں، میرا مطلب ہے میں اکیلی جاؤں گی''۔ اس نے بہت سکون
سے جواب دیا۔

''چلی جاؤ گی؟''۔

''ہاں ہاں تم میری فکر نہیں کرو۔ میں یہاں کے راستوں سے بہت اچھی طرح واقف
ہوں''۔

''پھر میں جاؤں؟''۔

اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور نشاء کے جانے کے بعد غور کیا تو دو تین لڑکیاں
ہی رہ گئی تھیں وہ بھی جانے کو تیار۔ تب خود کو تنہا سوچ کر وہ پریشان ہوگئی۔ سمجھ میں نہیں آیا کیا
کرے۔ ان لڑکیوں سے اس کی شناسائی نہیں تھی اور انہوں نے بھی جاتے ہوئے اس سے نہیں
پوچھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔ کتنی دیر تک وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی پھر دھیرے دھیرے اس نے
خود کو بہلانا شروع کیا کہ دو دن کی تو بات ہے۔ یوں بھی اپنے گھر میں بھی تو وہ زیادہ تر اکیلی ہی
رہتی ہے۔ مما تو اکثر اپنے شوز کے سلسلے میں گھر کیا ملک سے ہی باہر ہوتی ہیں۔ لیکن یہ اپنا گھر نہیں
تھا۔ دو دن کیا وہ دو گھنٹے نہیں رہ سکی اور جیسے کوئی اور راہ نہ پاکر اس نے بیگ میں سے چھوٹی سی
ڈائری نکالی اور اس میں سے جمشید علی خان کا نمبر نوٹ کر کے کمرے سے نکل آئی۔ حالانکہ جمشید علی
خان کا نمبر مما نے خود اسے دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ جب چاہے اپنے باپ سے بات کرسکتی ہے اس
کے باوجود اس نے کبھی انہیں فون نہیں کیا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ ان سے نفرت کرتی تھی بلکہ وہ اپنی
ذات کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نہ اسے اپنے وقت کا بٹوارہ منظور تھا کہ آج ماں کے
تو کل باپ کے پاس۔ مما کے ساتھ وہ بہت خوش اور مطمئن تھی۔ سب کچھ میسر تھا ایک باپ کی کمی
محسوس تو ہوئی تھی لیکن شعور آنے کے بعد مما کے سامنے وہ اس کمی کا ذکر نہیں کرتی تھی بلکہ وہ خود
اپنے آپ کو بھی سمجھا لیتی تھی۔ اس کے پاس بڑے مضبوط دلائل تھے۔

''کیا کچھ نہیں کیا مما نے میرے لیے۔ اچھی تعلیم بہترین تربیت، پھر زندگی کی تمام
آسائشات مہیا کیں اور تو اور میرے لیے انہوں نے اپنے آپ کو نظر انداز کردیا۔ اب بھی اتنی
خوبصورت اتنی اسمارٹ ہیں۔ پندرہ سال پہلے تو لوگ ان کی راہوں میں آنکھیں بچھاتے ہوں
گے۔ کتنوں نے ان کا ہاتھ تھامنا چاہا ہوگا۔ لیکن انہوں نے صرف میری خاطر دوسری شادی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کی۔ پھر میں ان سے ہٹ کر کیوں سوچوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال اس وقت اس نے مجبوری کے عالم میں جمشید علی خان کے نمبر ڈائل کیے تھے۔ دوسری طرف غالباً ان کی سیکرٹری تھی۔ اس نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔ بس اتنا کہا کہ ان کے گھر سے بات کر رہی ہوں اور اسی حساب سے جمشید علی خان نے ریسیور اٹھاتے ہی کہا۔

''ہاں بیٹا کیا بات ہے؟'' ایک پل کو وہ سن سی ہو گئی پھر فوراً خود پر قابو پا کر بولی۔

''آپ جمشید علی خان.....؟''

''جی۔ آپ کون؟''۔ دوسری طرف اب وہ بے ساختگی نہیں تھی بلکہ سوچتے ہوئے انداز میں پوچھا گیا تو وہ سنبھل کر بولی۔

''جی میں جھرنا ہوں۔ جہاں آرا کی بیٹی''۔ اس کے ساتھ ہی اسے خیال آیا کہ اگر وہ کہہ دیں کون جہاں آرا تو وہ کس بری طرح ہرٹ ہو گی لیکن ان کے محبت بھرے لہجے نے فوراً اس کے خیال کی نفی کر دی۔

''جھرنا۔ کیسی ہو بیٹا آپ؟''۔

''جی ٹھیک ہوں''۔ وہ بے حد نارمل تھی۔

''کہاں ہو اس وقت؟''

''یہیں کراچی میں''۔ وہ بتا کر فوراً اپنا فون کرنے کا مقصد بیان کرنے لگی''۔ ہم کالج کی لڑکیاں اپنی ٹیچر کے ساتھ آئی ہیں۔ آج سب لڑکیاں اپنے اپنے عزیزوں سے ملنے گئی ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک دو دن کے لیے آپ کے گھر آ جاؤں''۔

''جھرنا''۔ وہ غالباً اس کی آخری بات پر ٹوٹ گئے کتنی دیر بعد ان کی آواز سنائی دی۔

''ایڈریس بتاؤ بیٹا۔ میں آ رہا ہوں''۔

''اس نے ایڈریس بتا کر فون بند کر دیا تو اچانک اسے اپنے اندر گہری خاموشی کا احساس ہوا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اتنی بے حس کیوں ہو رہی ہے۔ پاپا کی آواز سن کر بھی خوش نہیں ہوئی۔ شاید اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان سے بات کر چکی ہے اور یہ کہ ابھی وہ آنے والے ہیں۔ جب وہ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے دروازے میں آ کر رکے تب بھی وہ غیر یقینی سے انہیں دیکھے گئی۔



''آؤ بیٹا''۔ انہوں نے بازو پھیلائے تو وہ بے اختیار بھاگ کر ان کے سینے سے جا لگی کتنے آنسو پلکوں کے بند توڑ کر ان کی قمیض میں جذب ہو گئے اور وہ ہمیشہ اسی بات سے خوفزدہ رہتی تھی کہ اس کی پر سکون زندگی میں کہیں کوئی خلش نہ در آئے۔ یا اسے مما کی محبتیں کم لگنے لگیں۔

''میں نے ہمیشہ تمہاری کمی محسوس کی ہے''۔ جمشید علی خان نے اس کا چہرا ہاتھوں میں تھام کر کہا تو وہ ذرا سا مسکرائی پھر کہنے لگی۔

''آئی ایم سوری۔ میں نے آپ کو زحمت دی۔ اصل میں سب لڑکیاں چلی گئیں اور میں اکیلی''۔ وہ اس کی بات ان سنی کر کے پوچھنے لگے۔

''کب سے ہو یہاں؟''۔

''ایک ہفتے سے۔ بس یہ آخری دو دن ہیں، اس کے بعد ہم واپس چلے جائیں گے''۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے ان سے درخواست کر رہی ہو کہ بس دو دن کی بات ہے اس کے بعد وہ چلی جائے گی۔

''تو بیٹا! تم نے آتے ہی مجھے فون کیوں نہیں کیا؟''

انہوں نے کچھ شاکی لہجے میں کہا تو اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا بلکہ سٹپٹا سی گئی تھی۔ اب ان سے کیسے کہی کہ ابھی بھی مجبوری کے عالم میں انہیں فون کیا ہے۔

''چلیں''۔ انہوں نے اسے خاموش دیکھ کر کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر جلدی سے اپنا بیگ اٹھا لائی۔ راستے میں اس کا بہت دل چاہا ان سے پوچھے کہ ان کے گھر میں کون کون ہے کیونکہ مما نے اسے کبھی تفصیل سے نہیں بتایا تھا لیکن وہ ان سے کوئی سوال نہیں کر سکتی نہ انہوں نے خود کچھ بتایا البتہ اس کے بارے میں پوچھتے رہے کہ وہ کون سی کلاس میں پڑھ رہی ہے اور آئندہ کیا ارادہ ہے وغیرہ وغیرہ اور ایک پل کو اس کا دل چاہا کہ انہیں یہ جواب دے کہ وہ اپنی مما کی طرح بہت مشہور ہونا چاہتی ہے۔ ان کے تاثرات دیکھے لیکن وہ اپنی اس خواہش کو سختی سے دبا گئی۔ پھر جب انہوں نے گھر کے سامنے گاڑی روکی تب اس سے کہنے لگے۔

''بیٹا! اگر پہلے سے تمہارے آنے کی اطلاع ہوتی تو یقیناً سب لوگ تمہارے منتظر ہوتے اور ابھی کیونکہ کسی کو پتا نہیں ہے اس لیے سب کی حیرت فطری ہو گی۔ تم کچھ خیال نہیں کرنا''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اس نے بس یونہی اثبات میں سر ہلا دیا۔ کیونکہ سمجھ نہیں سکی تھی کہ انہوں نے اسے کیا سمجھانے کی کوشش کی ہے اور جب وہ اسے اندر لے کر آئے تو پہلے سیدھا اپنی والدہ کے کمرے میں لے گئے۔

''اماں جی! یہ جھرنا ہے میری بیٹی۔'' انہوں نے اپنی والدہ کو مخاطب کر کے کہا تو وہ سرتاپا اسے دیکھنے لگیں۔ تب وہ اس کے کندھے پر ذرا سا دباؤ ڈال کر بولے۔

''دادی کو آداب کرو بیٹا''۔

''آداب''۔ وہ وہیں کھڑی رہ کر بولی۔ پھر احساس ہونے پر خود ہی آگے بڑھ کر آئی اور دادی کے گلے لگ گئی۔

''جیتی رہو۔ ماشاءاللہ تم تو اچھی بڑی ہوگئی ہو''۔ پھر بیٹے کو مخاطب کر کے کہنے لگیں۔

''میں نے تم سے کہا تھا ناں بچی سمجھدار ہوگی تو خود تمہارے پاس چلی آئے گی''۔

''او کے بیٹا! مجھے ابھی آفس میں کام ہے۔ شام میں ملاقات ہوگی''۔ جمشید علی خان نے اماں جی کی بات یکسر نظرانداز کر دی اور اس سے کہہ کر کمرے سے نکل گئے بلکہ ایک طرح سے اسے مشکل میں ڈال گئے۔ اب وہ دادی سے کیسے کہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ ایک دو دن کے لیے آئی ہے۔

''خون کے رشتے بھی کبھی جدا ہوئے ہیں۔ کبھی نہیں''۔ دادی اپنی کہہ رہی تھیں وہ جز بز سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی تبھی ایک خاتون جانے کیا بولتی ہوئی اندر داخل ہوئیں اور یقیناً اب انہیں دادی کو مخاطب کرنا تھا لیکن اسے دیکھ کر غالباً اپنی بات بھول گئیں۔ ان کا انداز ایسا تھا جیسے سوچ میں پڑ گئی ہوں کہاں دیکھا ہے، تب دادی ان سے پوچھنے لگیں۔

''پہچانا اسے؟''۔

''ہا۔ آں۔ جہاں آ۔ جمشید کی بیٹی ہے۔ ہے ناں اماں جی۔''

جس طرح خاتون نے اس کی مما کے نام کو ہونٹوں پر روکا تھا اسے بہت برا لگا۔ لیکن وہ کچھ نہیں بولی۔

''ٹھیک پہچانا، جمشید کی بیٹی ہے''۔ دادی ان سے کہہ کر پھر اس سے کہنے لگیں۔

''تم تو کسی کو نہیں پہچانو گی جھرنا۔ تین سال کی تھیں جب یہاں سے گئی تھی۔ یہ تمہا



تائی اماں ہیں''۔

''آداب تائی اماں''۔ وہ بہت ذہین لڑکی تھی۔ ابھی جس طرح انہوں نے اس کی مما کا نام لینے سے گریز کیا تھا وہ اسی کا بدلہ لینے کی خاطر آداب کے فوراً بعد پوچھنے لگی۔

''اتنے برسوں بعد آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا؟''۔

''وہ''۔ مائی اماں سٹپٹا گئیں تو وہ مسکرا کر بولی۔

''میں اپنی مما سے بہت ملتی ہوں۔ مجھے دیکھ کر آپ کو انہی کا خیال آیا ہوگا''۔

''تمہیں بھی اس کی طرح گانے بجانے کا شوق ہے؟'' تائی اماں بھلا اس کل کی چھوکری کے سامنے ہار جاتیں اور اس نے سلگ کر جھوٹ بولا۔

''ہے تو لیکن مما کا کہنا ہے پہلے مجھے اپنی تعلیم پر توجہ دینی چاہیے۔''

اس کے جواب پر تائی بس منہ بنا کر رہ گئیں۔ پھر کچھ دیر بعد دادی نے خود اسے سب گھر والوں سے ملوایا اوپر کے حصے میں تایا جی کی فیملی تھی۔ نیچے ایک طرف منجھلے چچا اور دوسری طرف اس کے پاپا کے کمرے تھے۔ تائی اماں تو پہلے مقام پر ہی اسے اپنا اصل روپ دکھا چکی تھیں البتہ باقی سب لوگ بظاہر اچھے طریقے سے ملے۔ جمشید علی خان کو دوسری بیوی اور بچے بھی۔ اس کے باوجود وہ کسی سے زیادہ متاثر نہیں ہوئی۔ شاید اس لیے کہ اس نے نہ کبھی ان سب کے بارے میں سوچا تھا نہ ملنے کی خواہش رکھتی تھی۔ گویا کمی اس کے اپنے اندر تھی اور اگر ایسے میں کوئی اس سے سرد مہری سے پیش آتا تو اسے کوئی دکھ نہ ہوتا۔ ظاہر ہے تکلیف تو وہاں ہوتی ہے جہاں پہلے سے توقعات وابستہ ہوں۔ جبکہ اس نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی بے حس لڑکی تھی۔ بس وہی بات کہ وہ اپنی ذات کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بہرحال شام میں اس کی تایا جی، منجھلے چچا اور ان کے بیٹوں سے بھی ملاقات ہوگئی اور اس نے محسوس کیا ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے تینوں فیملیز الگ الگ نظر آتی ہیں۔

تایا جی کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں اور سارا دن اس نے ان کی بیٹیوں کو نیچے اترتے نہیں دیکھا تھا اور ابھی تایا جی بھی آتے ہی سیدھے اوپر چلے گئے تھے۔ اسی طرح منجھلے چچا نے اپنے کمرے کا رخ کیا تھا۔ یعنی عجیب سا کھنچاؤ محسوس ہو رہا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد وہ اکیلی ہی لاؤنج میں ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



جمشید علی خان اس طرح آئے تو اسے اکیلے بیٹھے دیکھ کر انہوں نے وہیں سے اپنے دونوں بچوں عائشہ اور سعد کو پکارا اور جیسے ہی وہ آئے انہیں ڈانٹ کر کہنے لگے۔

''یہ کیا حرکت ہے۔ بہن یہاں اکیلی بیٹھی ہے۔ تم دونوں اندر کیا کر رہے ہو؟''۔

''میں ہوم ورک کر رہی تھی پاپا''۔ عائشہ نے ڈانٹ سے کچھ سہم کر کہا۔

''ہوم ورک یہاں بیٹھ کر بھی ہو سکتا ہے۔ جاؤ اپنی کتابیں لے آؤ۔''

وہ بلا ارادہ ہی ٹی وی پر سے نظریں ہٹا کر عائشہ اور سعد کو دیکھنے لگی تھی۔ وہ دونوں خاموشی سے اپنی کتابیں لینے چلے گئے۔ پھر فوراً ہی واپس آ کر بیٹھے تو وہ ان کے ڈسٹرب ہونے کے خیال سے پوچھنے لگی۔

''ٹی وی بند کر دوں عائشہ؟''۔

''نہیں آپ دیکھیں''۔ عائشہ نے کہا تو اس نے جمشید علی خان کو دیکھا کہ وہ کیا کہتے ہیں لیکن وہ کچھ نہیں بولے تب اس نے آواز قدرے کم کر دی اور سعد کو اپنے قریب بلا کر ہوم ورک میں اس کی مدد کرنے لگی۔ سعد ساتویں کلاس میں پڑھتا تھا پھر بھی اردو ٹھیک سے نہیں لکھ پا رہا تھا۔ ہر دوسرے حرف پر اسے ٹوکنا پڑتا۔ یہ کیا لکھا ہے۔ پرچم لکھنا نہیں آتا تمہیں۔ پھر ہجے کر کے بتاتی۔ یا اس کا ہاتھ پکڑ کر لکھواتی اور جب اس کا ہوم ورک کروا چکی تب اس سے پوچھنے لگی۔

''کون پڑھاتا ہے تمہیں؟''۔

''مس''۔ سعد اپنی کتابیں سمیٹتا ہوا لاپروائی سے بولا۔

''میں سکول کی نہیں گھر کی بات کر رہی ہوں۔''

''کوئی نہیں۔ میں خود پڑھتا ہوں۔ ہوم ورک بھی خود کرتا ہوں۔'' سعد نے یوں دیکھا جیسے وہ اسے شاباش دے گی اور وہ اس کا دل رکھنے کی خاطر بولی۔

''اچھی بات ہے لیکن دن میں ایک گھنٹہ عائشہ سے پڑھ لیا کرو یا امی سے''۔

''امی نہیں پڑھاتیں اور عائشہ کو تو خود میتھ سمجھ میں نہیں آتا''۔

''جھوٹ بولتا ہے یہ۔ اسے خود پڑھنے سے دلچسپی نہیں ہے''۔ عائشہ فوراً بول پڑی تو اس نے باری باری دونوں کو دیکھا کہ آیا کون سچ کہہ رہا ہے پھر سعد کو نرمی سے سمجھاتے ہوئے بولی۔



''تمہیں پڑھنے میں دل لگانا چاہیے۔ پڑھو گے نہیں تو کیا کرو گے''۔

''ٹھیک ہے اب میں روزانہ آپ کے پاس پڑھوں گا''۔ سعد نے شوق سے کہا تو وہ کچھ رک کر بولی۔

''لیکن میں تو کل چلی جاؤں گی''۔

''کہاں؟''۔ سعد نے چونک کر فوراً پوچھا۔

''لاہور''۔ وہ اسے مختصر جواب دے کر جمشید علی خان سے کہنے لگی۔

''پاپا! آپ سعد کے لیے کسی اچھے ٹیوٹر کا انتظام کر دیں''۔

''ہوں''۔ جمشید علی خان نے صرف ہوں کہنے پر اکتفا کیا تو اسے لگا جیسے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ تب اس نے سوچا۔ اسے کیا اور اٹھ کر دادی کے کمرے میں آ گئی۔ دادی نماز کے بعد تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں۔ وہ بہت بوری ہو کر ان کی جگہ پر لیٹ گئی۔ گو کہ اپنے گھر میں بھی وہ کوئی کام نہیں کرتی تھی لیکن اس طرح بور نہیں ہوتی تھی۔ یہاں عجیب سی خاموشی تھی۔ اتنے لوگوں کی موجودگی کے باوجود بھی عجیب سی گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ اور وہ حیران بھی تھی کہ کزنز ساتھ رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے کتنے دور ہیں۔ کم از کم شام کے وقت ہی سب ایک جگہ مل بیٹھیں تو کتنی رونق ہو جائے۔ اگر یہ بھی نہیں تو اس کا خیال ہی کر لیا جاتا۔ وہ جو پہلی بار یہاں آئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی سب مل بیٹھتے۔ کچھ اپنی کہتے کچھ اس کی سنتے۔ جیسے لاہور میں کسی ویک اینڈ پر وہ ماموں کے گھر جاتی ہے تو سب خوش ہوتے ہیں اور ایک ہی شام میں کتنے پروگرام بن جاتے ہیں۔

''سو گئیں کیا؟''۔

''دادی کی آواز پر اس نے اپنے خیال سے چونک کر انہیں دیکھا اور فوراً اٹھتے ہوئے بولی۔''

''نہیں، بس یونہی لیٹ گئی تھی''۔

''سونا چاہو تو سو جاؤ۔ میں اپنے لیے دوسرا پلنگ ڈلوا لیتی ہوں''۔ دادی نے فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے اپنی جگہ پر سونے کی اجازت دے دی لیکن وہ کھڑی ہو گئی۔

''اتنی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے دادی۔ ایک ہی رات کی تو بات ہے۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



عائشہ کے ساتھ سو جاؤں گی۔"

"کیا مطلب؟"۔ دادی اس کی بات پر ٹھٹک کر بولیں"۔ ایک ہی رات کی بات کیوں ہے۔ کیا تم"۔

"میں ہمیشہ کے لیے نہیں آئی"۔ اس نے بالآخر دادی پر واضح کر دیا۔

"پھر؟"۔ دادی اسے یوں دیکھنے لگیں جیسے اس نے کوئی بہت غلط بات کہہ دی ہو۔

"بس آپ سے ملنے کو دل چاہا چلی آئی"۔ اس بار وہ سنبھل کر بولی اور قدرے لگاوٹ کا مظاہرہ بھی کیا۔ انہیں کندھوں سے تھام کر بٹھایا پھر ان کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کر کہنے لگی۔

"ابھی تو میں بس ایک دو دن کے لیے ہی آسکی ہوں البتہ امتحانوں کے بعد پورے دو مہینے آپ کے پاس آکر رہوں گی"۔

"میں تو سمجھی تھی۔" دادی خود کلامی کے انداز میں بس اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

"کہ میں اپنی مما کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئی ہوں۔"

اس نے سوچا پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

"آپ سوئیں دادی! میں عائشہ کے پاس سو جاؤں گی۔"

اس کے ساتھ ہی وہ ان کے کمرے سے نکل آئی۔ لاؤنج میں اب کوئی نہیں تھا۔ غالباً جمشید علی خان اور عائشہ اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے تھے اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ابھی گیارہ بھی نہیں بجے تھے اور اسے اتنی جلدی سونے کی عادت نہیں تھی پھر اس وقت تو بالکل بھی نیند نہیں آرہی تھی۔ پھر ٹی وی آن کر کے وہیں بیٹھ گئی۔ کوئی انگلش فلم آرہی تھی۔ وہ اسے ہی غنیمت سمجھ کر دیکھنے لگی۔ کچھ دیر بعد گیٹ کھلنے کی آواز پر اس نے بلا ارادہ ہی ٹی وی پر سے نظریں ہٹا کر گلاس وال سے دیکھا۔ سفید ٹویوٹا اندر داخل ہو رہی تھی۔ وہ اس گھر میں اس وقت کسی مہمان کی آمد کا سوچ کر حیران ہو گئی پھر کچھ تجسس سے دیکھنے لگی کہ اس مہمان کا استقبال کس طرح کیا جاتا ہے لیکن یہ کیا۔ وہ تو اسی طرف آرہا تھا اور وہ بھی بلا جھجک۔

شاید اس کی طرف متوجہ نہ ہوتا اگر جو وہ بوکھلا کر اپنی جگہ سے کھڑی نہ ہو جاتی اور اس کی حرکت پر ہی وہ رک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟"۔ وہ اس کے دیکھنے پر جلدی سے بولی تو ایک لمحہ توقف



کے بعد وہ پورے اعتماد سے بولا۔

"آپ سے"۔

"مجھ سے؟"۔ وہ اچھل پڑی۔

"جی۔ کوئی اعتراض ہے آپ کو۔" اس کے محظوظ انداز پر وہ الجھ گئی۔

"میرا خیال ہے، آپ غلط جگہ آگئے ہیں۔"

"مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے"۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے میں صحیح جگہ آیا ہوں۔ شمشیر خان یہیں رہتے ہیں ناں؟"۔

"جی وہ اوپر۔" تایا جی کا سن کر اس نے سامنے زینے کی طرف اشارہ کیا۔

"تھینک یو"۔ اس نے مسکرا کر کہا اور آگے بڑھ گیا لیکن چند قدم کے بعد ہی اچانک پلٹ کر پوچھنے لگا۔

"لیکن آپ کون ہیں۔ اس سے پہلے تو آپ کو کبھی یہاں نہیں دیکھا۔"

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے"۔ وہ رکھائی سے کہہ کر ریموٹ کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگی۔

"کیوں نہیں، سارا قصور ہی آپ کا ہے"۔

"جی"۔ اس نے چونک کر دیکھا تو وہ مسکرا کر سی یو کہتا ہوا سیڑھیاں پھلانگ گیا۔

صبح ناشتے کی ٹیبل پر جمشید علی خان نے اس سے بہت کہا کہ وہ ابھی کچھ دن رک جائے بعد میں وہ خود چھوڑ آئیں گے لیکن وہ نہیں مانی۔ بس یہی کہتی رہی کہ وہ پھر آئے گی۔ ابھی اس کی پڑھائی کا حرج ہوگا اور یہ صحیح تو تھا لیکن اصل میں اسے مما کا خیال تھا۔ گو کہ ان دنوں وہ مڈل ایسٹ گئی ہوئی تھیں اور اسے یقین تھا کہ اس کے یہاں آنے پر وہ کبھی اعتراض نہیں کریں گی پھر بھی وہ چاہتی تھی کہ ان کی اجازت سے یہاں آئے۔ حالانکہ اسے اپنے معاملات میں انہوں نے پوری آزادی دے رکھی تھی اور یہ اس کی اپنی عادت تھی کہ وہ مناسب اور نامناسب کا خیال رکھتی تھی اور اپنا یہاں آمد کو بھی وہ سرے..... سے نامناسب خیال کر رہی تھی اس پر مزید رکنا تو اس کے خیال میں کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ بہر حال اس کی پڑھائی کا خیال کر کے جمشید علی خان بھی خاموش ہو رہے البتہ دادی مسلسل بڑبڑاتی رہی تھیں۔ وہ انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر منجھلے چچا کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



آ گئی۔ان کی بیٹیاں نمرہ اور بینا کالج جانے کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔اس نے چھوٹتے ہی انہیں اپنے جانے کا بتایا پھر کہنے لگی۔

''میں نے سوچا اسی وقت تم سے مل لوں پھر پتا نہیں کب ملاقات ہو۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم جا کیوں رہی ہو''۔

نمرہ نے کہا تو اس سے آگے بینا بول پڑی۔

''ہم تو سمجھے تھے اب تم یہیں رہو گی۔''

''یہاں رہوں یا وہاں، کیا فرق پڑتا ہے۔خیر پھر آؤں گی''۔اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''یونہی ایک دن کے لیے؟''۔

''نہیں، امتحانوں کے بعد بہت سارے دنوں کے لیے'' اپنے طور پر اس نے خوشخبری سنائی لیکن دونوں لڑکیاں خاموش ہو گئی تھیں جس پر اسے اپنے آپ میں بے حد شرمندگی محسوس ہوئی۔فوراً انہیں خدا حافظ کہہ کر چلی آئی اور دل تو نہیں چاہا کہ تایا جی کی بیٹیوں سے جا کر ملے۔پر یہ سوچ کر کہ وہ اپنی طرف سے کسی کو شکایت کا موقع کیوں دے۔بہت بے دلی سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر آ گئی۔فرناز آفس اور ارم یونیورسٹی جانے کے لیے نکل رہی تھیں۔اس نے انہیں بھی فوراً اپنے جانے کا بتایا تو جواب میں ان دونوں نے بھی وہی باتیں دہرائیں اور یہاں اور قدرے تلخ ہو گئی۔

''اتنی گھٹن میں رہنے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔''

''یہاں گھٹن ہے؟''۔فرناز نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''بہت زیادہ۔اور تم لوگ شاید عادی ہو چکے ہو اس لیے تمہیں محسوس نہیں ہوتی۔''

اپنی بات سے نہیں ہٹی تو ارم گھڑی دیکھتے ہوئے بولی۔

''اس وقت تو ہم جلدی میں ہیں ورنہ میں ضرورت تمہاری بات کو غلط ثابت کرتی''۔

''میں پھر آؤں گی''۔وہ قصداً مسکرائی اور ان دونوں کو عجلت میں جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔تبھی پیچھے سے کسی نے ہاؤ کی آواز نکال کر اسے ڈرانا چاہا لیکن وہ بڑے آرام سے پلٹی اور رات والے لڑکے کو دیکھ کر بس اسی قدر کہہ سکی۔



''آپ؟''

''جی۔خاکسار کو عثمان کہتے ہیں۔عثمان علی خان''۔

اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا سر خم کیا پھر اسے دیکھ کر شریر مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''اور آپ یقیناً جھرنا ہیں۔بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر''۔

''شکریہ۔لیکن رات آپ نے نہیں بتایا کہ آپ تایا جی کے بیٹے ہیں''۔اس گھر میں وہ پہلا شخص تھا جو اپنائیت کا اظہار کر رہا تھا۔اس لیے وہ بھی دوستانہ انداز میں بولی۔

''اگر آپ اپنا تعارف کراتیں تب تو میں بتاتا ناں۔اچھا خیر۔یہ آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں۔آیئے اندر چلیں''۔اس نے احساس ہونے پر کہا اور اسے لے کر اندر آیا تو تائی جی ایک نگاہ غلط انداز اس پر ڈال کر بیٹے سے کہنے لگیں۔

''تمہیں آفس سے دیر نہیں ہو رہی۔فرناز اور ارم کب کی جا چکیں''۔

''مجھے معلوم ہے''۔وہ لاپروائی سے کہہ کر اس کے لیے کرسی گھسیٹنے لگا۔

''اور تم کب جاؤ گے؟'' تائی جی کو اس کی مصروفیت ناگوار گزر رہی تھی اور اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی تھیں لیکن وہ اسے بٹھانے کے بعد بولا۔

''میں آج دیر سے جاؤں گا''۔پھر فوراً اس سے پوچھنے لگا۔چائے لاؤں آپ کے لیے؟''۔

''نو تھینکس۔میں ابھی ناشتا کر کے آ رہی ہوں''۔

''میرے لیے بنا لاؤ اور دیکھو سلمان سے بھی پوچھ لینا''۔

تائی جی نے اسی بہانے اس وہاں بھیج دیا اور وہ نادان نہیں تھی، سب کچھ سمجھ رہی تھی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تائی جی ایسا کیوں کر رہی ہیں کسی بات کا خدشہ ہے انہیں اور ان کا خدشہ دور کرنے کی خاطر ہی کہنے لگیں۔

''میں آج جا رہی ہوں''۔

تائی جی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اتنی جلدی؟''۔

''میں اکیلی نہیں ہوں۔ہم کالج کی لڑکیاں اپنی ٹیچر کے ساتھ آئی تھیں۔اور کل صبح

ہماری واپسی ہے ابھی میں چاہوں بھی تو نہیں رک سکتی کیونکہ ٹیچر اجازت نہیں دیں گی"۔ اس نے اپنے آنے اور جلدی جانے کا سبب بتایا تو تائی جی اوپری دل سے بولیں۔

"یہ کیا آنا ہوا"۔

اور وہ ابھی پھر آنے کا کہنا چاہتی تھی کہ ہلکی موسیقی کی لے پر مما کی آواز نے اسے بے چین کر دیا۔

ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"ٹی وی کہاں چل رہا ہے؟"

"سامنے والے کمرے میں"۔ تائی جی ابھی سمجھ نہیں پائی تھیں اور وہ فوراً ان کے کمرے سے نکل کر سامنے والے کمرے میں داخل ہوئی تو اسکرین پر مما کا چہرہ دیکھ کر وہ بے اختیار آگے بڑھی اور صوفے پر بیٹھ کر شوق سے سننے لگی۔

دل میں ایک لہر سی اٹھی ہے ابھی
کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی!

ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ تھامے، غیر معمولی چمکتی ہوئی آنکھیں اسکرین پر جمائے اسے گردوپیش کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ یہ تک خبر نہیں تھی کہ کمرے میں اس کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے۔ جو اس کی اچانک آمد پر پہلے ناگواری اور اب حیران ہو کر اسے دیکھ رہا تھا کس قدر والہانہ پن تھا اس کے ہر انداز میں اور گانے کے ساتھ گانے والی سے اس کی گہری وابستگی ظاہر ہو رہی تھی۔ غزل کے اختتام پر میزبان نے اس کی مما کو خوبصورت الفاظ میں سراہا اس کے بعد کسی اور پروگرام کی اناؤنسمنٹ ہونے لگی تو وہ جو بہت مگن سی تھی یہ خیال بھی نہیں رہا کہ اس وقت وہ اپنے گھر میں نہیں ہے۔ حسب عادت اٹھ کر ٹی وی کا بٹن آف کر دیا اور جیسے ہی پلٹی ایک پل کو واقعی اپنی جگہ سن ہو گئی کیونکہ عین سامنے صوفے پر وہ جو کوئی بھی تھا اس کے ٹی وی آف کرنے پر برہمی سے دیکھ رہا تھا۔

"آئی ایم سوری"۔ وہ بمشکل بول پائی اور دوبارہ ٹی وی آن کر کے جانے لگی کہ اسی وقت عثمان چائے لے کر آ گیا۔

"زبردست چائے بناتی ہے جھرنا جی۔ آپ مدتوں یاد رکھیں گی"۔ عثمان ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے اسے مخاطب کر کے بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"لیکن میں"۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ میں پہلے ہی چائے کو منع کر چکی ہوں لیکن عثمان نے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

"چائے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، ہر وقت پی جا سکتی ہے۔ خصوصاً میرے ہاتھ کی چائے کیوں بڑے بھائی؟" وہ اس سے بات کرتے کرتے اچانک اس شخص کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہوں۔ چائے تو واقعی تم اچھی بناتے ہو، لیکن بولتے فضول ہو"۔ بیک وقت تعریف و تنقید پر وہ پہلے ذرا سا کھانسا پھر اسے دیکھ کر بولا۔

"آپ کھڑی کیوں ہیں۔ بیٹھیں ناں!"

"نہیں بس میں چلتی ہوں"۔

"جی نہیں چائے پیے بغیر آپ نہیں جا سکتیں"

اس کے ساتھ ہی اس نے چائے کا کپ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ جسے لے کر ناچار اسے بیٹھنا پڑا۔ تب دوسرا کپ بھائی کی طرف بڑھاتے ہوئے ان سے پوچھنے لگا۔

"آپ کا تعارف ہو چکا جھرنا سے؟"

"کون جھرنا؟" انہوں نے پوچھا اس سے اور چونک کر دیکھا اسے تو وہ کہنے لگا۔

"جناب، یہی جھرنا ہیں، جمشید چچا کی دختر نیک اختر۔"

"آئی سی"۔ ان کی سمجھ میں آیا کہ وہ ٹی وی کے سامنے اتنے شوق سے کیوں بیٹھ گئی تھی۔ پھر بہت ہی لیے دیے انداز میں اس سے بولے۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"جی!" وہ ان کے "آئی سی" میں اُلجھ رہی تھی، جبھی مختصر جواب دیا۔ تب عثمان ان کا تعارف کراتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ اپنے سلمان بھائی ہیں۔ ابھی چھ ماہ پہلے امریکہ سے انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے لوٹے ہیں"۔

"حیرت ہے"۔ وہ چائے کا آخری سپ لے کر بولی تو عثمان تعجب سے پوچھنے لگا۔

"کس بات پر؟"

"ان کے امریکہ سے لوٹ آنے پر ورنہ وہاں جا کر کون واپس آتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''جنہیں اپنے گھر سے پیار ہو، وہ ضرور آتے ہیں''۔ وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہو
اور اسے مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر عثمان سے پوچھنے لگے۔

''تم آفس نہیں جاؤ گے؟''

''جاؤں گا، ذرا لیٹ!''

''کیوں؟''

''آج مجھے پہلے مارکیٹ جانا ہے اور آپ کو پتا ہے مارکیٹ گیارہ بجے سے پہلے نہیں
کھلتی''۔ عثمان نے سبب بتایا تو وہ مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئے۔

''ہاں تو جھرنا جی! آپ کو کیسا لگا یہاں آ کر، عثمان کے پوچھنے پر وہ چونک کر اس کی
طرف متوجہ ہوئی اور قدرے رک کر صاف گوئی سے بولی''۔

''سوری، میں جھوٹ نہیں بولنا چاہتی اور میرا سچ آپ کو اچھا نہیں لگے گا''۔ اس کے
ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو عثمان فوراً اس کی تقلید کرتے ہوئے بولا۔

''یہ تو ہمارے لیے افسوس کی بات ہے کہ آپ یہاں آ کر خوش نہیں ہوئیں''۔

''آپ پریشان نہ ہوں، اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں''۔ وہ قصداً مسکرائی اور اسے
اسی حالت میں چھوڑ کر نیچے چلی آئی۔

☆☆☆

گھر آتے ہی اس نے بوڑھی آیا جسے وہ اور مما دونوں اماں کہتی تھیں سے مما کے بارے
میں پوچھا کہ ان کا فون کتنی بار آ چکا ہے۔

''دو بار، کل رات میں اور آج صبح، اماں بتا کر کہنے لگیں''۔ صبح تو یقین سے کہہ رہی تھیں
کہ آج تم ضرور آ جاؤ گی''۔

''اچھا'' وہ ہنسی ''میں نے دس دن کا کہا تھا تو مما دن گنتی رہیں''۔

''ظاہر ہے بیٹی، اسے تمہارا خیال نہیں ہوگا تو اور کس کا ہوگا''۔ اماں کی بات پر اس۔
مما کے تصور میں کھو کر اثبات میں سر ہلایا پھر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ سفر کی تھکان دور کرنے
کے لیے پہلے شاور لیا اس کے بعد جو سوئی تو شام میں ہی اٹھی تھی۔ وہ بھی فون کی مسلسل بجتی بیل۔
اٹھایا تھا۔ اماں اور پارو پتا نہیں کہاں تھیں۔



اس نے بے حد جھنجھلا کر ریسیور اٹھایا۔ لیکن دوسری طرف مما کی آواز سنتے ہی اس کی
جھنجھلاہٹ اور نیند سب غائب ہوگئی۔

''کیسی ہیں مما آپ، کب آ رہی ہیں؟''

''میں ٹھیک ہوں بیٹا! تم سناؤ تمہارا ٹور کیسا رہا۔؟'' مما کے پوچھنے پر اسے ایک دم پاپا
کا خیال آ گیا اور اس کی آواز آپ ہی آپ مدھم ہوگئی۔

''بس مما! زیادہ مزہ نہیں آیا۔''

''کیوں؟''

''پتا نہیں!''

''اور ابھی بھی شاید تم بور ہو رہی ہو۔ ایسا کرو بیٹا ماموں کے ہاں چلی جاؤ یا پھر روبی کو
اپنے پاس بلا لو''۔ مما نے خود سے قیاس کر کے فوراً مشورہ بھی دے ڈالا جسے نظر انداز کر کے وہ
پوچھنے لگی۔

''آپ کب آئیں گی؟''۔

''دو تین روز میں آ جاؤں گی، یا اگر تم اچھا محسوس نہیں کر رہیں تو پروگرام کینسل کر کے
ابھی آ جاؤں''۔

''نہیں مما، میں ٹھیک ہوں، آپ اپنا پروگرام خراب نہیں کریں''۔

''او کے بیٹا! اپنا خیال رکھو''۔ مما نے تاکید سے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا، تب بھی کچھ دیر
تک وہ اسی طرح ریسیور تھامے کھڑی رہی۔ پھر پارو پر نظر پڑی تو اسے چائے کا کہہ کر لاؤنج میں آ
بیٹھی۔ شام ڈھل رہی تھی اور اس وقت کی ساحرانہ سی خاموشی اسے ہمیشہ سے بہت اچھی لگتی تھی۔
پارو چائے لے کر آئی تو اس نے کپ تھامتے ہی اسے جانے کا اشارہ کر دیا کیونکہ وہ بولتی بہت تھی
اور وہ سننے کے موڈ میں بھی نہیں تھی۔

پھر چائے پیتے ہوئے وہ سوچنے لگی کہ جب مما کو وہ یہ بتائے گی کہ کراچی میں وہ جمشید
علی خان بلکہ سب گھر والوں سے ملی تھی تو جانے مما کا ردعمل کیا ہوگا۔

''شاید انہیں افسوس ہوگا کہ میں ان کی اجازت کے بغیر۔''

''لیکن انہوں نے کبھی منع تو نہیں کیا''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''پھر بھی''۔ وہ خود ہی سوچتی رہی اور خود ہی جواز بھی ڈھونڈ رہی تھی۔ تبھی اس کی ماموں زاد روبی اور روحیل نے آ کر اس کی سوچوں کو منتشر کر دیا۔

''ہائیں تم تو زندہ سلامت ہونے کے ساتھ ہٹی کٹی بھی نظر آ رہی ہو، جبکہ پھوپھو تو کچھ اور کہہ رہی تھیں''۔ روبی نے گرنے کے انداز میں اس کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

''مما! مما نے کیا کہا؟''۔

''ابھی ان کا فون آیا تھا بہت پریشان ہو رہی تھیں کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اور یہ کہ ہم فوراً تمہارے پاس پہنچیں، تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائیں اور۔''

''بس۔'' روحیل کے ایک ہی سانس میں بولنے پر وہ دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر چیخی روحیل ٹوکنے سے باز نہیں آیا۔

''چلاؤ مت، گلا خراب ہو جائے گا۔''

''اور تم بکومت اور پلیز میرے سر پر مت کھڑے رہو، وہاں بیٹھو۔'' روحیل نے بڑ سعادت مندی دکھائی فوراً سامنے جا کر بیٹھا پھر بہت آرام سے پوچھنے لگا۔

''کیسی طبیعت ہے تمہاری، کیا ہوا تھا؟''

''مائی گاڈ! کچھ نہیں ہوا مجھے، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مما تو یونہی پریشان ہو جاتی ہیں حالانکہ ابھی کچھ دیر پہلے مجھ سے بھی فون پر بات کر چکی ہیں''۔ اس نے بتایا تو روبی کہنے لگی۔

''وہی تو کہہ رہی تھیں پھوپھو کہ آواز سے تم کچھ بیمار سی لگ رہی ہو''۔

''اصل میں میں اسی وقت سو کر اٹھی تھی خیر چھوڑو یہ بتاؤ ماموں جی اور مامی جی ہیں''۔ اس نے موضوع بدل کر ان دونوں کا دھیان اپنی طرف سے ہٹایا۔

''بالکل ٹھیک، چل رہی ہو، ممی تمہیں بہت یاد کر رہی تھیں''۔ روبی نے جواب دے کے ساتھ ہی شوق سے اسے ساتھ چلنے کو کہا تو وہ سستی سے بولی۔

''نہیں یار! آج ہی تو میں کراچی سے آئی ہوں۔ مامی جی کو میں ابھی فون کر لوں گی''

''فون بعد میں کر لینا، پہلے چائے اور ساتھ میں کچھ کھانے کو بھی منگواؤ، سخت بھوک رہی ہے''۔ روحیل نے سامنے ٹیبل پر ٹانگیں سیدھی کرتے ہوئے کہا تو وہ گھڑی دیکھ کر بولی۔



''کھانے کا وقت ہے بھوک تو لگے گی، کیا خیال ہے کھانا نہ کھالیں، اس کے بعد آئسکریم کھانے چلیں گے''۔

''میری جیب بالکل خالی ہے''۔ روحیل نے فوراً آگاہ کیا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''کوئی نئی بات نہیں ہے، تم پیدائشی کنگال ہو، اپنی بات ختم کرتے ہی اس نے پارو کو پکار کر کھانا لگانے کے لیے کہا پھر روبی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پارو! تم کہاں چلی گئی تھیں پارو، میں تمہاری جدائی میں بہت رویا۔'' وہ ان دنوں کے پیچھے۔ ڈائننگ روم میں داخل ہوا تو کھانا لگاتی پارو کو دیکھتے ہی ہمیشہ کی طرح ڈائیلاگ بولنے لگا۔

''تمہیں میری قسم پارو، اب مجھے چھوڑ کر کبھی نہیں جانا۔!''

''اوفوہ ایک تو تم پارو کو دیکھتے ہی دلیپ کمار بن جاتے ہو''۔ وہ اسے دھکا دے کر بولی پھر کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے پارو سے کہنے لگی۔

''پارو! تم فوراً اپنا نام بدل ڈالو''۔

''نہیں بی بی! صاحب ایسے بولتا تو ہم کو بہت اچھا لگتا''۔ پارو نے لجا کر کہا تو اس نے روبی اور روبی نے اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا پھر دونوں کے مشترکہ قہقہے سے کمرہ گونج اٹھا۔ جبکہ وہ سٹپٹا گیا تھا۔

پھر رات میں اس نے روبی کو اپنے پاس روک لیا تھا اور خود تو وہ سارا دن سوئی تھی۔ اس لیے اتنی جلدی نیند آنے کا سوال ہی نہیں تھا اور بیچاری روبی پریشان ہو گئی تھی جہاں آنکھیں بند کرتی وہ اسے جھنجھوڑ کر اٹھا دیتی۔

''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم میرے ساتھ یہ سلوک کرو گی تو میں روحیل کے ساتھ ہی چلی جاتی''۔ روبی نے سخت عاجز آ کر کہا تو وہ زور سے بولی۔

''اگر ایک رات نہیں سوؤ گی تو قیامت نہیں آ جائے گی۔''

''آخر تم چاہتی کیا ہو؟''

''میں تم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ بلکہ ایسی بات بتانا چاہتی ہوں جو تمہیں حیران کر دے گی''۔ اس نے تجسس پیدا کرنے کی کوشش کی تو روبی اپنی بوجھل آنکھوں کو زبردستی کھول کر بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''اچھا کرو مجھے حیران''۔اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر روبی کو دیکھا پھر ایک دم سے کہہ گئی۔

''میں کراچی میں اپنے پاپا سے ملی تھی!''

''کیا؟'' روبی کی نہ صرف نیند غائب ہوئی بلکہ اپنی جگہ اچھل پڑی۔''کیا کہا تم نے، کس سے ملی تھیں؟''

''پاپا سے اور، اور لوگوں سے بھی''۔اس کے بے تاثر لہجے پر روبی کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر پوچھنے لگی۔

''پھر میرا مطلب ہے کیسا لگا تمہیں!''

''پتا نہیں روبی! میں کچھ سمجھ نہیں پائی، نہ اپنے آپ کو نہ انہیں۔حالانکہ پاپا بہت محبت سے ملے گھر لے گئے۔لیکن ان کے گھر میں کہیں مجھے اپنائیت کا احساس نہیں ملا بلکہ سب مجھے خود سے دور بھاگتے ہوئے محسوس ہوئے۔اب پتا نہیں واقعی ایسا تھا یا میں نے غلط سمجھا'' وہ سوچتے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔آخر میں ایسی ہی پرسوچ نظروں سے روبی کو دیکھنے لگی تو اس نے پوچھ لیا۔

''پھوپھو کو بتا کر گئی تھیں؟''

''نہیں میرا پہلے سے کوئی پروگرام نہیں تھا ورنہ میں مما کو ضرور بتاتی۔اب آئیں گی تو!''

''نہیں جھرنا! تم انہیں کچھ مت بتانا۔روبی نے ٹوک کر کہا تو اس نے تعجب سے پوچھا۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ وہ ہمیشہ اس بات سے خائف رہتی ہیں کہ کہیں تم اپنے پاپا کے پاس نہ چلی جاؤ۔''

''ارے نہیں، ایسا نہیں ہے، وہ تو خود مجھ سے کئی بار کہہ چکی ہیں کہ میں اگر چاہوں تو پاپا سے ملنے جا سکتی ہوں۔'' اس نے روبی کی بات سے اتفاق نہیں کیا۔پھر پوچھنے لگی''۔تم سے کس نے کہا کہ وہ خائف رہتی ہیں؟''

''کسی نے نہیں۔میں نے خود کئی بار انہیں ممی ڈیڈی کے سامنے اس خدشے کا اظہار



کرتے سنا ہے۔''

''اچھا!'' اسے واقعی حیرت ہوئی تھی۔

☆☆☆

مما آئیں تو یہاں کتنے مقامی شوز ان کے منتظر تھے۔لیکن انہوں نے سب کے لیے منع کر دیا اور اپنے وعدے کے مطابق اگلے کئی دن صرف اس کے ساتھ وقت گزارا۔اس دوران کتنی بار اس کا دل چاہا کہ وہ انہیں اپنی پاپا سے ملاقات کے بارے میں بتائے لیکن پھر روبی کی باتیں سوچ کر خاموش رہ جاتی۔البتہ اسے کھوج لگ گئی تھی کہ کیا واقعی مما اندر سے خائف رہتی ہیں۔اس کے خیال میں اگر مما ایسے کسی خدشے سے پریشان رہتی ہیں تو اسے ان کا یہ خدشہ دور کر دینا چاہیے۔اس روز اتفاق سے مما نے خود ہی بات چھیڑ دی۔ہمیشہ کی طرح سرسری انداز میں کہنے لگیں۔

''بیٹا! تم کبھی اپنے باپ سے مل آؤ۔ایسا نہ ہو وہ سمجھیں میں نے ان کے خلاف تمہارے دل میں نفرت بھر رکھی ہے۔'' اور پہلی بار اس نے غور کیا کہ اس کا جواب سننے کے لیے مما کس قدر بے چین ہیں تب وہ قصداً لاپروائی اور قدرے بیزاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

''امتحانوں کے بعد سوچوں گی۔'' مما اس کے جواب سے پریشان ہو گئیں کیونکہ ہمیشہ وہ چھوٹتے ہی کہتی تھی کہ مجھے نہیں ملنا اور اب اگر اس نے ہامی نہیں بھری تھی تو منع بھی نہیں کیا تھا۔

''انہی امتحانوں کے بعد؟'' مما کا خدشہ ظاہر ہو گیا پھر بھی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''لیکن بیٹا میں تو سوچ رہی تھی۔اس بار تمہیں اپنے ساتھ لندن لے جاؤں گی۔''

''نہیں مما! اس بار میں پاپا کے پاس جاؤں گی۔'' اس نے گویا فیصلہ کر لیا اور مما کو سناٹے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔اس کے امتحان قریب آ گئے تھے اور وہ یکسوئی سے پڑھنا چاہتی تھی، لیکن مما بہانے بہانے سے اس کے آس پاس منڈلاتی رہتیں۔وہ جہاں ان کی بے چینی محسوس کر رہی تھی، وہاں اسے خود پر حیرت بھی ہو رہی تھی کہ مما کے اتنے قریب رہتے ہوئے بھی اس نے کبھی غور نہیں کیا۔اگر روبی نہ بتاتی تو وہ ابھی بھی بے خبر ہی رہتی لیکن اس کی سمجھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ مما کو ایسا خدشہ کیوں ہے۔ جبکہ اس نے کبھی پاپا کے بارے میں کرید کرید کر سوال نہیں کیے تھے، نہ ان سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا تھا۔

بہر حال اس نے سوچ لیا کہ ابھی وہ مما سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرے گی، اس لیے انہیں اپنے گرد منڈلاتے دیکھ کر وہ قصداً انجان بنی رہتی۔

پھر امتحان شروع ہوئے تو اس نے ہر بات ذہن سے جھٹک دی اور یہ بھی اچھا ہوا کہ مما لندن جانے کی تیاریوں میں لگ گئی تھیں، جبھی نہ صرف اسے یکسوئی سے پڑھنے کا موقع مل گیا بلکہ تمام پیپرز بھی اچھے ہو گئے، جس روز آخری پیپر دے کر آئی تو یہ سوچ کر سوئی تھی کہ رات سے پہلے نہیں اٹھے گی لیکن روہیل نے آ کر شام سے پہلے ہی اسے اٹھا دیا۔

''تم نے بہت بور کر دیا ہے، بس اب فوراً اٹھ جاؤ''۔

''تمہیں آج آنا ضروری تھا''۔ وہ اٹھ تو گئی لیکن نیند خراب ہونے پر جھنجھلائی ہوئی تھی۔

''وعدے کے مطابق تمہارے امتحان ختم ہونے کے بعد آیا ہوں، درمیان میں کہیں تمہیں ڈسٹرب نہیں کیا اور تم میرا احسان ماننے کے بجائے''۔

''کوئی احسان نہیں ہے''۔ اس نے فوراً ٹوک دیا۔ پھر پارو کو پکار کر چائے لانے کو کہا تو وہ منع کرتا ہوا بولا۔

''چائے وائے رہنے دو، چلو میرے ساتھ''۔

''کہاں؟''

''کہاں وہاں کا سوال بھی مت اٹھاؤ میں آج بہت اچھے موڈ میں ہوں، جہاں کہو گی لے چلوں گا''۔ اس کے اتنی فراخدلی کا مظاہرہ کرنے پر وہ شرارت سے پوچھنے لگی۔

''شاپنگ بھی کراؤ گے''۔

''خیر اب میرا موڈ اتنا اچھا بھی نہیں ہے''۔ اس نے اپنے چہرے پر فوراً سنجیدگی طاری کر لی تو وہ زور سے ہنس پڑی، پھر اسے چلنے کا کہہ کر بھاگ کر اپنے کمرے سے پرس اٹھا لائی، راستے میں خیال آیا تو کہنے لگی۔

''روبی کو بھی لے آتے!''



''اس کا ابھی ایک پیپر باقی ہے اور پریکٹیکل بھی پھر بھی میں نے اسے کہا تھا لیکن اس نے انکار کر دیا''۔ وہ جواب دے کر پوچھنے لگا۔ ''کس طرف چلیں؟''

''لبرٹی چلو، مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔ اپنے پیسوں سے''۔

''اپنے پیسوں سے کہنا ضروری تھا۔

''ہاں ورنہ تم گاڑی واپس موڑ دیتے''۔

''اس نے کہا تو وہ ایک دم گاڑی کو بریک لگا کر اسے دیکھتا ہوا بولا۔

''یہ تم، مجھے کچھ زیادہ نہیں سمجھنے لگیں''۔

''کچھ زیادہ۔ بہت زیادہ کہو۔ اول درجے کے کنجوس، کام چور، ڈھیٹ اور''۔

''بس کرو، کہیں میں ہواؤں میں نہ اڑنے لگوں''۔ وہ واقعی ڈھٹائی سے بولا تھا۔

''پھر لبرٹی میں اس نے جان بوجھ کر بہت دیر لگائی کیونکہ شاپنگ کے دوران اس نے سوچ لیا تھا کہ یہاں سے فارغ ہو کر وہ اسے چائنیز چلنے کو کہے گی اور وہاں اس کی جیب خالی کرائے گی، اور وہ واقعی بہت کنجوس تھا۔ چائنیز میں جیسے ہی وہ مینو دیکھنے لگی، وہ مسکین سی شکل بنا کر بولا''۔

''سنو، میری جیب میں صرف سو روپے ہیں''۔ وہ مینو ٹیبل پر پٹخ کر اسے گھورنے لگی تو جلدی سے بولا۔

''سوپ پی لیتے ہیں، کھانا گھر چل کر کھا لیں گے''۔

''جی نہیں''۔ اس نے پھر مینو اٹھا لیا اور اپنی تمام فیورٹ ڈشز پر نشان لگا کر مینو ویٹر کو تھما دیا۔ تب وہ خود کو بے بس ظاہر کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''اچھا ایسا کرو، کچھ پیسے ادھار دے دو، گھر جاتے ہی واپس کر دوں گا''۔

''میرا پرس خالی ہو چکا ہے''۔ وہ بے نیازی سے کہہ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی اور وہ اپنے آپ سے بولنے لگا۔

''برے پھنسے روہیل حسن! اس لڑکی نے تمہیں ذلیل کروانے کا پورا سامان کر دیا ہے۔ یقیناً آج کی رات یہاں بیرا گیری کرنی پڑے گی، اف اس موٹی عورت کے سامنے مؤدب کھڑا ہو کر یس میڈم کہتا ہوا کیسا لگوں گا''۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



وہ جو اس کی خود کلامی پر کان لگائے بیٹھی تھی بے ساختہ ہنس پڑی اور یونہی ہنستے ہوئے چہرہ اس کی طرف موڑا تو بالکل اتفاقیہ طور پر نظریں اس کے پیچھے بیٹھے شخص کی نظروں سے جا ٹکرائیں اور اس کی کھلتی ہوئی مسکراہٹ یکلخت غائب ہوگئی۔ دل اتنی زور سے دھڑکا کہ وہ خود پریشان ہوگئی۔

''کیا ہوا؟'' روحیل نے اس کی بدلتی کیفیت فوراً محسوس کرتے ہوئے پوچھا تو وہ جواب دینے سے کم اس کے پیچھے سے گھورتی نظروں سے بچنے کی خاطر اپنا پرس کھول کر پوری اس پر جھک گئی۔

''فکر مت کرو، میں بل ادا کرسکتا ہوں'' روحیل نے اپنی سمجھ کے مطابق کہا۔ وہ کچھ نہیں بولی، خود پر قابو پانے کے بعد سر اونچا کر کے بیٹھی تب پوچھنے لگی۔

''کیا کہہ رہے تھے تم؟''

''تم کیا کھنگالنے لگی تھیں؟'' وہ اس کے پرس پر نظر ڈالتا ہوا بولا تو وہ مسکرائی۔

''اپنی یادداشت!''

''کیا مطلب؟''

''بتاتی ہوں۔ ایک منٹ''۔ وہ کہتے ہوئے اٹھ کر اس کے پیچھے والی ٹیبل پر آئی اور سلام کرنے کے ساتھ پوچھنے لگی۔

''آپ سلمان علی خان ہیں ناں؟'' انہوں نے سگریٹ سلگانے کے بعد ایک نظر اس پر ڈال کر مختصر جواب دیا۔

''جی!''

''آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں، میں جھرنا ہوں''۔ اس نے قدرے اشتیاق سے اپنے بارے میں بتایا لیکن دوسری طرف ہنوز سرد مہری تھی۔

''میری یادداشت اتنی کمزور نہیں ہے''۔ وہ ان کی سرد مہری پر جز بز سی ہو کر رہ گئی تبھی روحیل نے اس کا بازو تھاما وہ بلا ارادہ ہی تعارف کرانے لگی۔

''یہ روحیل ہے میرا ماموں زاد اور روحیل یہ سلمان ہیں میرے تایا جی کے بیٹے''۔

روحیل نے بے حد حیران ہو کر اسے دیکھا اور اس کے گھورنے پر فوراً سنبھل کر ان کی طرف ہاتھ



بڑھاتا ہوا بولا۔

''گلیڈ ٹو میٹ یو''۔

''تھینک یو'' انہوں نے ہاتھ ملانے میں بہت تکلیف سے کام لیا پھر اسے دیکھ کر بولے''۔ اگر آپ لوگ یہاں بیٹھنا چاہیں تو پلیز۔

''نو تھینکس''۔ اس نے فوراً منع کرنے کے ساتھ روحیل کو اپنی ٹیبل کی طرف دھکیلا اور اس بار روحیل کو سامنے بٹھا کر خود ان کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گئی۔

''تم کیسے جانتی ہو انہیں؟'' روحیل نے اس کی طرف جھک کر سرگوشی میں پوچھا تو وہ لاپروائی سے بولی۔

''ایک بار اتفاقیہ ملاقات ہوئی تھی۔''

''کب، کہاں، اور تم نے پہلے نہیں بتایا۔''

''یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں تھی اور پلیز اب سیدھے ہو کر بیٹھو، کھانا کھاؤ اور چلنے کی بات کرو''۔ وہ اس کے سوالوں سے تنگ آ کر بولی اور فوراً کھانے کی طرف متوجہ ہوگئی۔ کچھ دیر بعد غالباً احساس ہونے پر روحیل اسے متوجہ کر کے بولا۔

''سنو، انہیں بھی یہیں بلا لو'' اور وہ جو ان کے رویے پر اندر ہی اندر تلملا رہی تھی اسی لہجے میں بولی۔

''کیوں؟''

''شریف آدمی لگ رہے ہیں۔ ہمارا بل بھی پے کر دیں گے''۔

''کیا؟'' وہ بے اختیار چیخی اور اسے مارنے کے لیے پلیٹ اٹھانے لگی کہ وہ فوراً بولا۔

''یہ گھر نہیں ہے؟''

''تم انتہائی ذلیل آدمی ہو، آئندہ تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی''۔ وہ سچ مچ ناراض ہوگئی اور کھانا کھانے سے بھی انکار کر دیا۔ روحیل نے بہت ہاتھ جوڑے کان پکڑے لیکن وہ مان کے نہیں دی۔ مجبوراً اس نے ویٹر کو بلا کر بل پے کیا پھر اسے چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی ضدی بھی ہو''۔ وہ ان سنی کر کے اپنا دوپٹہ ٹھیک کرنے میں لگی رہی تب وہ اس کے پیچھے نظر ڈال کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''سنو، انہیں خدا حافظ تو کہہ دو، میرا مطلب ہے اخلاقاً''۔

''تم ہی نبھاؤ اخلاقی تقاضے، میں جا رہی ہوں''۔ وہ کہتے ہوئے باہر نکل آئی۔

رات کو کتنی دیر تک وہ مما کے انتظار میں جاگتی رہی کیونکہ سلمان کے رویے کو سوچتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ انہوں نے اور کراچی میں دو دن قیام کے دوران سب گھر والوں نے جان بوجھ کر اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کی ہے اور ایسا رویہ اختیار کیا ہے تاکہ وہ دوبارہ وہاں نہ جا سکے اور اسے خود وہاں جانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ لیکن اب محض ضد میں اس نے فوراً جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی لیے مما کے انتظار میں جاگتی رہی تاکہ انہیں اپنے پروگرام سے آگاہ کر سکے۔ لیکن مما کا کچھ پتا نہیں تھا۔ صبح وہ اپنے کسی پروگرام کے بارے میں بتا تو رہی تھیں اور اس وقت وہ اتنی عجلت میں تھی کہ ٹھیک سے سن نہیں سکی، اب اپنا آپ جھنجھلا رہی تھی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ تب اس نے لائٹ آف کر دی۔

صبح اٹھتے ہی اس نے مما کے خاص کمرے کا رخ کیا۔ اس وقت تک مما نے کوئی غزل نہیں چھیڑی تھی البتہ ستار کے تاروں کو ان کی انگلیاں رک رک کر چھو رہی تھیں۔ اس نے بیٹھتے ہی فیض کی نظم..... ''بہار آئی'' سنانے کی فرمائش کی تو مما ستار کندھے سے لگاتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔

''تم گاؤ!''

''میں''۔ وہ ذرا سا ہنسی ''نہیں مما میری آواز اچھی نہیں ہے''۔

''کون کہتا ہے۔ اتنی پیاری آواز ہے تمہاری، گاؤ''۔ مما نے اس کی ہمت بندھا کر اصرار کیا تو وہ منع نہیں کر سکی۔

بہار آئی تو جیسے یکبار
لوٹ آئے ہیں پھر عدم سے
وہ خواب سارے، شباب سارے
جو تیرے ہونٹوں پہ مر مٹے تھے
جو مٹ کے ہر بار پھر جیے تھے
نکھر گئے ہیں گلاب سارے



اس کے بعد وہ بھول گئی اور مما کو دیکھ کر نفی میں سر ہلانے لگی تو انہوں نے خود گانا شروع کر دیا۔

نکھر گئے ہیں گلاب سارے
جو تیری یادوں سے مشکبو ہیں
جو تیرے عشاق کا لہو ہیں
ابل پڑے ہیں عذاب سارے
ملال احوال دوستاں بھی
خمار آغوش مہ وشاں بھی
غبار خاطر کے باب سارے
تیرے ہمارے
سوال سارے جواب سارے
بہار آئی تو کھل گئے ہیں
نئے سرے سے حساب سارے

''ایکسیلینٹ'' اس نے تالی بجائی پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر مما کے پاس آ کر بیٹھی اور ان کے گلے میں بازو ڈالتی ہوئی بولی۔

''میں بھلا آپ کی طرح کہاں گا سکتی ہوں، مجھے تو سُروں کا بھی پتا نہیں ہے۔ بس اتنا جانتی ہوں کہ سات سر ہیں''۔

''تمہیں زیادہ جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے''۔ مما نے ستار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا تو اس نے چونک کر دیکھا پھر اچانک کسی خیال کے تحت بظاہر سیدھے سادھے انداز میں پوچھنے لگی۔

''کیوں مما! اگر کبھی میں آپ کی طرح گانا چاہوں تو۔؟''

''نہیں''۔ مما نے سختی سے ٹوکا پھر ایک دم نرم پڑ کر کہنے لگیں''۔ یہ بہت محنت طلب کام ہے بیٹا پھر انسان صرف اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے''۔

''یہ تو ہے''۔ اس نے فوراً تائید کر کے خود ہی انہیں مشکل سے نکال لیا پھر اٹھتی ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



بولی "چلیں ناشتا کرلیں"۔

"تم چلو میں آتی ہوں"۔ مما نے کہا تو وہ خاموش ہو کر باہر نکل آئی۔ پارو کو ناشتا لگانے کا کہہ کر اس نے اپنے کمرے کا رخ کیا اور لباس تبدیل کرنے کے بعد ڈائننگ روم میں آئی کچھ دیر بعد مما آئی تو بیٹھتے ہی پوچھنے لگیں۔

"تمہارے امتحان ختم ہو گئے۔؟"

"جی کل آخری پیپر تھا"۔ اس نے جواب دیتے ہوئے غور سے مما کو دیکھا کہ ابھی وہ اس سے آئندہ کا پروگرام پوچھیں گی لیکن وہ اخبار پر نظریں دوڑانے لگیں تھیں، تب اس نے پہلے سلائس پر مکھن لگا کر پلیٹ ان کے آگے کھسکائی پھر پوچھنے لگی۔

"مما! آپ لندن کب جا رہی ہیں؟"

"ہوں"۔ مما نے اخبار سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا"۔ ابھی میرا پروگرام فائنل نہیں ہوا"۔

"لیکن میں اپنا پروگرام فائنل کر چکی ہوں۔ آئی مین پاپا کے پاس جانے کا"۔ اس نے کہا تو مما فوراً کچھ نہیں بولیں، اخبار رول کر کے ایک طرف رکھا پھر ٹی پاٹ اپنی طرف کھینچتے ہوئے بس اسی قدر کہہ سکیں۔

"کب؟"

"آپ کل کا ٹکٹ منگوا دیں۔ آج میں تیاری کر لوں گی اور پاپا کو فون بھی کر دوں گی"۔ مما کا رنگ پھیکا پڑتے دیکھ کر بھی اس نے اپنا پروگرام بتا دیا پھر پوچھنے لگی۔

"پاپا مجھے دیکھ کر خوش تو ہوں گے ناں؟"

"کیوں نہیں"۔ مما دھیرے سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور اس سے پہلے کہ وہ روکتی کمرے سے نکل گئیں۔ وہ بمشکل خود کو ان کے پیچھے جانے سے روک سکی اور بے دلی سے ناشتا کرنے لگی۔

پھر سارا دن مما نے اس سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی، البتہ خود کو نارمل پوز کرنے کی خاطر روزمرہ کے کاموں میں پارو کے سر پر سوار رہیں۔ وہ ان کی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ اگر وہ اپنا جانا ملتوی کر دے تو مما کتنی خوش ہو جائیں گی۔ لیکن وہ انہیں یہ وقتی



خوشی نہیں دینا چاہتی تھی اس کے برعکس اس نے کچھ اور سوچ رکھا تھا۔

شام میں مما کا منیجر اس کا ٹکٹ لے آیا تب اس نے اسی وقت پاپا کو فون کر کے اپنی اگلے روز آمد کے بارے میں بتا دیا۔ اس کے بعد اپنی تیاری میں لگ گئی۔ گو کہ اس کا زیادہ دنوں کا پروگرام نہیں تھا پھر بھی اس نے پورا سوٹ کیس کپڑوں سے بھر لیا۔ تبھی اچانک اسے عائشہ اور سعد کا خیال آیا اور یہ کہ ان کے لیے کچھ لے کر جانا چاہیے۔ بس اسی وقت گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل آئی۔ راستے میں اس نے سوچا کہ روبی یا روحیل کو ساتھ لے لے لیکن شام ڈھل چکی تھی اور مزید دیر ہو جانے کے خیال سے اس نے گاڑی لبرٹی کی طرف موڑ دی۔

پھر عائشہ اور سعد کے لیے اس نے ریڈی میڈ سوٹ خریدے آنٹی کے لیے ساڑھی البتہ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آیا اسے پاپا کے لیے بھی کچھ لینا چاہیے یا نہیں اور اگر لے بھی تو کیا۔ یہی سوچتی ہوئی وہ ایک شوروم میں داخل ہوئی اور شوکیس میں رکھی خصوصاً مردانہ استعمال کی اشیاء دیکھنے لگی، پھر اس نے گولڈ چین کی رسٹ واچ لے لی، اور اسے بیگ میں رکھ کر بقیہ شاپرز اٹھا کر جیسے ہی پیچھے ہٹی اس کا پاؤں پیچھے سے آتے شخص کے جوتے پر آ گیا۔

"سوری!" وہ فوراً آگے بڑھ کر پلٹی تو سلمان کو دیکھ کر بس آپ ہی آپ اس کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو گئیں اور یوں جیسے کسی اجنبی سے معذرت کی جائے دوبارہ بولی۔

"آئی ایم سوری!"

"نیور مائنڈ!" وہ کہہ کر دوسری طرف مڑ گئے۔ تو اس پر خوامخواہ کی جھنجھلاہٹ سوار ہو گئی۔

"سمجھتے کیا ہیں اپنے آپ کو جیسے مجھے ان سے بات کرنے کا بہت شوق ہے۔ ہونہہ مائی فٹ"۔ تمام راستہ وہ بڑبڑاتی رہی تھی۔

رات میں جب مما سونے کے لیے اپنے کمرے میں گئیں تب وہ بھی ان کے پیچھے چلی آئی اور ان کے برابر لیٹتی ہوئی بولی۔

"مجھے آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں مما! آپ کو نیند تو نہیں آ رہی"۔

"کیسی باتیں؟" مما نے چونک کر دیکھا تو اس نے اپنا سر ان کے سینے پر رکھ دیا پھر ان کا ہاتھ تھام کر اپنے گال سے لگاتے ہوئے بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''میں نے کبھی آپ سے پاپا کے بارے میں نہیں پوچھا کوئی سوال نہیں کیا۔ لیکن اب جبکہ میں ان سے ملنے جارہی ہوں تو میں سمجھتی ہوں مجھے اتنا بے خبر نہیں ہونا چاہیے۔ وہاں اور لوگ بھی تو ہوں گے مما اور اگر کسی نے آپ کی پاپا سے علیحدگی کی بات چھیڑ کر سارا الزام آپ پر رکھ دیا تو مجھے اچھا نہیں لگے گا۔''

''الزام تو ہمیشہ عورت پر ہی آتا ہے بیٹا! خواہ قصوروار کوئی بھی ہو''۔ اس کے خاموش ہونے پر مما نے اس کا گال تھپک کر کہا تو وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کر بیٹھی۔

''میں جانتی ہوں مما! پھر بھی مجھے اصل بات معلوم ہونی چاہیے''۔ مما کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہیں پھر گہری سانس لے کر بولیں۔

''اصل بات یہ ہے بیٹا کہ ہم دونوں ہی قصوروار تھے۔ اپنی اپنی ضد اور انا کے زعم میں ہمارے لیے کمپرومائز بھی مشکل ہوگیا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ مجھے گھر اور شوہر کی اہمیت کا اندازہ نہیں تھا اس اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے ہی میں نے خود کو بہت پابند کرلیا تھا۔ لیکن جمشید علی خان کی طرف سے بداعتمادی کے اظہار نے مجھے ان سے دور کردیا۔'' مما خاموش ہوکر اسے یوں دیکھنے لگیں جیسے پوچھ رہی ہوں، اتنا جان لینا کافی ہے لیکن اس کی آنکھوں میں بے شمار سوال تھے، تب وہ گئے دنوں کو سوچتی ہوئی کہنے لگیں۔

''میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ مجھے گانے کا شوق ورثے میں ملا۔ کیونکہ میرے خاندان میں دور دور تک کوئی گانے والا نہیں تھا۔ اور مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میری آواز اچھی ہے۔ ایک بار سہیلیوں کے درمیان گاتے ہوئے ٹیچر نے سن لی تو نہ صرف میری آواز کی تعریف کی بلکہ کالجوں کے مابین ہونے والے موسیقی کے مقابلوں میں مجھے منتخب بھی کرلیا۔ بس وہیں سے میں نے گانا شروع کیا۔ جتنی تعریف ہوتی اتنا شوق بڑھتا جاتا۔ شاید تم یقین نہ کرو، میرے..... یونیورسٹی پہنچنے سے پہلے میری آواز کے چرچے وہاں تک پہنچ چکے تھے۔

انہی دنوں میں نے ریڈیو پر گانا شروع کیا تو میری حوصلہ افزائی کرنے والوں میں سرفہرست جمشید علی خان تھے۔ اس وقت وہ ٹیلی وژن کارپوریشن میں ایگزیکٹو انجینئر تھے۔ بہرحال جب ہماری شادی ہوئی اس وقت میرا ایک نام تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ میرا نام شہرت کے آسمان پر پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا''۔ مما خاموش ہوکر جانے کیا سوچنے لگیں کہ اس نے



فوراً پوچھ لیا۔

''تو کیا پاپا نے آپ کو گانے سے منع کردیا تھا''۔

''نہیں''۔ مما چونک کر بولیں۔ فوراً منع نہیں کیا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ مجھ سے وعدہ کر چکے تھے کہ مجھے گمنام نہیں ہونے دیں گے، اس لیے اپنے گھر والوں کی مخالفت کے باوجود میرا ساتھ دیتے رہے اور جب تک ان کی حمایت حاصل رہی۔ میں نے کسی کی پروا نہیں کی۔ دو تین سال، پھر تمہاری پیدائش پر میں نے خود اپنی باہر کی مصروفیات کم کردیں اور اگر اس وقت جمشید علی خان صاف لفظوں میں مجھ سے کہتے کہ میں گانا بالکل چھوڑ دوں تو شاید میں ان کی بات مان لیتی لیکن انہوں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا یعنی انتظار میں رہتے جہاں مجھ سے ذرا سی کوتاہی ہوتی وہیں گرفت کرلیتے۔

''تم صرف گانا اچھا گا سکتی ہو، اچھی بیوی نہیں بن سکتیں، اور اچھی ماں بننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''۔

ان کے یہ الفاظ مجھے ضد دلاتے تھے پھر بھی میں نے موسیقی کی دنیا سے دھیرے دھیرے کنارہ کشی اختیار کرنی شروع کردی۔ اس پر بھی انہیں چین نہیں آیا۔ طنزیہ انداز میں پوچھتے تھے۔

''کیا بات ہے آجکل تمہیں پروگرام نہیں مل رہے''۔ بہرحال یہاں تک قابل برداشت تھا اور اس روز میری برداشت کی حد ختم ہوگئی جب انہوں نے کہا تھا۔

''کشش تمہارے گانے میں نہیں تم میں تھی۔ جو تمہیں ہر پروگرام کی زینت بنایا جاتا تھا۔ اب ایک بچی کی ماں ہوکر تم لوگوں کی توجہ حاصل نہیں کرسکتیں''۔

مجھے بہت دکھ ہوا اور میں آخر وقت تک جمشید علی سے کہتی رہی کہ وہ اپنے الفاظ واپس لیں ورنہ میں انہیں دکھا دوں گی کہ لوگ اب بھی مجھے سننا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ نہیں مانے الٹا چیلنج دیتے رہے اور اگر میں ان کا چیلنج قبول نہ کرتی، تب بھی مجھے ان کے ساتھ نہیں رہنا تھا۔ کیونکہ زندگی اگر ان کے بغیر دشوار ہوسکتی تھی تو ان کے ساتھ دشوار ترین تھی۔ بہرحال بہت وقت گزر گیا ہے اور میں سمجھتی ہوں جو ہوا ٹھیک ہوا''۔ آخر میں مما قصداً ذرا سا مسکرائیں تو وہ جوان پر نظریں جمائے بیٹھی تھی پر سوچ انداز میں بس ذرا سا سر ہلا سکی پھر قدرے توقف سے پوچھنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"اور مما! پاپا کے گھر والے، آئی مین ان کے ماں باپ بہن بھائی۔ انہوں نے آپ کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کیا؟"۔

"وہ کیا تعاون کرتے، جب وہ مجھے پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ خصوصاً ان کے گھر کی عورتیں اپنے ہر انداز سے مجھ پر واضح کرنے کی کوشش کرتیں جیسے میں بہت خراب عورت ہوں اور مجھ سے یوں دور بھاگتیں کہ کہیں میں انہیں بھی نہ خراب کر دوں"۔ مما نے بتایا تو اسے یاد آیا کہ اس کے ساتھ بھی سب اسی طرح پیش آئی تھیں۔ تایا جی کی بیٹیاں فرناز اور ارم اس کی موجودگی میں بے نیاز ہی نہیں اتری تھیں۔ اسی طرح منجھلے چچا کی بیٹیاں نمرہ اور مینا اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔

"تم کیا سوچنے لگیں؟" مما کے ٹوکنے پر وہ چونک کر بولی۔

"کچھ نہیں"۔ پھر انہیں سونے کا کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ زیرو پاور کا بلب آن کر کے ٹیوب لائٹ آف کی پھر دروازے تک آ کر ایک دم پلٹ کر بولی تھی۔

"کوئی کچھ بھی سمجھے مما میں ہمیشہ آپ سے محبت کرتی رہی ہوں، اور کرتی رہوں گی"۔

☆☆☆

"گزشتہ بار وہ مجبوری کے عالم میں یہاں آئی تھی۔ پھر گھر کے افراد کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتی تھی۔ اس لیے ان کے رویوں سے پریشان ہو گئی تھی۔ لیکن اب وہ بہت سوچ سمجھ کر آئی تھی"۔

"میں آ گئی ہوں دادی، اپنے وعدے کے مطابق امتحان ختم ہوتے ہی"۔ اس نے اپنے انداز سے دادی کو بازوؤں میں بھینچ کر کہا۔ اس کی آواز میں شوخی تھی اور چہرے پر چمکتی ہوئی مسکراہٹ جیسے وہ یہاں آ کر بہت خوش ہو اور جواباً دادی نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔

"اچھا کیا، اب یہیں رہو گی ناں؟"

"بالکل یہیں رہوں گی جب تک آپ خود جانے کو نہیں کہیں گی"۔

"لو میں کیوں جانے کو کہوں گی"۔ دادی نے براسا منہ بناتے ہوئے کہا تو وہ پھر ان سے لپٹ گئی۔

"مجھے پتا ہے آپ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ کرتی ہیں ناں دادی؟" شوخی



پوچھتے ہوئے وہ بغور دادی کو دیکھ رہی تھی جو بڑے آرام سے جواب گول کر گئیں اور کہنے لگیں۔

"بہن بھائی سے نہیں ملو گی، جاؤ ان سے ملو"۔

"ارے ہاں۔ کہاں ہیں عائشہ اور سعد اس نے دادی کے بات بدلنے کو محسوس کیا لیکن اپنا انداز ہنوز رکھا۔ یعنی اشتیاق سے عائشہ اور سعد کا پوچھتے ہوئے ان کے کمرے سے نکل آئی۔

اس بار کیونکہ اس نے پہلے ہی اپنے آنے کی اطلاع دے دی تھی اسی لیے پاپا نے شاید عائشہ اور سعد کو سمجھا دیا تھا جبھی وہ دونوں اس سے بہت اچھی طرح سے ملے۔ البتہ آنٹی سرسری انداز میں رسمی جملے بول کر چلی گئیں تو عائشہ نے فوراً ان کی طرف سے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

"اصل میں ممی کھانا پکا رہی ہیں، اس لیے وہ"۔

"میں نے کچھ کہا ہے"۔ عائشہ کی بات پوری ہونے سے پہلے وہ بول پڑی پھر اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر بیڈ پر بیٹھتی ہوئی کہنے لگی۔

"میں جانتی ہوں، میرے آنے سے کسی کو کوئی دلچسپی نہیں ہے اور شاید تم اور سعد بھی خوش نہیں ہوئے"۔

"نہیں آپی! میں بہت خوش ہوں" سعد نے دوسری طرف بیٹھ کر اس کا بازو تھام لیا اور صاف گوئی سے بولا۔ "پتا ہے کل جب پاپا نے آپ کے آنے کا بتایا تو خوشی کے مارے مجھے ساری رات نیند نہیں آئی"۔

"واقعی"۔ اس نے خوشگوار حیرت میں گھر کر اسے دیکھا۔ تو وہ جلدی سے بولا۔

"عائشہ سے پوچھ لیں۔ صبح ناشتے کی ٹیبل پر میں جمائیاں لے رہا تھا اور سکول میں تو سو بھی گیا تھا"۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے"۔ عائشہ نے اس کی تائید کی تو وہ اس سے پوچھنے لگی۔

"اور تم، تمہیں میرے آنے سے خوشی نہیں ہوئی؟"

"بالکل نہیں"۔ عائشہ سے پہلے سعد بول پڑا۔ "رات جب میں نے اس سے کہا کہ آپی آ رہی ہیں تو یہ کہہ رہی تھی، میں کیا کروں؟"

"جھوٹ مت بولو"۔ عائشہ اپنی خجالت چھپانے کو سعد پر بگڑنے لگی۔ "تم بہت بدتمیز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ہو، میں پاپا سے تمہاری شکایت کروں گی۔"

"کر دینا۔ میں بھی کہوں گا تم۔"

"بس"۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر سعد کو خاموش کرایا۔ پھر کہنے لگی۔" تم دونوں لڑو نہیں مجھے پتا ہے عائشہ نے بس یونہی کہہ دیا ہوگا۔ ورنہ یہ میرے آنے سے بہت خوش ہے اور اگر نہیں بھی ہے تو مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں۔ اچھا دیکھو میں تمہارے لیے کیا لائی ہوں۔" وہ ان دونوں کے درمیان سے اٹھ کر اپنے سوٹ کیس کے پاس آئی اور اسے کھول کر ان کے کپڑے نکالنے لگی وہ دونوں اشتیاق سے اس کے قریب چلے آئے۔ اس نے باری باری دونوں کو ان کے پیکٹ تھمائے پھر آنٹی کے لیے لائی ہوئی ساڑھی کا پیکٹ نکال کر عائشہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"یہ تمہاری ممی" کے لیے ہے۔ پتا نہیں انہیں پسند آئے گی کہ نہیں"۔

"اور پاپا کے لیے کیا ہے؟" سعد پیچھے سے اس کے سوٹ کیس میں جھانکتا ہوا پوچھنے لگا۔

"پاپا کے لیے۔" وہ سوٹ کیس بند کرتے ہوئے بولی۔" جب میں پاپا کو دوں گی دیکھ لینا۔ یہ بتاؤ تمہیں اپنے سوٹ پسند آئے کہ نہیں"۔

"بہت اچھے ہیں۔ میں ممی کو دکھاتا ہوں"۔ سعد کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا اور اس کے پیچھے عائشہ بھی، تب شاور لینے کی غرض سے اس نے واش روم کا رخ کیا۔

پھر دوپہر کے کھانے کے بعد وہ جان بوجھ کر سو گئی اور جب شام میں اٹھی تب پہلے منجھلے چچا کی طرف جا کر کچھ دیر وہاں نمرہ اور بینا کے پاس بیٹھی اس کے بعد تایا جی اور تائی جی کو سلام کرنے اوپر چلی آئی۔

"کب آئیں؟" تائی جی نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہی یوں پوچھا جیسے اس کی آمد سے بے خبر ہوں۔

"آج ہی آئی ہوں۔ غالباً گیارہ بجے"۔ ان کے انجان بننے پر وہ بھی جتا کر بولی۔ انہوں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"اچھا، ہمیں پتا ہی نہیں چلا"۔

"فرناز اور ارم کہاں ہیں؟" اس نے ان سنی کر کے پوچھا اور ان کے بتانے پر فرنا



کے کمرے میں آئی تو وہ دونوں بہنیں بیڈ پر زرق برق کپڑے پھیلائے بیٹھی تھیں جنہیں دیکھ کر وہ بے اختیار بولی۔

"ارے واہ۔ یہاں تو شادی کا سماں ہے"۔ پھر ایک دم قدم روک کر پوچھنے لگی"۔ کیا میں آسکتی ہوں؟"

"ہاں ہاں آؤ"۔ فرناز نے کپڑے ایک طرف کر کے اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی پھر پوچھنے لگی" کیسی ہو۔؟"

"ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں، کیا واقعی کسی کی شادی ہو رہی ہے؟" اس نے جھلملاتے کپڑوں کی طرف اشارا کرتے ہوئے ارم کو دیکھا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی۔

"ہاں، فرناز کی شادی طے ہوئی ہے؟"

"اچھا۔ پھر تو میں اچھے موقعے پر آئی ہوں"۔ اس نے خوشی کے اظہار کے ساتھ شوق سے کہا لیکن پھر اپنے آپ میں کٹ کر رہ گئی کیونکہ جواب میں دونوں میں سے کسی نے مروتاً بھی اس کی تائید نہیں کی۔ بلکہ یکسر نظر انداز کر کے فرناز ایک سوٹ کا کپڑا پھیلاتی ہوئی ارم سے پوچھنے لگی۔

"ہاں بتاؤ، اس پر موتیوں کا کام کیسا لگے گا؟" اور دونوں بہنیں ایسی ہی باتیں کرنے لگیں اس پر یہ کام اس پر وہ کام، ذرا احساس نہیں تھا کہ وہ بھی وہاں موجود ہے۔ اگر اپنا کام نہیں چھوڑ سکتی تھیں تو اسے بھی ساتھ شامل کر لیتیں یہ بھی نہیں۔ تب اکتا کر وہ اٹھنے لگی تھی کہ عثمان آ گیا اور ایک وہی تھا جو پہلے بھی اس سے اچھی طرح سے ملا تھا۔ اب بھی دیکھتے ہی خوش ہو کر بولا۔

"ارے جھرنا جی، آپ کب آئیں۔ ٹھیک تو ہیں ناں!"

"جی!" فرناز اور ارم کے رویے سے وہ جز بز ہو رہی تھی جبھی اسی قدر کہہ سکی۔

"بہت خوشی ہوئی آپ سے دوبارہ مل کر۔ اب تو یہاں رہیں گی ناں" عثمان نے شوق سے پوچھا تو جواب میں اس سے پہلے ارم بول پڑی۔

"یہ اتنی گھٹن میں رہنے کی عادی نہیں ہیں۔"

وہ سمجھ گئی ارم نے اس کی گزشتہ بار کی کہی بات دہرائی ہے۔ تب وہ اسی پر قائم رہ کر بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"گھٹن تو واقعی بہت ہے پھر بھی میں اتنی جلدی واپس نہیں جاؤں گی"۔

"یہ ہوئی نا بات"۔ عثمان نے اپنی ہتھیلی پر مکا مارا پھر دونوں بہنوں کو مصروف دیکھ کر کہنے لگا۔

"یہ تم دونوں کیا جہیز پھیلا کر بیٹھ گئی ہو۔ کچھ مہمان کی خاطر تواضع کرو"۔

"تو تھینکس، یوں بھی میں مہمان نہیں ہوں"۔ وہ جلدی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تو جا کہاں رہی ہیں، بیٹھیں ناں!"

"کوئی اتنی دور نہیں جا رہی۔ یہیں نیچے ہوں"۔ وہ مسکرا کر کہتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔

اور اگر اسے ضد سی نہ ہو گئی ہوتی تو ابھی بھی وہ فوراً واپسی کا سوچتی کیونکہ ایسے رویوں کی وہ عادی نہیں تھی، لیکن اب وہ سوچ کر آئی تھی۔ اس لیے سب کی سرد مہری کو انتہا درجے کی بدتمیزی قرار دے کر اپنے آپ اطمینان سے ہو گئی تھی۔ دن میں جب تک عائشہ اور سعد سکول میں ہوتے، وہ دادی کے پاس بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتوں میں وقت گزارتی، پھر سکول سے آنے پر عائشہ کو اس کی ممی زبردستی اپنے ساتھ کسی نہ کسی کام میں لگا لیتیں جبکہ سعد ان کے کہنے میں نہیں آتا تھا۔

البتہ شام میں عائشہ سارے کام چھوڑ کر اس کے ساتھ لگ جاتی۔ جس سے وہ سمجھ گئی کہ محض پاپا کے ڈر سے وہ اسے کمپنی دے رہی ہے۔ شاید وہ لڑکی مجبور تھی۔ دن میں ماں کے ڈر سے اس کے پاس نہیں آتی تھی اور شام میں باپ کے ڈر سے اس کے پاس سے ہٹتی نہیں تھی اور پتا نہیں اس کی اپنی مرضی کیا تھی۔ اس رات اس کے برابر لیٹتی ہوئی وہ اس سے پوچھنے لگی۔

"سنو، کیا تمہاری ممی تمہیں مجھ سے بات کرنے سے منع کرتی ہیں؟"

"نہیں تو!" عائشہ اس چانک سوال پر سٹپٹا کر بولی تو اس نے بہت پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے سینے پر رکھ لیا اور نرمی سے بولی۔

"مجھ سے جھوٹ نہیں بولو عائشہ میں سب سمجھتی ہوں اور مجھے سعد نے بھی بتایا ہے"۔

"سعد تو یونہی"۔

"نہیں۔ سعد جھوٹ نہیں بولتا"۔ وہ فوراً ٹوک کر بولی۔ "تم بھی سچ بولو۔ میں برا نہیں مانوں گی"۔



"پتا نہیں آپی! ممی کیوں منع کرتی ہیں حالانکہ آپ تو اتنی اچھی ہیں، اتنی اچھی باتیں کرتی ہیں اور ممی کہتی ہیں آپ!" عائشہ کچھ کہتے کہتے ایک قدم خاموش ہو گئی تو وہ اپنے سینے پر رکھا اس کا ہاتھ ہلکے سے دبا کر بولی۔

"ہاں کہو، کیا کہتی ہیں ممی؟"

"بس ایسے ہی الٹی سیدھی باتیں، میں نہیں بتا سکتی!"

عائشہ نے بے بس سے کہا تو وہ اسے دیکھ کر ذرا سا مسکرائی پھر کہنے لگی۔

"چلو جانے دو، ہم کوئی اور بات کرتے ہیں۔ تم مجھے اپنی سہیلیوں کے بارے میں بتاؤ"۔

"نہیں آپی! آپ اپنی مما کی باتیں کریں"۔ عائشہ کے لہجے میں اس کی مما کے لیے ویسا ہی اشتیاق تھا جیسے کسی من پسند آرٹسٹ کے لیے ہوتا ہے۔ جسے محسوس کر کے وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"مما کی کیا باتیں کروں؟"

"کیا وہ اتنی خوبصورت ہیں جتنی ٹی وی پر نظر آتی ہیں"۔ عائشہ کے بچکانہ سوال پر وہ ہنس پڑی۔

"ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ"۔

"آپ بھی تو اتنی پیاری ہیں۔ ان کی طرح آپ کو گانا گانا بھی آتا ہے؟" عائشہ کے سیدھے سادے سوال پر وہ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"نہیں، مجھے گانا نہیں آتا"۔

"کیوں آپ کی مما نے آپ کو سکھایا نہیں؟"

"نہیں اور مجھے ایسا کوئی شوق بھی نہیں ہے بس جب مما گاتی ہیں تو انہیں سامنے بیٹھ کر سننا اچھا لگتا ہے" اس نے صاف گوئی سے کہا تو عائشہ کو جیسے افسوس ہوا۔

"کیوں آپی، آپ کو شوق کیوں نہیں ہے۔ مجھے تو اتنا شوق ہے"۔ وہ کچھ چونک کر حیران ہو کر عائشہ کو دیکھے گئی جو اپنی دھن میں کہے جا رہی تھی۔

"پتا ہے میری سہیلیاں کہتی ہیں میری آواز بہت اچھی ہے میں اگر گانا سیکھ لوں تو بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اچھا گا سکتی ہوں۔لیکن مجھے کوئی سیکھنے نہیں دے گا۔کاش آپ کی مما یہاں ہوتیں تو میں ان سے سیکھ لیتی۔"

"حیرت ہے۔" وہ واقعی حیران ہو کر عائشہ اور مما کو ایک ساتھ سوچنے لگی تھی۔یعنی مما نے اپنے جو ابتدائی حالات بتائے تھے۔عائشہ بالکل ویسی لگ رہی تھی۔جبکہ وہ ان کی بیٹی نہیں تھی۔

☆☆☆

گھر میں فرناز کی شادی کا ہنگامہ جاگ اٹھا تھا۔

پچھلے تین روز سے ڈھولک بج رہی تھی۔رات میں جلدی کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر ادھر سے نمرہ اور بینا اوپر چلی جاتیں اور ادھر سے عائشہ جب جانے لگتی تو اس سے بھی چلنے کو کہتی تو "تم چلو میں آتی ہوں" کہہ کر پاپا کے پاس آ بیٹھتی اور بظاہر ان کے باتوں میں مصروف لیکن اس کا سارا دھیان اوپر ہونے والے شور شرابے کی طرف ہوتا تھا اور وہ انتظار بھی کرتی تھی کہ ارم یا عثمان اسے بلانے آئیں گے۔لیکن کوئی نہیں آیا تھا اور خود سے وہ جانا نہیں چاہتی تھی۔حالانکہ اس نے بڑے آرام سے کہہ چکی تھی کہ میں کوئی مہمان نہیں ہوں اور ابھی بھی اسے مہمان ہونے کا خیال نہیں تھا بلکہ ان کے رویوں کی بدولت خود کو الگ محسوس کر رہی تھی۔اس وقت بھی وہ پاپا کے پاس بیٹھی تھی، جب انہوں نے پوچھ لیا۔

"کیا بات ہے بیٹا! تمہیں شادی بیاہ کے ہنگاموں اور رسومات سے کوئی دلچسپی نہیں؟"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو کہنے لگے۔

"شاید ابھی تک تم اپنی کزنز کے ساتھ گھل مل نہیں سکیں بیٹا! یہ سب تمہارے اپنے ہیں"۔

"لیکن مجھے تو کسی نے اپنا نہیں سمجھا۔" اس نے بلا جھجک کہہ دیا۔"گزشتہ بار جب میں آئی تھی تب اور ابھی بھی سب مجھے یوں دیکھتے ہیں جیسے میں کسی اور دنیا کی مخلوق ہوں اور قصداً مجھ سے گریز کرتے ہیں"۔

"نہیں بیٹا! یہ تمہارا وہم ہے!"

"میرا وہم نہیں حقیقت ہے۔سوائے عثمان کے باقی سب مجھے دیکھ کر ناگواری کا اظہار



کرتے ہیں۔پھر مجھے کیا ضرورت ہے۔کہ میں ان سب کے درمیان جا بیٹھوں۔

شاید آپ کو میری صاف گوئی اچھی نہ لگے اس لیے معذرت کے ساتھ کہوں گی کہ میرے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے جو میں ان سب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جی حضوری میں لگ جاؤں"۔

"اگر یہ سب مجھے اپنا نہیں سمجھتے تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا"۔وہ جب بولنے پر آئی تو بولتی گئی۔پاپا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا پھر اس کی پیشانی چوم کر بولے۔

"ٹیک اٹ ایزی بیٹا، شاید۔تم بہت حساس ہو"

"نہیں۔میں حساس نہیں ہوں۔مجھے افسوس صرف اس بات کا ہے کہ کسی نے مجھے آپ کے حوالے سے نہیں دیکھا۔کیا میری رگوں میں آپ کا اس خاندان کا خون گردش نہیں کر رہا۔پھر مجھے صرف" سلمان کو دیکھ کر وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔چھوٹا سا سوٹ کیس ہاتھ میں لیے پتا نہیں وہ ابھی ابھی آئے تھے یا اور اس کے خاموش ہونے پر انہوں نے پاپا کو سلام کیا۔

"السلام علیکم چچا جان!"

"والسلام، کیسے ہو، کب آئے؟" پاپا نے ہاتھ آگے بڑھایا تو انہوں نے جلدی سے سوٹ کیس وہیں رکھ دیا اور آگے آ کر پاپا کا ہاتھ تھام لیا۔پھر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"بس ابھی آ رہا ہوں"۔

"ایڈجسٹ ہو گئے وہاں؟"

"آفس میں تو ہو گیا ہوں لیکن گھر کا مسئلہ ہے"۔انہوں نے بتایا تو پاپا فوراً پوچھنے لگے۔

"کیوں، کمپنی کی طرف سے تمہیں گھر نہیں ملا؟"

"ملا تھا لیکن میں نے چھوڑ دیا۔کیونکہ اس میں کچھ اور لوگ بھی تھے اور وہ ذرا من موجی قسم کے بندے تھے میرا ان کے ساتھ رہنا مشکل تھا"۔

"تو کیا اب ہوٹل میں رہ رہے ہو؟"

"نہیں آفس کے ایک ساتھی کے ہاں پے انگ گیسٹ ہوں اور اب گھر ڈھونڈنے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ذمہ داری بھی اسے سونپ آیا ہوں، ویسے کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے''۔ وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگے۔

''دادی اور آنٹی اوپر ہوں گی؟''۔

''ہاں سب اوپر ہیں''۔ پاپا نے کہا تو وہ ایک دم اسے دیکھ کر بولے۔

''اور آپ۔ آپ یہاں اکیلی!''۔

''اکیلی کیوں، پاپا کے ساتھ ہوں''۔ وہ ان کی پوری بات سنے بغیر درمیان ہی میں بول پڑی اور ان کے گزشتہ رویوں کے پیش نظر فوراً انجان سی بن گئی۔ تو وہ مزید کچھ کہے بغیر اپنا سوٹ کیس اٹھا کر سیڑھیاں چڑھ گئے۔ تب وہ پاپا کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔

''پاپا! یہ سلمان لاہور میں ہوتے ہیں؟''۔

''ہاں، تمہاری ملاقات ہوئی اس سے؟''

''نہیں، بس ایک بار نظر آئے تھے۔'' وہ سرسری انداز میں کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ٹی وی آن کر کے چینل بدل بدل کر دیکھنے لگی۔ پاپا کا شاید موڈ نہیں تھا جبھی اسے شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اور موڈ تو اس کا بھی نہیں تھا پھر بھی اسپورٹس لگا کر وہی دیکھنے بیٹھ گئی۔ کیونکہ ڈھولک کے ساتھ حلق پھاڑ کر گانے کی آوازیں یہاں تک آ رہی تھیں اور اتنے شور میں سونا ممکن نہیں تھا۔ بہرحال کچھ دیر بعد اس نے اکتا کر ٹی وی بھی بند کر دیا۔ پھر مما کا خیال آنے پر اسی وقت لابی میں آ کر ان کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف فون پارو نے اٹھایا اور اس کے پوچھنے پر بتایا کہ مما گھر پر نہیں ہیں اور اس نے کہاں گئی ہیں کا سوال نہیں اٹھایا۔ فوراً سلسلہ منقطع کر کے ماموں جی کے نمبر ڈائل کر دیے اور ادھر سے روہیل کی آواز سن کر وہ خوش ہو کر بولی۔

''ہیلو کزن کیسے ہو؟''

''لاحول ولا یہ تم ہو' میں نیند میں سے اٹھ کر بھاگا آیا کہ شاید میری محبوبہ کا فون ہے''۔ روہیل کے جھنجھلانے اور لاحول پڑھنے پر وہ چڑ کر بولی۔

''میں تمہاری خالہ نہیں جھرنا بول رہی ہوں''۔

اس نے جان بوجھ کر محبوبہ کو خالہ کہا تو وہ چیخ پڑا۔



''یہ خالہ کہاں سے آ گئی۔؟''

''مجھے کیا پتا تم ہی نے کہا ہے''۔ وہ بمشکل ہنسی روک کر بولی۔

''اونچا سننے لگی ہو کیا۔ محبوبہ کو خالہ بنا دیا'' روہیل کے روٹھے لہجے پر وہ جلدی سے بولی۔

''سوری سوری، میرے سننے میں غلطی ہوئی، ویسے یہ محبوبہ کب پیدا ہوئی؟''

''پیدا تو غالباً بیس سال پہلے ہوئی تھی۔ البتہ میری زندگی میں اب آئی ہے۔ خیر تم بتاؤ کراچی سے واپس آ چکی ہو کیا؟''

''نہیں ابھی یہیں ہوں میرا مطلب ہے کراچی میں''۔ وہ جواب دے کر آہٹ پر پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی۔ عثمان چند قدم کے فاصلے پر رک گیا تھا۔

''کب آؤ گی؟'' ادھر سے روہیل پوچھ رہا تھا۔

''جلدی آؤں گی! او کے خدا حافظ''۔ وہ فون رکھ کر سوالیہ نظروں سے عثمان کو دیکھنے لگی تو وہ کچھ رک کر بولا۔

''کیا بات ہے، آپ کچھ ناراض ہیں؟''

''نہیں تو، آپ کو یہ خیال کیوں آیا؟'' وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ایک پل کو اس کے قریب رکی پھر آگے بڑھی تو وہ بھی ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

''آپ آئیں نہیں، میرا مطلب ہے اوپر۔ سب اتنا انجوائے کر رہے ہیں''۔

''ہاں میں آ رہی تھی۔ لیکن پھر پاپا کے پاس بیٹھ گئی، ابھی تو وہ اپنے کمرے میں گئے ہیں''۔ اس نے اپنے کسی انداز سے ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ ان کے بلانے کی منتظر تھی بلکہ یوں ظاہر کیا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

''چلیں اب تو آپ فارغ ہیں نا آیئے''۔ عثمان نے سیڑھیوں کے پاس رک کر اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا تو وہ بغیر کسی پس وپیش کے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ گانے کی آواز بڑے کمرے سے آ رہی تھی۔ وہ عثمان کے ساتھ اندر داخل ہوئی تو جانے کیوں ڈھولک پیٹتی نمرہ نے ایک ہاتھ روک لیا۔

''تھک گئی کیا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"لاؤ مجھے دو۔!"

"نہیں ارم اچھا بجاتی ہے ارم کو دو۔ لڑکیاں گانا چھوڑ کر اپنی باتیں کرنے لگیں، تب عثمان اس کی کلائی تھام کر کھینچتا ہوا سب کے سامنے آیا اور کہنے لگا۔"

"میرا خیال ہے، تم سب رہنے دو، ڈھولک جھرنا بجائیں گی۔"

"میں۔" وہ ذرا سا ہنسی اور اس کی گرفت سے اپنی کلائی چھڑا کر وہیں بیٹھتی ہوئی بولی، سوری مجھے ڈھولک بجانی نہیں آتی۔"

"واقعی" بینا نے حیرت و بے یقینی سے کہا تو عثمان اُسے ٹوکتا ہوا بولا۔

"اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ چلو تم بجاؤ دیکھیں کیا کمال کرتی ہو"۔ بینا نے تلملائے ہوئے انداز میں ڈھولک اپنی طرف گھسیٹی لیکن پھر رک کر عثمان سے کہنے لگی۔

"جی نہیں آپ کو یہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے۔ آپ جائیں یہاں سے"۔

"کیوں جاؤں کوئی تمہاری بہن کی شادی تھوڑی ہو رہی ہے"۔ عثمان نے کن انکھیوں سے نمرہ کو دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا تو جہاں سب لڑکیاں بے ساختہ زور سے ہنسیں، وہاں نمرہ نے اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپا لیا جس سے وہ سمجھ گئی کہ یہاں معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔

"بس عثمان بھائی! اب آپ جائیں یہاں سے"۔ ارم کو گانے کی جلدی تھی۔

"میرے یہاں بیٹھنے سے تم لوگوں کو کیا تکلیف ہے۔ تم اپنا گاؤ بجاؤ"۔ وہ مزید پھیل کر بیٹھ گیا تو بینا دھمکی دیتے ہوئے بولی۔

"میں دادی کو بلاتی ہوں، وہی آ کر آپ کو اٹھائیں گی!"

"بیٹھنے دو ناں، چلو تم ڈھولک بجاؤ"۔ عثمان کی خالہ زاد کو اس پر رحم آ گیا۔ اس کی طرف داری میں بولی۔ تب بینا نے ایک بار پھر ڈھولک سنبھال لی لیکن جانے کیا خیال آیا کہ ایک دم اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"جھرنا! تم گانا گاؤ"۔ اور ایک لحظہ کو وہ واقعی سٹپٹا گئی۔ لیکن پھر فوراً سنبھل کر بولی۔

"سوری! مجھے گانا بھی نہیں آتا"۔

"یہ تو ہو ہی نہیں سکتا"۔ اتنے یقین سے کہنے والی نمرہ تھی جسے اس نے چونک کر دیکھا اور سمجھ گئی کہ وہ کیا جتانا چاہتی ہے۔ جواب سوچ رہی تھی کہ ایک لڑکی نمرہ کی تائید کرتے ہوئے



بولی۔

"نمرہ ٹھیک کہہ رہی ہے گانا تمہیں ضرور آتا ہوگا آخر تمہاری ممی اتنی بڑی سنگر ہیں۔" وہ جو نمرہ کے لیے جواب سوچ رہی تھی اس نئی بات پر ہونٹ بھینچ گئی۔

"اب پلیز یہ مت کہہ دینا کہ میرا گلا خراب ہے"۔

"بھئی یہ کہنا تو اس کا حق ہے"۔ پھر ہر ایک سے کچھ نہ کچھ کہنا ضروری سمجھا ساتھ ساتھ سب ہنس بھی رہی تھیں اور زندگی میں پہلی بار اسے مما کا حوالے اپنے لیے گالی کی طرح لگا اور اس کا دل چاہا چیخ چیخ کر کہے۔

"میں جہاں آرا کی نہیں اپنے پاپا کی بیٹی ہوں۔ جیسے عائشہ جیسے سعد"۔ لیکن وہ بہت خاموشی سے سب کے درمیان سے اٹھ کر باہر آ گئی۔ کھلی چھت پر ٹھنڈی ہوا میں گہرے سانس لے کر اس نے اپنے اندر دہکتے الاؤ کو سرد کرنے کی کوشش کی پھر دیوار پر بازو رکھ کر نیچے جھانک رہی تھی کہ عثمان تیز قدموں سے اس کے قریب آتا ہوا بولا۔

"جھرنا، آئی ایم سوری، یہ سب لڑکیاں پاگل ہیں"۔ اور وہ کافی حد تک خود پر قابو پا چکی تھی انجان بن کر پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا؟"

"ہیں۔" عثمان سٹپٹا گیا۔ آپ یہاں کیوں چلی آئیں؟

"کیا کرتی، وہ سب گانے پر اصرار کرتیں اور مجھے گانا نہیں آتا"۔ وہ مسکرا کر بولی۔

"اچھا چلیں، میں آپ کو بہت اچھی چائے پلاتا ہوں"۔

"ہاں، میں آپ کی بہت اچھی چائے بھولی نہیں ہوں"۔

"تھینک یو، اب آپ اس کمرے میں جا کر بیٹھیں میں بس دو منٹ میں چائے لے کر آتا ہوں"۔ وہ کہتا ہوا کچن میں چلا گیا اور جس کمرے کی طرف اشارہ کر کے گیا تھا، وہ اس طرف آ گئی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ وہ آرام سے بیٹھی تو دھیرے دھیرے اس پر مما کی محبت غالب آنے لگی، کچھ دیر بعد عثمان چائے لے کر آیا تو اس کے پیچھے سلمان بھی تھے، حسب سابق اس پر سرسری نظر ڈال کر اس سے لاتعلق ہو کر بیٹھ گئے۔ اور عثمان سے پوچھنے لگے۔

"تمہاری جاب کیسی چل رہی ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''ٹھیک ٹھاک''۔عثمان نے ٹی پاٹ میں چمچ چلاتے ہوئے مختصر جواب دیا تو وہ کہنے لگے۔

''میں لاہور میں سیٹ ہو جاؤں، پھر تمہارے لیے وہیں کوشش کروں گا''۔

''نہیں بڑے بھائی! میں یہیں ٹھیک ہوں۔ مجھے لاہور کی آب وہوا راس نہیں آتی''۔

عثمان نے منع کرتے ہوئے اسے دیکھا کچھ گم صم سی بیٹھی تھی تب اسے مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

''جھرنا! آپ کس سوچ میں ہیں''۔وہ کچھ نہیں بولی۔بس ذرا سا نفی میں سر ہلا دیا۔ تب عثمان نے چائے کا کپ پہلے سلمان کو پھر اسے تھمایا اور اپنا کپ لے کر اس کے سامنے بیٹھا تو کہنے لگا۔

''مجھے افسوس ہے لڑکیوں کی محفل میں آپ انجوائے نہیں کر سکیں بلکہ انہوں نے آپ کو شاید ہرٹ کرنے کی کوشش کی''۔

''مجھے تو ایسا نہیں لگا''۔اس نے عثمان کی بات کو سرے سے جھٹلا دیا اور بڑے آرام سے کہنے لگی۔''یہ تو نیچرل سی بات ہے کہ مما اتنی اچھی سنگر ہیں اسی حساب سے مجھ سے گانے کی فرمائش کی گئی۔اس میں ہرٹ ہونے والی تو کوئی بات نہیں تھی۔البتہ ان سب کی حیرت فطری تھی اور کیا آپ کو حیرت نہیں ہوئی؟''

''کس بات پر؟''عثمان بغور اسے سننے کے باوجود سمجھا نہیں تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر بولی۔

''یہی کہ مجھے گانا نہیں آتا''۔

''نہیں اس میں حیرت کی کیا بات ہے یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ آپ کی مما اچھی سنگر ہیں تو آپ کو بھی گانا ضروری آتا ہو، کیوں بڑے بھائی؟''عثمان نے غالباً سلمان کو گفتگو میں شامل کرنے کی خاطر آخر میں انہیں مخاطب کر ڈالا اور ابھی وہ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ وہ بول پڑی۔

''لیکن اب میں سوچ رہی ہوں کہ مجھے گانا سیکھ لینا چاہیے۔کیونکہ زیادہ تر لوگ مجھے مما کے حوالے سے دیکھتے ہیں اور پھر میں رہتی بھی تو ان کے ساتھ ہوں۔واقعی مجھے گانا ضرور آنا چاہیے۔کوشش کروں گی''۔آخر میں وہ پرسوچ انداز میں جیسے اپنے آپ سے بولنے لگی تھی۔معاً احساس ہونے پر چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا اور آخری گھونٹ لے کر کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے بولی۔



''آپ واقعی چائے بہت اچھی بناتے ہیں۔''''تھینک یو۔اور لیں گی''۔

''نہیں پھر نیند نہیں آئے گی''۔وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو اس کی تقلید میں عثمان بھی چائے کی ٹرے اٹھا کر کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ کمرے سے نکلا۔لڑکیاں ابھی تک ڈھولک پیٹ رہی تھیں۔اس کمرے کے آگے سے گزرتے ہوئے اس نے اپنے قدموں کی رفتار تیز کر دی۔پھر عثمان کو شب بخیر کہہ کر نیچے آ گئی۔سونے کے لیے لیٹی تو نیند کا کہیں پتا نہیں تھا۔مدھم روشنی میں کچھ دیر تک وہ سامنے دیوار پر لگی سینری پر نظریں جمائے اس کے خوبصورت رنگوں میں ایک طرح سے خود کو بہلانے کی کوشش کرتی رہی۔لیکن جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ وہ کسی طرح اپنا دھیان نہیں بٹا سکتی۔تب سینے میں دبی سانس ہونٹوں کی قید سے آزاد کرتے ہوئے اسے پہلا خیال یہی آیا کہ اس نے یہاں آ کر سخت غلطی کی ہے اور بہت سوچنے کے بعد بھی وہ اپنے پہلے خیال پر قائم تھی۔جبھی صبح ناشتے کی ٹیبل پر اس نے پاپا سے پہلی بات اپنی واپسی کی کی تو وہ چونک کر بولے۔

''کیا مطلب؟ یہ اچانک تم نے واپسی کا کیوں سوچ لیا؟''

''بس پاپا: اصل میں مما اکیلی ہیں اور ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے''۔اس نے مبالغے سے کام لیا تو پاپا نظریں چراتے ہوئے بولے۔

''پھر بھی بیٹا! شادی اٹینڈ کیے بغیر چلے جانا تو مناسب نہیں ہے۔چار پانچ دن کی بات ہے اس کے بعد چلی جانا''۔

''سوری پاپا: میں نہیں رک سکتی۔یوں بھی میری شرکت کوئی اتنی ضروری نہیں ہے''۔

''یہ تم نے کیسے سمجھ لیا''۔

''اس بات کو چھوڑیں، بس آپ آج ہی کی فلائٹ سے میری ٹکٹ منگوا دیں''۔وہ قطعیت سے کہہ کر ڈائننگ روم سے نکل آئی۔

پھر سب کے پوچھنے پر اس کا ایک ہی جواب تھا کہ مما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں نہیں رک سکتی اور اس بار اس نے ''پھر آؤں گی'' نہیں کہا اور اپنے طور پر سب کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ آئی۔البتہ پاپا کے سینے سے لگتے ہوئے اس کے دل نے اعتراف کیا تھا کہ وہ اس شخص کو کبھی الوداع نہیں کہہ سکے گی۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مما سے وہ دو تین مہینے کا کہہ کر گئی تھی۔ لیکن تین ہفتے بھی نہیں رہ سکی اور اس کی اتنی جلد واپسی پر نہ حیران ہونے کے ساتھ بہت خوش ہو گئیں۔ اور اسے گلے لگاتے ہوئے بولیں۔

''میں جانتی تھی، تمہارا وہاں دل نہیں لگے گا۔'' اور دل تو واقعی اس کا نہیں لگا تھا لیکن مما کے سامنے اس نے پھر جھوٹ کا سہارا لیا۔

''دل تو لگ گیا تھا مما لیکن میں آپ کے خیال سے چلی آئی''۔

''اچھا کیا۔ میں تمہیں بہت مس کر رہی تھی''۔ مما نے اس کی پہلی بات یکسر نظر انداز کر دی۔ تب وہ بھی موضوع بدلتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''آپ لندن نہیں گئیں؟''

''نہیں بہت لمبا پروگرام تھا۔ لندن کے بعد امریکہ، اس لیے میں نے منع کر دیا۔ البتہ اگلے مہینے بھارت جانے کا پروگرام ہے تم چلو گی!'' آخر میں مما نے ہمیشہ کی طرح بہت سرسری انداز میں اسے چلنے کو کہا تو وہ بیزاری سے بولی۔

''نہیں مما! مجھے اپنے ساتھ چلنے کو نہ کہا کریں''۔

''کیوں؟''

''ایک بار آپ کے ساتھ دوبئی اور شارجہ گئی تھی اور آپ کو یاد ہے، میں کتنی بور ہو گئی تھی۔ آپ تو اپنے شوز میں مصروف ہو جاتی ہیں اور میں اجنبی جگہوں پر اکیلی گھوم پھر بھی نہیں سکتی''۔ اس نے یاد دلاتے ہوئے کہا۔

''یہ تو ہے۔ اچھا خیر اب تم جلدی سے نہا لو میں جب تک کھانا لگواتی ہوں''۔

''ہاں بھوک بھی لگ رہی ہے''۔ وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ پھر کتنے ہی بہت سارے دن گزر گئے۔ وہ جو اپنی زندگی میں بہت خوش اور مطمئن تھی، مما کو سب کچھ سمجھتے ہوئے کبھی باپ کی کمی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اسے اب ہر گزرتے دن کے ساتھ اپنے اندر تشنگی کا احساس ہونے لگا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اچانک بے چین سی ہو جاتی تو قصداً اپنے ددھیال والوں کے منفی رویوں کو سوچ کر خود کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتی کہ جب وہ اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے تو اسے بھی ان کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔

لیکن اس کی ساری سوچیں اسی مقام پر آ کر اٹک جاتیں کہ آخر وہ اس سے تعلق کیوں



نہیں رکھنا چاہتے۔ اگر مما کی وجہ سے تو وہ صرف مما کی بیٹی تو نہیں ہے بہرحال وہ جو اپنی ذات کی تقسیم نہیں چاہتی تھی، وہ آپ ہی آپ منقسم ہو گئی تھی گو کہ مما پر ظاہر نہیں کرتی تھی اور ابھی تو وہ خود اپنے آپ سے بھی چھپا رہی تھی کہ پاپا کے ساتھ ساتھ عائشہ اور سعد کے لیے بھی اس کی محبتیں شدید ہوتی جا رہی ہیں اور یہ فطری سی بات تھی جب تک نہیں ملی تھی بڑے آرام سے تھی اور اپنے دلائل سے مطمئن بھی ہو جاتی تھی کہ۔

''کیا نہیں کیا مما نے میرے لیے، اچھی تعلیم، بہترین تربیت، پر آسائش زندگی وغیرہ وغیرہ۔'' اور ابھی بھی ان حقائق سے انکار نہیں تھا لیکن وہ اطمینان بھی نہیں رہا تھا۔ عجیب سی بے چینی تھی جو کبھی کبھی اسے اپنے ماحول سے بیزار بھی کر دیتی، ایسے میں ایک روبی ہی تھی جس کے پاس جا کر یا اسے اپنے پاس بلا کر وہ گھنٹوں اس سے باتیں کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتی۔ اس نے روبی سے اپنی کیفیات چھپائی نہیں تھی کیونکہ کزن کے علاوہ وہ اس کی دوست بھی تھی۔ اس وقت وہ بہت بے چین سی اس کے پاس آئی تھی اور اب بے بسی سے کہہ رہی تھی۔

''کتنا ڈرتی تھی میں کہ کہیں میری ذات دو حصوں میں تقسیم نہ ہو جائے اور دیکھو وہی ہوا، غلطی میری ہے میں کیوں پاپا کے پاس گئی۔ مما کی محبتیں میرے لیے کم تو نہیں تھیں۔''

''کم آن جھرنا، ایسا مت سوچو۔ یہ تو ایک نیچرل سی بات ہے۔ اب اپنے پاپا سے مل کر تمہیں ان سے دوری کا احساس ہو رہا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے کبھی تم نے ان کی کمی محسوس نہیں کی ہو گی، ضرور کی ہو گی، البتہ اپنے منقسم ہونے کے ڈر سے تم ان کی نفی کرتی رہیں۔ لیکن تم ہمیشہ ایسا نہیں کر سکتی تھیں اب نہیں تو آئندہ کبھی تمہیں ان کے پاس جانا تھا۔ اگر تم نہ جاتیں تو وہ آتے کیونکہ یہ جو خون کے رشتے ہوتے ہیں ناں یہ مر کر بھی نہیں ٹوٹتے''۔ روبی نے بہت دھیرج سے اسے رام کرنے کی کوشش کی پھر کہنے لگی۔

''تم یہ خیال دل سے نکال دو کہ تمہاری ذات دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گی، کیونکہ تم پر کوئی جبر نہیں ہے نہ مما کی نہ پاپا کی طرف سے، جب جس کے پاس چاہے رہ سکتی ہو۔ ویسے میرا خیال ہے اب تمہیں ان دونوں میں سے کسی کے پاس رہنے کی ضرورت نہیں۔ اپنا گھر بساؤ اور۔''

''بس، میں تم سے یہ مشورہ لینے نہیں آئی کہ مجھے کہاں رہنا چاہیے۔'' روبی کی آخری بات پر وہ اس کے بازو میں زور سے چٹکی کاٹ کر بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''اُف''۔روبی اپنا بازو سہلاتی ہوئی اسے گھور کر پوچھنے لگی''۔پھر کیا چاہتی ہو تم؟''

''پتا نہیں۔''وہ اپنے آپ الجھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم نہیں سمجھو گی!''

''تم سمجھاؤ گی تو سمجھوں گی ناں۔''روبی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھا دیا۔

''کیسے سمجھاؤں؟''

''میری جان اس طرح مت الجھو۔آرام سے بتاؤ کیا مسئلہ ہے''۔روبی نے اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر بہت نرم لہجے میں کہا تو وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

''اصل میں، میں خود نہیں سمجھ پا رہی۔اچھا ٹھہرو، میں تمہیں بتاتی ہوں۔''وہ ایک صوفے پر سمٹ کر روبی کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئی۔پھر کہنے لگی۔

''اب دیکھو ناں جیسے تم بلکہ یہاں سب لوگ مجھے مما کے حوالے سے جانتے ہیں۔اگر ماموں جی اور مامی جی یہ سوچ لیں کہ میں جمشید علی خان کی بیٹی ہوں تو شاید وہ مجھ سے اتنا پیار نہیں کریں گے۔ہے ناں۔؟''

''ہوں۔''روبی نے ہوں کہنے پر اکتفا کیا کیونکہ اسے پوری بات سننے کی جلدی تھی لیکن وہ اپنی بات پوری نہیں کر سکی۔بس اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گئی۔

''اور جب میں پاپا کے پاس گئی تو وہاں سب۔''روبی نے چند لمحے انتظار کیا پھر اپنے طور پر سمجھ کر کہنے لگی۔

''ظاہر ہے وہاں سب نے تمہیں تمہارے پاپا کے حوالے سے محبت دی ہو گی، اور شاید تمہیں یہی بات بری لگی۔حالانکہ اس میں برا ماننے والی کوئی بات نہیں ہے۔میری جان سب کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''لیکن میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔''روبی کے نان اسٹاپ بولنے پر وہ چیخ پڑی۔''تم اپنی بکواس کیے جا رہی ہو، میری سنو، وہاں بھی میں صرف مما کی بیٹی تھی۔کسی نے مجھے جمشید علی خان کی بیٹی جان کر گلے نہیں لگایا۔''

''کیا؟''

''ہاں یہی میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں''۔وہ زور دے کر بولی تو روبی فوراً



اپنی حیرت چھپا کر بظاہر لاپروائی سے کندھے اچکا کر کہنے لگی۔

''سمجھ گئی بالکل سمجھ گئی۔لیکن سوال یہ ہے کہ تمہیں اس سے کیا فرق پڑا۔کیا تمہیں بہت شوق ہے ان سب کے گلے لگنے کا؟''

''نہیں، میرے لیے مما کی محبتیں بہت ہیں۔لیکن روبی مما اور ان کی ڈھیر ساری محبتیں میری شناخت نہیں ہو سکتیں''۔اس کے کھوئے ہوئے لہجے پر روبی کچھ دیر تک خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر اس کا ہاتھ دبا کر اور مسکرا کر بولی۔

''پاگل ہو تم اصل میں تم ایسے رویوں کی عادی نہیں ہو، جبھی کچھ زیادہ محسوس کر گئیں اور تمہیں باقی سب سے کیا لینا دینا، تمہارے پاپا نے تو تمہیں تسلیم کیا ناں؟''

''ہاں، پاپا، عائشہ اور سعد۔!''

''بس تو اور کیا چاہیے تمہیں۔''روبی فوراً بول پڑی۔

''اور!''اس کا انداز ہنوز تھا۔کھویا کھویا۔معاً تصور میں وہ وجیہہ سراپا آن سمایا جس کی سرسری نظر ہی اس کی دھڑکنوں میں تلاطم برپا کر دیتی تھی۔

''کہاں کھو گئیں۔؟''روبی نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو چونکنے کے ساتھ ہی اس نے خود کو سرزنش کی۔

''نان سنس۔''

''کون؟''روبی نے آنکھیں دکھائیں تو وہ ہنسی ہوئی بولی۔

''میں''۔اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی، اب چلوں گی، مما انتظار کر رہی ہوں گی اور ہاں روہیل سے کہنا محبوبہ سے فرصت ملے تو مجھ سے آ کر مل لے۔

''تم رک جاؤ۔اس سے مل کر جانا۔''

''پھر آؤں گی، اوکے''۔وہ اسے خدا حافظ کہتی ہوئی باہر نکل آئی۔شام گہری ہو رہی تھی۔مین روڈ پر آ کر اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھانے کے ساتھ حدیقہ کیانی کا کیسٹ لگا کر آن کر دیا۔

میرے لیے سارا جہاں تو ہے
تیرے لیے جان جاں میں ہوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



وہ خود بھی دھیرے دھیرے گنگنا کر اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کرنے لگی، کیونکہ رونے سے اتنی مغزماری کے بعد بھی وہ پوری طرح مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ پتا نہیں وہ کیا چاہتی تھی۔ کیسٹ بند کر کے وہ پھر سوچنے لگی تھی کہ اچانک دھماکے سے اس کی گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ ذہن کو حاضر کرتے ہوئے اس نے فوراً گاڑی کنارے روک دی۔ اس کے بعد واقعی پریشان ہو گئی۔ کیونکہ ٹائر چینج کرنا اس کے بس کا نہیں تھا کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ نیچے اتری اور گاڑی لاک کر کے پی سی او کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگی۔ تبھی ایک گاڑی اس کے قریب آن رکی اور اس میں سلمان کو دیکھ کر وہ بالکل غیر ارادی طور پر دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور وہ جو شش و پنج میں سے ہی اسے مخاطب کرنا چاہتے تھے۔ اس کے پیچھے ہٹنے پر اتر کر اس کے قریب آ کر پوچھنے لگے۔

''اینی پرابلم؟''

''نو۔'' منع کرتے ہوئے وہ بے اختیار اپنی گاڑی کی طرف دیکھنے لگی تو اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہی وہ سارا معاملہ سمجھ کر پوچھنے لگے۔

''کوئی اور ہے آپ کے ساتھ، آئی مین ڈرائیورز''

''نہیں۔'' ان کی طرف دیکھے بغیر اس نے مختصر جواب دیا۔ تب انہوں نے پلٹ کر اپنے ڈرائیور کو بلایا۔

''پھر اس سے کہنے لگے۔''

''آپ آیئے میرے ساتھ۔ آپ کی گاڑی ڈرائیور لے آئے گا۔''

''جی!'' وہ حیران ہو کر دیکھنے لگی۔ اتنے روڈ شخص سے اتنی مہربانی کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

''چابی دے دیں اسے اور گھر کا ایڈریس بھی سمجھا دیں۔'' وہ اس سے کہہ کر ڈرائیور سے بات کرنے لگے، پھر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے تو وہ جو کچھ حیران اور شش و پنج میں کھڑی تھی۔ ڈرائیور کے مخاطب کرنے پر چابی اسے تھما کر ان کے پیچھے چلی آئی۔ کچھ راستہ بالکل خاموشی میں کٹا۔ پھر غالباً اسے بولنے پر آمادہ نہ دیکھ کر وہ یونہی بات کرنے کی غرض سے پوچھنے لگے۔

''آپ فرناز کی شادی اٹینڈ کیے بنا کیوں چلی آئی تھیں؟'' وہ ان کی طرف سے آتا سوال پر قدرے سٹپٹا کر بولی۔



''وہ مما کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔''

''واقعی یہی وجہ تھی یا۔!'' جانے موڑ کاٹنے کے باعث وہ خاموش ہوئے یا قصداً بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ سمجھ نہیں سکی اور کچھ رک کر انہی سے پوچھنے لگی۔

''آپ کیا سمجھتے ہیں؟'' انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈیش بورڈ سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا اور سگریٹ سلگانے کے بعد موضوع بدلتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''کیا کر رہی ہیں آپ آجکل؟''

''کچھ نہیں!''

''گویا فراغت ہی فراغت ہے''۔ وہ خاموش رہی تو قدرے توقف سے وہ ایک نظر اس پر ڈال کر بولے۔

''ایک بات پوچھوں۔ آپ برا تو نہیں مانیں گی۔'' وہ حیران ہو کر اسی قدر کہہ سکی۔

''کیا بات؟''

''میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کی مما کا گانا ان کا شوق ہے یا پروفیشن جو بھی ہے آپ کو کیسا لگتا ہے؟'' انہوں نے اتنی سنجیدگی سے سوال کیا کہ وہ کسی طرح نظرانداز نہیں کر سکی بلکہ ہر طرح سے خود کو جواب دینے کا پابند محسوس کیا تو سوچ کر بولی۔

''مجھے کبھی برا نہیں لگا۔''

''پھر تو آپ کو دوسروں کی باتوں کا بھی برا نہیں ماننا چاہیے''۔ انہوں نے فوراً کہا تو جیسے وہ سمجھ کر بھی نہیں سمجھی۔

''کیا مطلب؟'' اسی پل انہوں نے گاڑی اس کے گھر کے سامنے روکی اور اس کا کیا مطلب؟''

نظرانداز کر کے مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

''آپ کا گھر آ گیا۔'' اس نے چونک کر اپنے گھر پر نظر ڈالی پھر انہیں دیکھ کر الجھتی ہوئی بولی۔

''آپ، آپ کو کیسے معلوم میرا مطلب ہے میں نے تو آپ کو ایڈریس نہیں بتایا پھر آپ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''کمال ہے۔ حیرت تو اس وقت ہونی چاہیے تھی۔ جب میں اپنی عم زاد سے اس کے گھر کا پتا پوچھتا اور آپ نہ پوچھنے پر حیران ہو رہی ہیں''۔ اف وہ سرسری نظر ڈالنے اور اپنے ہر انداز سے لاتعلقی ظاہر کرنے والا کتنے آرام سے تعلق جتا رہا تھا۔ وہ کچھ یوں پریشان ہوئی کہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی لیکن پھر احساس ہونے پر جھک کر بولی۔

''آپ اندر نہیں آئیں گے؟''

''اس وقت نہیں''۔ انہوں نے کہا تو روکتے روکتے بھی ایک لفظ اس کے ہونٹوں سے پھسل گیا۔

''پھر کب؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتا۔ اوکے''۔ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خدا حافظ کہہ کر انہوں نے گاڑی آگے بڑھا دی تو اس کی نظروں نے دور تک ان کا تعاقب کیا پھر اندر آئی تو مما کو انتظار میں بیٹھے دیکھ کر وہ پرس ایک طرف پھینکتے ہوئے بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔

''ہٹو، مجھ سے بات نہیں کرو''۔ مما نے اپنا آپ چھڑاتے ہوئے ناراضگی کا اظہار کیا تو وہ سادگی سے پوچھنے لگی۔

''کیوں مما؟''

''کہاں چلی گئی تھیں تم۔ تمہارے ماموں جی کے ہاں فون کیا وہاں سے تو تم کب کی نکلی ہوئی ہو پھر اتنی دیر؟''

''اچھا تو آپ میرے دیر سے آنے پر ناراض ہیں۔ میں اور کہیں نہیں گئی۔ راستے میں گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا تھا'' اس نے بتایا تو مما پریشان ہو کر بولیں۔

''پھر؟''

''پھر کیا۔ گاڑی وہیں چھوڑ دی اور میں چلی آئی۔'' اس کے لاپروائی سے کہنے پر مما ٹوکتے ہوئے بولیں۔

''اسی لیے کہتی ہوں ڈرائیور کو ساتھ رکھا کرو۔ اب جا کر کہو اسے گاڑی لے آئے''۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ گاڑی آ جائے گی۔''

''کیسے آ جائے گی؟'' وہ اپنی دھن میں بولی تھی۔ مما کے ٹوکنے پر کچھ سٹپٹا سی گئی پھر فوراً



سنبھل کر کہنے لگی۔

''سلمان کا ڈرائیور لے آئے گا۔ آپ جانتی ہیں سلمان کوتایا جی کے بیٹے ہیں۔ اتفاق سے انہوں نے مجھے وہاں پریشان کھڑے دیکھ لیا تھا''۔ مما جس طرح اچانک گم صم سی ہو کر اسے دیکھنے لگی تھیں اس سے وہ غالباً صفائی پیش کرنے کی خاطر بولتی چلی گئی۔

''اور وہ خود مجھے ڈراپ کر کے گئے ہیں۔ شاید میں آپ کو بتانا بھول گئی۔ سلمان یہیں لاہور میں ہوتے ہیں۔ ایک دو بار پہلے بھی اس سے ملاقات ہوئی تھی لیکن بہت سرسری، ایک بار تو روحیل بھی میرے ساتھ تھا۔ شاید اس نے آپ کو بتایا ہو۔ بتایا تھا روحیل نے؟'' یہ اس کے اندر کا چور تھا جو اسے بولنے پر مجبور کر رہا تھا۔ آخر میں اس کے پوچھنے پر مما کے ساکت وجود میں ذرا سی حرکت ہوئی۔ پہلے نظروں کا زاویہ بدلا پھر چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ تو وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر اسی طرف آ بیٹھی اور ان کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پوچھنے لگی۔

''مما! کیا آپ میرے، سلمان کے ساتھ آنے پر ناراض ہیں؟'' مما کتنی دیر تک اسے دیکھتی رہیں۔ متضاد کیفیات میں گھری کتنی پریشان لگ رہی تھی۔ تب مما نے اس کے ہاتھ تھام لیے اور گہری سانس سینے کے اندر روکتی ہوئی بولیں۔

''نہیں میں ناراض نہیں ہوں''

''اوہ مما، میں تو ڈر ہی گئی تھی''۔ وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہو کر مما کے گلے لگ گئی۔

پھر اگلے کئی دن وہ سلمان کی باتوں کو سوچتی رہی۔ کچھ ادھورے سوال تھے کچھ ادھورے جواب اور کچھ ان کہی باتیں۔ ساتھی ہی ان کی منتظر بھی تھی گو کہ انہوں نے آنے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔ لیکن اسے ایسا ہی لگتا تھا جیسے کسی دن اچانک آ کر اسے حیران کر دیں گے، اور محض اس خیال سے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا کہ کہیں اس کی غیر موجودگی میں آ کر چلے نہ جائیں۔ روبی کئی بار فون کر کے بلا چکی تھی۔ لیکن اس کا ایک ہی جواب ہوتا۔ نہیں آ سکتی۔ تم آ جاؤ۔ عجیب بے قراری میں دن گزر رہے تھے۔ کسی کسی وقت وہ حیران ہو کر سوچتی کہ وہ شخص اتنی خاموشی سے کیسے اس کے اندر گھر کر گیا ہے شاید اول روز سے ہی۔ اس وقت وہ ان کی اول روز کی نا تعلقی میں ایک تعلق ڈھونڈ رہی تھی کہ فون کی بیل نے چونکا دیا۔ خاصی بے دلی سے ریسیور اٹھا کر اس نے ہیلو کہا۔ دوسری طرف عائشہ تھی۔ اس کی آواز سنتے ہی کہنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''آپی! آپ تو جا کر ہمیں بھول ہی جاتی ہیں۔''

''کون عائشہ؟'' وہ ایک دم سیدھی ہو بیٹھی۔ ''کیسی ہوا ور سعد کیسا ہے؟''

''سب ٹھیک ہیں، آپ سنائیں!''

''کیا سناؤں؟''

''پھر کب آ رہی ہیں؟'' عائشہ نے پوچھا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

''کیا کروں، آنا چاہتی بھی ہوں اور نہیں بھی۔''

''کیا مطلب؟'' عائشہ سمجھی نہیں۔

''چھوڑو مطلب کو۔ یہ بتاؤ فرناز کی شادی کے بعد اب کس کی باری ہے۔'' اس نے موضوع بدلنے کو پوچھا تو عائشہ شوخی سے بولی۔

''آپ کی!''

''میری۔'' وہ ہنسی۔ ''یہ تم سے کس نے کہا؟''

''لیجیے، یہاں روز یہی بات ہوتی ہے۔'' عائشہ نے کہا تو وہ ٹھٹھک کر بولی۔

''کیا مطلب؟''

''آپ کو نہیں پتا۔ فرناز باجی کی شادی پر سلمان بھائی تایا جی سے کہہ گئے ہیں کہ وہ آپ سے شادی کریں گے۔ لیکن۔'' عائشہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تو وہ جس کا دل یکبارگی زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر فوراً پوچھنے لگے۔

''لیکن کیا؟''

''بس وہ تائی جی!'' عائشہ غالباً پہلے جھجکی پھر جیسے ایک دم بتانے پر آمادہ ہو کر کہنے لگی، ''تائی جی نہیں مان رہیں، روز دورے پڑتے ہیں انہیں۔ کہتی ہیں مر جاؤں گی لیکن ایک گانے والی کی بیٹی کو بہو نہیں بناؤں گی۔ روز نیچے دادی کے پاس آ کر واویلا مچاتی ہیں اور پتا ہے کہ کیا کہتی ہیں۔''

''کیا؟'' اس کے حلق سے بمشکل آواز نکل سکی۔

''کہ آپ نے اور آپ کی مما نے سلمان بھائی کو پھانس لیا ہے۔''

''میرے خدا۔'' اس کی آنکھوں سے اس روانی سے پانی چھلکا کہ بند باندھنے مشکل



ہو گئے۔ دوسری طرف عائشہ کہہ رہی تھی۔

''لیکن آپی! سلمان بھائی اپنی ضد کے پکے ہیں۔ جاتے ہوئے کہہ گئے ہیں کہ دوبارہ وہ اس گھر میں اسی وقت داخل ہوں گے جب!'' اس نے عائشہ کی بات پوری ہونے سے پہلے فون رکھ دیا اور اپنے روانی سے چھلکتے آنسوؤں کو ہتھیلیوں سے صاف کرنے لگی، لیکن ادھر آنکھیں رگڑتی ادھر پھر دھند چھا جاتی۔ بالآخر اس نے اٹھ کر واش روم کا رخ کیا۔ اور کتنی دیر تک آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتی رہی۔ پھر آ کر اپنے کمرے میں لیٹ گئی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلنے کے ساتھ مما کی آواز سنائی دی۔

''جھرنا! یہ سونے کا کون سا وقت ہے۔ اٹھ جاؤ شاباش''۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ تو مما قریب آ کر تشویش سے پوچھنے لگیں۔

''کیا بات ہے بیٹا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''سر میں درد ہو رہا ہے مما! پلیز لائٹ آف کر دیں۔'' اس نے آنکھوں پر سے بازو ہٹائے بغیر کہا تو اس کی بوجھل آواز پر مما مزید پریشان ہو گئیں۔ جلدی سے اس کی کلائی تھام کر بازو نیچے کیا اور اس سے پہلے کہ اس کی آنکھوں کی سرخی کا سبب پوچھتیں، وہ پھر رو پڑی۔

''جھرنا! میری جان کیا ہوا ہے؟'' مما کا بس نہیں چل رہا تھا اسے اپنے سینے کے اندر چھپا لیں اور وہ اصل بات بتا کر انہیں دکھ نہیں دے سکتی تھی، اس لیے بس یہی کہتی رہی۔

''پتا نہیں مما! مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے''۔ اور صبح تک وہ تیز بخار میں جل رہی تھی۔ اگلے تین دن مما ایک پل کے لیے بھی اس کے پاس سے نہیں ہٹیں۔ گزشتہ شب ان کا آرٹس کونسل میں پروگرام تھا انہوں نے وہ بھی کینسل کر دیا اور دو روز بعد انہیں کراچی جانا تھا۔ اپنے منیجر کو بلا کر وہ اس کے لیے بھی منع کر رہی تھیں۔ تب وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''میں ٹھیک ہوں مما، دیکھیں اب بخار بھی نہیں ہے۔ آپ اپنے پروگرام کینسل نہیں کریں''۔

''پروگرام تو ہوتے ہی رہیں گے، میں تمہیں اس حالات میں اکیلی نہیں چھوڑ سکتی''۔ مما اس کا گال تھپک کر بولیں۔ پھر منیجر سے کہنے لگیں۔

''بس آپ منع کر دیں اور ایڈوانس میں لیا ہوا چیک بھی واپس کر دیں''۔ منیجر چلا گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



تب وہ مما کا ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔

''آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے مما! بار بار پروگرام کینسل کرنے سے!''

''کیا ہوگا، لوگ مجھے شوز میں بلانا چھوڑ دیں گے۔ نو پرابلم مائی ڈیئر، تم سے بڑھ کر میرے لیے کچھ نہیں۔ تم پر تو میری جان میں اپنا سب کچھ قربان کر سکتی ہوں'۔ مما کی اتنی محبت پر اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ ان کا ہاتھ ہونٹوں سے چھو کر بولی۔

''مما! میں آپ کی بیٹی ہوں صرف آپ کی۔'' مما اسے محبت کا معصوم سا اظہار سمجھ کر ہنس پڑیں۔

''اس میں کیا شک ہے، تم میری بیٹی ہو!''

''تو پھر آپ مجھے گانا سکھائیں گی ناں؟'' مما کی کھلکھلاتی مسکراہٹ، یکلخت غائب ہوگئی، نظریں چراتی ہوئی بس اسی قدر کہہ سکیں۔

''تم!''

''ہاں میں۔ میں آپ کی طرح بہت مشہور ہونا چاہتی ہوں، بہت بڑی سنگر بن کر۔''

اس کے لہجے میں اشتیاق نہیں تھا اور جانے کیا تھا مما چپ چاپ اسے دیکھتی رہیں پھر اسی خاموشی سے اٹھ کر چلی گئیں۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ وہ ہر صبح جب مما ریاض کر رہی ہوتیں ان کے پاس جا بیٹھتی اور پہلے شوق سے سنتی تھی اب غور سے سننے کے ساتھ ستار کے تاروں پر ان کی انگلیوں کی ایک ایک حرکت نوٹ کرتی پھر جب مما گھر پر نہیں ہوتی تھیں تو وہ اس کمرے میں آ کر ستار بجانے کی کوشش کرتی، کیونکہ مما نے اسے سکھانے سے صاف منع کر دیا تھا۔ اس لیے ان سے چھپ کر وہ خود ہی کوشش کر رہی تھی۔ محض ضد میں آ کر، کیونکہ عائشہ کی باتوں نے اسے ہر ایک سے متنفر کر دیا تھا۔

اس روز جب مما دوبئی جا رہی تھیں تو انہوں نے اسے بہت تاکید کی تھی کہ وہ اپنے ماموں جی کے ہاں چلی جائے اور ان سے تو اس نے ہامی بھر لی تھی لیکن گئی نہیں اور سارا وقت ان کے خاص کمرے میں بند ہو کر کبھی سارے گا، ما اور کبھی کوئی غزل باقاعدہ سر کے ساتھ گانے کی کوشش میں لگی رہتی۔ مسلسل پریکٹس سے ایک دو غزلیں وہ واقعی ٹھیک ٹھاک گانے لگی تھی۔ اس



وقت رات کے کھانے سے جلدی فارغ ہو کر وہ پھر ستار لے کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر تاروں کو چھیڑ کر اپنے طور پر اس نے کوئی نیا سر نکالنے کی کوشش کی جب کامیابی نہیں ہوئی تو پھر وہی پرانی غزل۔

دل میں اک لہر سی اٹھی ہے ابھی
کوئی تازہ ہوا، چلی ہے ابھی!
شور برپا ہے خانہ دل میں!
کوئی دیوار سی گری ہے ابھی

اچانک کسی خیال سے اس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا جسے چھلکنے سے روکنے کی خاطر اس نے پلکوں کے در بند کر لیے تو ساری نمی آواز میں شامل ہوگئی۔ تبھی دروازہ ہلکی سی آہٹ کے ساتھ کھلا اور سلمان اندر قدم رکھتے ہی ٹھٹھک کر وہیں رک گیا، بہت دھیرے دھیرے ستار کے تاروں کو چھیڑتی وہ اپنے آپ سے بھی بیگانہ لگ رہی تھی۔

کچھ تو نازک مزاج ہیں ہم بھی
اور یہ چوٹ بھی نئی ہے ابھی

اور شاید نئی چوٹ کے احساس نے ہی اسے رلا دیا۔ ستار ایک طرف کھسکا کر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو سلمان جیسے ہوش میں آ کر بہت تیزی سے اس کی طرف لپکے اور بے اختیار اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اس کے دونوں ہاتھ کلائیوں سے تھام لیے۔

''جھرنا!'' اور وہ انہیں دیکھ کر پریشان ہوگئی۔

''آپ؟''

''جو کام کرنا نہیں چاہتیں، وہ کیوں کر رہی ہو؟''

ان کا اشارا گانے کی طرف تھا۔ وہ سمجھ گئی اور بہت آہستگی سے ان کی گرفت سے اپنی کلائیاں چھڑا کر دوپٹے کے پلو سے آنکھیں اور چہرہ صاف کرتے ہوئے بولی۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں، یہ میرا شوق ہے''۔

''اچھا!'' وہ ذرا سا ہنس کر رہ گئے۔ غیر یقینی سی غیر یقینی تھی اور وہ یقین دلانے پر تل گئی۔

''مجھے بچپن ہی سے گانے کا شوق ہے۔ یقیناً مما کی طرف سے ورثے میں ملا ہے اور میں ان کی طرح بہت مشہور ہونا چاہتی ہوں بلکہ ان سے بھی زیادہ ساری دنیا میں۔ اور آپ دیکھیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



گا میں کتنی جلدی اس مقام پر پہنچ جاؤں گی جہاں!''

''ایک منٹ!'' انہوں نے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔ پھر ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر بولے۔'' تمہارا قیام اور تمہارا مقام صرف اور صرف میرے دل میں ہے، اس سے ہٹ کر سوچنا بھی مت۔

''آپ شاید بھول رہے ہیں کہ میں ایک گانے والی کی بیٹی ہوں''۔ اس کے لہجے میں آپ ہی آپ طنز سمٹ آیا۔ جسے محسوس کرنے کے باوجود وہ بڑے آرام سے بولے۔

''کون کافر اس حقیقت سے انکار کر رہا ہے اور تم اس حقیقت کو اپنے لیے جرم کیوں سمجھ رہی ہو، پورے اعتماد سے کہو کہ تم جہاں آرا کی بیٹی ہو، کیونکہ میں جہاں آرا کی بیٹی سے پیار کرتا ہوں۔''

''آ!'' اس کے ہونٹ نیم وا ہو کر رہ گئے، پوری کھلی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی اور وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں اپنی نظریں اتار کر بولے۔

''میں تمہارے لیے سب سے لڑا ہوں جھگڑا۔ یہاں تک کہ اپنا گھر، اپنا شہر تک چھوڑ آیا اور اگر تم نے میری محبت سے انکار کیا تو یہ دنیا بھی چھوڑ۔''

''پلیز۔!'' وہ فوراً ٹوک کر رو پڑی اور اٹھ کر جانے لگی کہ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم میرا سواگت آنسوؤں سے کرو گی تو میں کبھی نہ آتا اور امی تو کبھی بھی نہیں۔''

''جی!'' وہ حیران ہو کر ان کی طرف پلٹی تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر بولے۔

''جناب! امی، ابو اور عثمان باہر تمہارا انتظار کر رہے ہیں، ایسی روتی شکل لے کر ان کے سامنے جاؤ گی تو۔!''

''تایا جی، تائی جی، کیا وہ یہاں آئے ہیں؟'' اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''کیوں یہاں آنا منع ہے کیا؟''

''نہیں لیکن''۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا، کیا کہے کیا کرے، گھبرا کر انہیں دیکھا تو وہ ہلکے سے اس کا ہاتھ دبا کر بولے۔

''اپنا ظرف بڑا کر لو، میری خاطر''۔ اور جو اس کے لیے سب سے لڑا تھا، وہ اس کی



خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتی تھی۔ بہت دھیرے سے ان کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکال کر وہ ان سے پہلے ہی کمرے سے نکل کر تایا جی اور تائی جی کے سامنے آئی تو کچھ دیر پہلے رونے کے باعث اس کی سرخی مائل آنکھیں اب یوں لگ رہی تھیں جیسے شفق کی لالی چرا لائی ہوں۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



# مجھے تھام لینا

''زبردست پارٹی تھی''۔

دھیمی رفتار سے گاڑی چلاتے ہوئے میں نے ابھی تبصرے کا آغاز ہی کیا تھا کہ روما بول پڑی۔

''لیکن میں بالکل انجوائے نہیں کر سکی''۔

''کیوں؟''۔ میں نے تعجب سے اسے دیکھا اور وہ صاف گوئی سے کہنے لگی۔

''کیونکہ میں سارا وقت تم سے جیلس ہوتی رہی، آخر ایسی کیا بات ہے تم میں کہ سب لوگ تمہاری طرف لپک رہے تھے اور وہ شجاع، مائی گاڈ وہ تو سچ مچ تم پر فوت ہو گیا۔''

''میں کھلکھلا کر ہنس پڑی تو وہ میرے بازو میں چٹکی کاٹتے ہوئے بولی۔''

''بہت کمینی شے ہو تم، آئندہ میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی کوئی لفٹ ہی نہیں کراتا۔''

''چہ چہ، ویسے اس میں میرا کیا قصور۔''

''سراسر تمہارا قصور ہے۔ کیوں سب کو لفٹ کراتی ہو، کسی ایک کا ہاتھ تھام لو تا کہ باقی مایوس ہو کر ہماری طرف لوٹیں۔''

اس نے میرا قصور بتانے کے ساتھ مشورہ بھی دے ڈالا جو مجھے بالکل پسند نہیں آیا۔



''اوں ہوں کوئی اچھا لگے گا تب ہی تو ہاتھ تھاموں گی۔''

''کیوں شجاع میں کیا کمی ہے، میرا خیال ہے۔ آج کی پارٹی میں سب سے ہینڈسم وہی تھا۔''

روما کے لہجے میں اشتیاق تھا اور میں نے شجاع کو سوچتے ہوئے بے نیازی سے کندھے اچکائے پھر ایک نظر اس پر ڈال کر بولی۔

''بندہ کچھ غریب سا لگتا ہے۔''

''کم آن موی! اس کی گارمنٹ فیکٹری ہے۔''

یہ واقعی میرے لیے انکشاف تھا لیکن میں نے ہرگز ظاہر نہیں ہونے دیا بلکہ اسی لاپروائی سے بولی۔

''مجھے معلوم ہے۔''

''پھر تم کس لحاظ سے اسے غریب کہہ رہی ہو۔''

''شکل سے ایسا ہی لگتا ہے'' میں نے بات بنائی لیکن بنی نہیں، بلکہ وہ میرے پیچھے پڑ گئی۔

''کیا بات کرتی ہو اتنے ہینڈسم بندے کو تم۔''

''باس۔'' میں نے گاڑی کو بریک لگانے کے ساتھ اس کی زبان کو بھی بریک لگا دیا۔ ''تمہارا گھر آ گیا۔ چلو اترو''

''کل کا کیا پروگرام ہے؟۔'' اس نے اترنے کے بجائے بڑے آرام سے پوچھا تو میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

''کل تم میری طرف آ جانا اگر موڈ بنا تو کہیں چلیں گے ٹھیک۔''

''ٹھیک۔'' وہ اتفاق کرتے ہوئے اتر گئی تو میں نے گاڑی بیک کرتے ہوئے گھڑی پر نظر ڈالی گیارہ بجنے والے تھے اور ابھی اتنی رات تو نہیں ہوئی تھی پھر بھی مما کا خیال کر کے میں نے گاڑی فل اسپیڈ پر چھوڑ دی یوں بھی اس وقت ٹریفک برائے نام ہی تھا جب ہی آدھے گھنٹے کا فاصلہ پندرہ منٹ میں طے ہو گیا اور جب میں اندر آئی تو مما اپنا روزانہ والا جملہ دہرانا نہیں بھولیں۔

''موی! جلدی آ جایا کرو۔'' جواباً میں بھی روزانہ والا جملہ دہرانا چاہتی تھی کہ ڈرائنگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



روم سے باتوں کی آواز سن کر سوالیہ نظروں سے مما کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کون ہے مما؟''

''عابد آیا ہے۔''

''عابد؟'' مجھے ذہن پر زور ڈالتے دیکھ کر مما کہنے لگیں۔

''تمہارا کزن عابد، میاں جی کے پاس سے آیا ہے۔''

''او.....'' میرے ہونٹ سکڑ گئے پانچ چھ سال پہلے جب وہ میٹرک کا امتحان دینے آیا تھا تب میں نے اسے دیکھا تھا دبلا پتلا، لمبا سا، اس کے بعد اب اس کی آمد ہوئی تھی اور ظاہر ہے اتنے عرصے بعد میں صرف اس کے نام سے تو نہیں پہچان سکتی تھی۔

''جاؤ مومی! کم از کم اس سے میاں جی کی خیر خیریت تو پوچھو۔''

مما کے ٹوکنے پر میں ڈرائنگ روم میں چلی آئی اور مجھے دیکھ کر جہاں وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا وہاں میں اپنی جگہ ٹھٹھک گئی اور سر تا پا اسے دیکھنے لگی۔ ویسا ہی دبلا پتلا جیسا پانچ چھ سال پہلے تھا۔ قد کچھ اور لمبا ہو گیا تھا۔ کندھے قدرے آگے کو جھکے ہوئے ٹخنوں سے اونچی شلوار، گھٹنوں سے نیچے ڈھیلا ڈھالا کرتا، سر پر عمامہ اور بس جو پہلی نظر ہی مجھ پر پڑی تھی اس کے بعد یوں سر جھکائے ہاتھ باندھے کھڑا تھا جیسے نماز کی حالت میں ہو اس کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد میں نے پاپا کی طرف دیکھا تو وہ کہنے لگے۔

''آؤ، بیٹا اپنا عابد ہے۔''

''ہیلو۔'' میں نے آگے آتے ہوئے اسے متوجہ کیا لیکن وہ اسی طرح سر جھکائے ہوئے بولا۔

''السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟''

''ایک دم فرسٹ کلاس، تم سناؤ، میاں جی کیسے ہیں؟''

میں نے اس کے دائیں طرف والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے میاں جی کا احوال پوچھا تو وہ جس طرح کھڑا تھا اسی حالت میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

''الحمدللہ میاں جی بالکل ٹھیک ہیں آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔''

''مجھے بھی وہ بہت یاد آتے ہیں۔ تم انہیں اپنے ساتھ لے آتے۔'' میاں جی کے لیے



میرا دل مچلنے لگا۔

''وہ سفر کے قابل ہوتے تو ضرور آتے۔''

''کیا بہت بوڑھے ہو گئے ہیں؟''

''کم آن مومی! یہ بھی پوچھنے کی بات ہے۔'' پاپا کے ٹوکنے پر میں فوراً وہاں سے اٹھ گئی، پھر جاتے جاتے رک کر پوچھا۔

''سنو عابد، ابھی تم رہو گے ناں۔''

''جی بس!'' اب پتا نہیں اس کے ''جی بس'' کا کیا مطلب تھا۔ میں کندھے اچکاتی ہوئی وہاں سے چلی آئی۔

مجھے عابد کو دیکھ کر خاصی بلکہ بہت زیادہ مایوسی ہوئی تھی، ایک ہی تو میرا فرسٹ کزن تھا اور اکثر نہیں تو کبھی کبھار ہی جب اس کا خیال آتا تو میں کچھ دیر کو ہی سہی اسے سوچتی ضرور تھی۔ چھ سال پہلے جب وہ میٹرک کا امتحان دینے آیا تھا اس وقت بھی وہ کوئی بچہ نہیں تھا یعنی وہ شروع سے باقاعدہ پڑھتا ہوا نہیں آیا تھا گاؤں میں غالباً اس نے پرائمری تک پڑھا اس کے بعد کسی دینی مدرسے میں چلا گیا وہاں سے تین سال بعد واپسی ہوئی پھر تین سال یونہی گنوانے کے بعد مڈل کیا اور مڈل کے بھی پتا نہیں کتنے سال بعد اسے میٹرک کا خیال آیا تھا اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ اب تک وہ کیا کرتا رہا تھا۔ بہرحال کبھی کبھار جب مجھے اس کا خیال آتا تو میں سوچتی ضرور تھی۔ کہ پتا نہیں اب وہ کیسا ہو گا۔ اور جیسا ابھی اسے دیکھ کر آئی تھی ایسا بہرحال میں نے گمان بھی نہیں کیا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ وہ شروع سے گاؤں میں رہا تھا۔ وہ بھی میاں جی یعنی دادا کے پاس، لیکن اب گاؤں کے لوگ بھی کہاں اتنے سادہ رہے ہیں شہروں جیسی سہولیات انہیں بھی میسر ہیں پھر گھر گھر ٹی وی نے ان کے حلیے ہی بدل ڈالے ہیں۔

اور عابد..... مجھے خوامخواہ جھنجھلاہٹ ہونے لگی، شاید اس لیے کہ اگر میری دوستوں میں سے کسی کو معلوم ہو گیا کہ یہ عجیب و غریب مخلوق میرا فرسٹ کزن ہے تو میرا کتنا ریکارڈ لگے گا میں جو ایسی بات کی اکلوتی بیٹی حسین اور الٹرا ماڈرن جس محفل میں چلی جاؤں، محفل کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ میں بھلا ایسی اسٹوپڈ قسم کی باتیں افورڈ کر سکتی ہوں ہرگز نہیں، میرے کان صرف اپنی تعریف سننے کے عادی ہیں اور بس، مجھے یہ ہرگز گوارہ نہیں کہ عابد کی وجہ سے ہی سہی میں کہیں بھی مذاق کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



نشانہ بنوں کتنی دیر تک میں ایسی یہ باتیں سوچ کر جھنجھلاتی رہی اور جانے کب سو گئی۔

کالج چھوڑنے کے بعد سے تو کبھی میری صبح بارہ بجے سے پہلے نہیں ہوتی تھی اور میں اپنے اسی معمول کے مطابق اٹھی فوراً ہی ملازم بیڈ ٹی لے کر آ گیا۔ پھر چائے پیتے ہوئے میں سوچنے لگی کہ شام میں جب روما آئے گی تو اس کے ساتھ کہاں کا پروگرام رکھوں۔

''دیکھا جائے گا۔'' کتنی دیر تک جب میں کوئی پروگرام سیٹ نہیں کر سکی تو خود کلامی کے انداز میں کہتی ہوئی بیڈ سے اتر آئی نائٹی کے اوپر گاؤن پہن لیا اور کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی تو عابد جو سامنے ہی بیٹھا تھا مجھے دیکھتے ہی پہلے نظروں کا زاویہ بدلا پھر سر بھی جھکا لیا اور مجھے اس کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری کیونکہ میں تو ان نظروں کی عادی تھی جو مجھے دیکھ کر ہٹنا بھول جاتی تھیں اور یہ عابد علی، عام سے بھی عام سا شخص جانے اپنے آپ کو کیا سمجھ رہا تھا مجھے غصہ کیوں نہ آتا اس کے قریب سے پاؤں پٹختی ہوئی گزری تیز آواز میں ڈیک کھولا پھر اس کے عین سامنے صوفے پر دراز ہو گئی۔ میوزک میری کمزوری ہے۔ میں سب بھول جاتی ہوں اس وقت بھی میں نے بڑے آرام سے پلکیں موند لیں میوزک کے ساتھ میرے پاؤں آپ ہی آپ ہلنے لگے تھے۔

ارے بابا یہ دل کیوں مچلنے لگا

''ارے بابا.....'' گانے کے ساتھ آواز ملاتے ہوئے میں نے یونہی ذرا سی آنکھیں کھولیں عابد کانوں کو ہاتھ لگا کر کہہ رہا تھا۔

''استغفر اللہ۔'' میں زور سے ہنسی پھر اسے پکار کر کہا

''عابد، موسیقی کو روح کی غذا کہا گیا ہے۔''

''پتا نہیں میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہ ہمارے مذہب میں حرام ہے۔''

''اچھا۔'' میں نے اٹھ کر آواز دھیمی کی پھر دوبارہ اسی جگہ بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں نے تو ایسا نہیں سنا''

''کیسے سن سکتی ہیں آپ، آپ کے اطراف تو سب موسیقی کو روح کی غذا کہنے والے ہیں۔''

وہ اسی طرح سر جھکائے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

''تمہارا مطلب ہے، میں اپنے مذہب کے بارے میں نہیں جانتی تم سے زیادہ جانتی



ہوں۔'' میں نے سلگ کر دھڑلے سے دعوا کیا تو وہ چونکے بغیر بولا۔

''ضرور جانتی ہو گی۔'' پتا نہیں وہ مجھ سے بحث نہیں کرنا چاہتا تھا یا سچ مچ اعتراف کر رہا تھا میں بہر حال مطمئن نہیں ہوئی اور ایک اور دعوا کر دیا۔

''کبھی فرصت ملے گی تو ثابت کروں گی تم پر۔'' وہ کچھ نہیں بولا، تب میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

شام میں جب روما آئی اس وقت عابد گھر پر موجود نہیں تھا جس پر میں نے شکر کیا لیکن وہ کسی بھی وقت آ سکتا تھا اس لیے میں نے فوراً ہی روما کو کہیں باہر چلنے کے لیے کہا لیکن وہ بیزار سی شکل بنا کر بولی۔

''نہیں بھئی، اس وقت ٹریفک کا بہت شور ہوتا ہے پتا ہے ابھی تمہارے پاس آنے میں مجھے پورا ایک گھنٹہ لگ گیا دونوں سگنل پر ٹریفک اتنی جام تھی کہ میں بتا نہیں سکتی۔''

''اوفوہ! تو گھر بیٹھ کر کیا کریں گے چلو پنکی کی طرف ہی چلتے ہیں۔''

میں کسی طرح اسے یہاں سے لے جانا چاہتی تھی اور وہ پتا نہیں کس موڈ میں تھی آرام سے لان چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''پنکی گھر پر نہیں ہے۔''

''تمہیں کیسے پتا؟''

''میں نے ابھی آتے ہوئے اسے فون کیا تھا معلوم ہوا اس کا فرسٹ کزن امریکہ سے آیا ہوا ہے اور وہ اس کے ساتھ کہیں گئی ہوئی تھی۔'' اس نے بتایا پھر آہ بھر کر بولی ''ہائے ایمان سے بڑی لکی ہے۔ لگتا ہے فرسٹ کزن کے ساتھ ہی امریکہ فلائی کر جائے گی۔''

''پھر.....؟'' میں نے اس کی بات کو اہمیت نہ دینے کی غرض سے اکتاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

''پھر یہ کہ کاش میرا بھی کوئی کزن امریکہ، کینیڈا، یا فرانس میں مقیم ہوتا تو میں.....''

''فار گاڈ سیک روما۔'' میں نے جھنجلا کر ٹوک دیا تو وہ میری طرف متوجہ ہو کر بولی۔

''کیا بات ہے تمہارا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔''

''بس میں بہت بور ہو رہی ہوں چلو باہر چلیں۔''

''چلو۔'' وہ خاصے ڈھیلے ڈھالے انداز میں کھڑی ہوئی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



لیا اور جیسے ہی گیٹ کی طرف اپنا رخ موڑا، عابد کو داخل ہوتے دیکھ کر ٹھٹک گئی جب کہ روما نے پہلے واؤ کی آواز نکالی پھر مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''یہ کیا چیز ہے؟'' شرمندگی کے مارے مجھ سے کچھ بولا ہی نہیں گیا تو کندھے اچکاتے ہوئے سر کو نفی میں ہلا کر لاعلمی کا مظاہرہ کیا اور اس نے فوراً قیاس کر ڈالا۔

''لگتا ہے تمہاری ممانے تمہارے لیے ٹیوٹر رکھا ہے۔''

''کیا.....؟'' میں چیخ پڑی لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا محظوظ ہو کر بولی۔

''معلوم کرلو، دیکھو وہ اندر جا رہا ہے۔''

''جانے دو، مما خود ہی دیکھ لیں گی۔'' میں نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا اور باہر آ کر جلدی سے اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''سنو۔'' وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے شرارت سے بولی ''اسے بھی ساتھ لے لو، میوزیم میں رکھ آئیں گے''

''روما.....!'' میں نے دانت پیسنے چاہے لیکن مجھے بڑی زور کی ہنسی آ گئی اور اسے ایک پرمزاح موضوع ہاتھ آ گیا تھا سارا وقت میں نے بہت کوشش کی اس کا دھیان ادھر ادھر کرنے کی لیکن وہ گھوم پھر کر عابد پر آ جاتی اور ایسی ایسی باتیں کہ مجھے جہاں بے ساختہ ہنسی آتی وہاں یہ دھڑکا بھی کہ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ وہ میرا کزن ہے تو.....اف اس سے آگے سوچ کر ہی مجھے جھرجھری آ جاتی۔

جس وقت میں واپس آئی، وہ پاپا کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھا تھا میرا دل چاہا۔ کھڑے کھڑے اس کی کلاس لے ڈالوں کہ آخر اس نے اپنا کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔ لیکن اس کے مہمان ہونے کا خیال کر کے میں ضبط کر گئی اور اپنے کمرے میں جانے لگی کہ پاپا نے پکار لیا۔

''مریم سنو بیٹا۔''

''جی.....!'' میں پلٹ کر پاپا کے پاس آ بیٹھی تو وہ کہنے لگے۔

''میرا خیال ہے۔ تم عابد کے ساتھ کچھ دنوں کے لیے میاں جی کے پاس چلی جاؤ وہ خوش ہو جائیں گے۔''

پاپا کی بات سن کر میں نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ عابد بول پڑا۔



''میرے ساتھ، نہیں چچا جی، میرے ساتھ نہیں، جب آپ آئیں گے تو انہیں بھی ساتھ لے آیئے گا۔''

میں بے حد حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ حیرت کی بات تو تھی کہ لوگ میری ہمراہی کی تمنا کرتے ہیں اور وہ دامن بچا رہا تھا۔ فوراً ہی حیرت کی جگہ ناگواری اور توہین کے احساس کے ساتھ ہی میں ضد میں آ گئی۔

''ٹھیک ہے پاپا! میں عابد کے ساتھ چلی جاؤں گی۔''

اگر عابد پہلے نہ بول پڑتا تو میں پاپا کو صاف منع کرنے جا رہی تھی کیونکہ مجھ جیسی آزاد خیال لڑکی کے لیے گاؤں میں وقت گزارنا بہت مشکل تھا لیکن اب آناً فاناً فیصلہ ہو گیا اور میں اس پر اڑ بھی گئی۔

''یقیناً میاں جی خوش ہو جائیں گے میں ضرور جاؤں گی۔'' پھر اس سے پوچھا ''کب جانے کا پروگرام ہے عابد؟''

''کل.....'' میں نے دیکھا، وہ خاصا جز بز ہو رہا تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے اپنا پروگرام بتایا۔

''کل نہیں پرسوں چلیں گے، کل میں میاں جی کے لیے شاپنگ کروں گی کیوں پاپا؟''

''ہاں، یہ ٹھیک ہے۔'' پاپا نے مجھ سے اتفاق کیا پھر اسی وقت چیک بک نکال کر مجھے چیک سائن کر کے دیا۔ پھر کہنے لگے۔

''سردی آنے والی ہے، میاں جی کے لیے گرم چادر اور سوئیٹر وغیرہ ضرور لینا۔''

''اوکے۔'' میں نے اٹھتے ہوئے جتانے والے انداز میں اسے دیکھا لیکن وہ کہاں میری طرف دیکھتا تھا۔ سر تک نہیں اٹھاتا تھا، اور اس کا نہ دیکھنا بھی مجھے چیلنج کر رہا تھا۔ حالانکہ مجھے پروا نہیں ہونی چاہیے تھی۔ لیکن شاید یہی انسانی فطرت ہے کبھی معمولی سی شے پر قناعت کر لینا اور کبھی ایک دنیا تسخیر کر کے بھی اطمینان نہیں ہوتا۔

اگلی شام جب میں شاپنگ کے لیے نکل رہی تھی تب ہی شجاع آ گیا اور اب اس کی حیثیت جاننے کے بعد میں کسی طرح اُسے نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ اپنا پروگرام بھی ملتوی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ کل جانا تھا اس لیے اس کی آفر قبول کر لی اور اپنی گاڑی چھوڑ کر اس کی گاڑی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



آ بیٹھی۔

''کہاں چلیں؟'' اس نے میری طرف دیکھ کر پوچھا، میرے ذرا سے التفات نے اسے اچانک کتنا خوش کر دیا تھا۔ جیسے اس کی دلی تمنا پوری ہوئی ہو۔ اور میرا دل چاہا اسی وقت عابد علی کو بلا کر کہوں کہ دیکھو کیسے کیسے لوگ میری ایک نگاہ التفات کے منتظر رہتے ہیں تم کیا چیز ہو اور میں نے گیٹ کے اندر نظر دوڑائی لیکن وہ پتا نہیں کہاں تھا تب میں نے شجاع سے کہا۔

''طارق روڈ۔'' پھر اسے اپنا پروگرام بتایا۔ ''اصل میں کل میں اپنے دادا کے پاس جا رہی ہوں انہی کے لیے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔''

''کہاں رہتے ہیں تمہارے دادا؟''

''گاؤں میں۔'' پتا نہیں کیوں میں نے اسے سچ بتایا اور اس نے کوئی تبصرہ کیے بغیر پوچھا۔

''آؤ گی کب؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتی، ہو سکتا ہے دو دن میں یا پھر دو مہینے بعد۔''

''اوں ہوں، دو دن ٹھیک ہیں اس سے زیادہ نہیں رہنا۔''

''کیوں؟'' میں قصداً انجان بنی

''دو مہینے اگر تم نظر نہیں آؤ گی تو میں تو پاگل ہو جاؤں گا۔''

''اچھا.....!'' میں زور سے ہنسی پھر اسے چھیڑنے کی غرض سے کہا ''یہ تو وہاں جا کر پتا چلے گا دل لگ گیا تو بہت سارے دن رہوں گی۔''

''ایسا کرو دل میرے پاس چھوڑ جاؤ پھر کوئی مسئلہ نہیں۔'' وہ شوخ ہو گیا اور قدرے بے باک بھی۔

''نا بابا ایسی غلطی میں نہیں کر سکتی۔''

''کیوں.....؟''

''اتنا نازک دل ہے میرا پتا نہیں تم۔''

''بہت سنبھال کر رکھوں گا۔'' وہ فوراً بولا پھر میرا ہاتھ تھام لیا اور یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا جو کسی نے میرا ہاتھ تھاما ہوا البتہ ایسا پہلی بار ہو رہا تھا کہ میں نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔



پھر شاپنگ کے بعد وہ مجھے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں لے گیا جہاں کھانے کے دوران وہ مسلسل مجھے اپنی بے قراریوں کا احوال سناتا رہا اس کا کہنا تھا کہ وہ گزشتہ دو سال سے میرا تعاقب کر رہا ہے اور میرے لیے یہ کوئی نئی بات تو نہیں تھی لیکن اس وقت جانے کیسے اس کے اعتراف میرے اندر نئے پھول کھلا گئے۔ گو کہ میں آئیڈیلز پر یقین نہیں رکھتی تھی پھر بھی یوں لگا جیسے مجھے اسی کا انتظار تھا۔ بہر حال واپسی پر میں بہت خوش تھی اور اس سے جلد آنے کا وعدہ کر کے جب گاڑی سے اتری تو گیٹ پر عابد کو کھڑے دیکھ کر میری گردن تن گئی لیکن وہ میری طرف متوجہ نہیں تھا البتہ شجاع کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ تب میں اپنا شاپنگ کا سامان لے کر اس کی طرف آئی تو محض اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے بولی۔

''عابد! ذرا یہ پکڑنا۔''

اس نے خاموشی سے میرے ہاتھ سے شاپرز لے لیے تو میں شجاع کی طرف جھک کر اس سے بات کرنے لگی پھر اسے خدا حافظ کہہ کر پلٹی تو عابد اندر جا رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے داخل ہوئی پھر اس کے ساتھ قدم ملا کر کہا۔

''یہ شجاع تھا، میرا بہت اچھا دوست۔''

''مریم جی۔'' وہ ایک دم قدم روک کر بولا ''کوئی بھی نامحرم نہ دوست ہوتا ہے نہ دشمن''

''پھر کیا ہوتا ہے؟'' میری آواز کی کھنک بتا رہی تھی کہ میں اسے الو کا پٹھا سمجھ رہی ہوں اور وہ الو کا پٹھا بڑے آرام سے بولا۔

''کچھ بھی نہیں ہوتا اور جو کچھ بھی نہیں ہوتا اس سے ہمیشہ دور رہنا چاہیے۔''

''ہا..... ہا.....'' میں نے کھل کر تمسخر اڑایا۔ ''تم پتا نہیں کون سی دنیا میں رہتے ہو عابد اور کیسی باتیں کرتے ہو میری تو سمجھ میں نہیں آتیں''

''میں آپکو سمجھا بھی نہیں سکتا۔'' وہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا تو میں تیز قدم اٹھاتی اس سے پہلے اندر آ گئی۔

پھر سونے سے پہلے جب میں اپنا سوٹ کیس پیک کر رہی تھی مما جانے کس کام سے میرے کمرے میں آئیں اور میرے ہاتھ میں چیزیں دیکھ کر کہنے لگیں۔

''مومی! ایسے کپڑے مت لے جاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"پھر.....؟" میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ بڑھ کر میرے سوٹ کیس میں سے سب کپڑے نکالتے ہوئے بولیں۔

"تم گاؤں جا رہی ہو میاں جی کے پاس اور وہاں ایسا ماحول نہیں ہے میاں جی بھی برا مانیں گے زیادہ دن تو رہو گی نہیں بس تین چار شلوار سوٹ رکھ لو، دوپٹے کے ساتھ۔"

"واٹ۔" میں چیخی "مما! میں نے پہلے کبھی دوپٹہ اوڑھا ہے اور میرا خیال ہے، میرے پاس ایسی کوئی چیز ہے بھی نہیں۔"

"میرے دوپٹے لے لو لیکن وہاں تمہیں ضرور اوڑھنے ہیں۔"

ممی کہتے ہوئے چلی گئیں اور کچھ دیر بعد اپنے دوپٹے لیے آ گئیں۔ میں انتہائی بے زاری سے دیکھتی رہی انہوں نے خود ہی دوپٹوں کے ساتھ میرے سوٹ ملائے پھر سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے بولیں۔

"بس یہ ٹھیک ہیں باقی کپڑے الماری میں رکھ دو اور سنو وہاں میاں جی کو تنگ نہیں کرنا۔"

"کم آن مما، میں کوئی چھوٹی بچی ہوں"

"بچوں جیسی حرکتیں تو کرتی ہو۔" انہوں نے سوٹ کیس بند کیا پھر میرا گال تھپک کر بولیں "بس اب سو جاؤ صبح جلدی اٹھنا ہے۔"

"کتنی جلدی۔"

"عابد کہہ رہا تھا صبح سات بجے یہاں سے نکلنا ہے۔"

"کیا بات کرتی ہیں مما، ہمیں کون سا ٹرین پکڑنی ہے اپنی گاڑی میں جائیں گے جب بھی جائیں۔"

میں بری طرح جھنجھلا گئی تب مما کچھ دیر سوچنے کے بعد بولیں۔

"نہیں عابد ٹھیک کہہ رہا ہے ساتھ بجے نکلو گے تو دوپہر تک پہنچ جاؤ گے۔" قدرے توقف سے کہنے لگیں میرا خیال ہے ڈرائیور کو ساتھ لے جاؤ واپسی میں تو عابد تمہارے ساتھ نہیں ہو گا۔"

"اس کے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"



میں نے ہنس کر کہا تو ممی تنبیہی نظروں سے گھورنے لگیں تب میں اپنے کپڑے سمیٹ کر الماری کی طرف بڑھ گئی۔

پھر جب صبح چھ بجے ہی مما نے آ کر مجھے اٹھایا تو میرا دل چاہا جانے سے ہی منع کر دوں کیونکہ مجھے کوئی ایسا شوق بھی نہیں تھا لیکن عابد کی بات کہ نہیں میرے ساتھ نہیں اور مجھے بھی بس ضد سی ہو گئی تھی اس لئے نہ چاہتے ہوئے بھی میں اٹھ کھڑی ہوئی منہ ہاتھ دھو کر مما کی ہدایت کے مطابق شلوار سوٹ زیب تن کیا اور دوپٹہ گلے میں ڈال کر کمرے سے نکل آئی اتنی صبح ناشتے کا موڈ نہیں تھا اس لئے صرف ایک کپ چائے پر اکتفا کیا اس کے بعد باہر آئی تو مما ملازم سے سامان گاڑی میں رکھوا رہی تھیں میں نے پاپا کا پوچھا وہ سو رہے تھے اور میں نے اٹھانا ضروری نہیں سمجھا۔

کچھ دیر بعد عابد ناشتا کر کے آ گیا تو صبح کے اجالے میں جانے مجھے اس میں کیا بات نظر آئی کہ جب تک وہ مما سے بات کرتا رہا میں اسے دیکھے گئی گھنی سیاہ داڑھی کے درمیان اس کی سرخی مائل گندمی رنگت میں سے ایک روشنی سی پھوٹ رہی تھی اور اس کی آنکھیں ہاں اس کی آنکھیں میں پہلی بار دیکھ رہی تھی کیونکہ مجھ سے بات کرتے ہوئے تو وہ سر تک جھکا لیتا تھا اور جانے کیوں میرا دل چاہا وہ ایک بار براہ راست میری طرف دیکھے اور اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں میں اپنا آپ دیکھوں۔

"چلیں بی بی۔" مما سے اجازت لے کر اس نے مجھ سے کہا تو میں چونک گئی اور دل ہی دل میں خود کو ٹوکتے ہوئے مما سے مل کر گاڑی میں آ کر بیٹھی تو وہ جو میرے پیچھے آ رہا تھا کہنے لگا۔

بی بی آپ پیچھے آرام سے بیٹھ جائیں میں گاڑی چلا لیتا ہوں۔

اچھا۔ میں نے سر تا پا اسے دیکھا پھر کندھے اچکا کر بولی۔ جب میں تھک جاؤں گی تب تم ڈرائیو کر لینا۔

جیسی آپ کی مرضی۔ وہ کہتے ہوئے پیچھے بیٹھنے لگا کہ میں نے اگلا دروزہ کھول دیا پھر جس طرح وہ جھک کر اور سمٹ کر بیٹھا میں نے سچ مچ اپنا سر پیٹا پھر ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

کتنا فاصلہ طے کرنے کے بعد اچانک مجھے لاتعلقی اور خاموشی کھلنے لگی۔ دو اجنبی بھی سفر کے دوران ایک دوسرے سے اتنے لاتعلق نہیں رہتے جتنا وہ نظر آ رہا تھا۔ مجھے وحشت ہونے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



گئی۔اور اپنے آپ پر غصہ بھی آیا کہ میں نے کیوں اس کے ساتھ آنے کی ہامی بھری۔پھر بمشکل اپنے غصے پر قابو پا کر میں نے اسے مخاطب کر کے بات کرنی چاہی لیکن اس نے جواب میں اتنے اختصار سے کام لیا کہ میں مزید سلگ گئی اسے اس کے حال پر چھوڑ کر یہ فرض کر لیا جیسے وہ میرے ساتھ موجود نہیں ہے۔واقعی اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہی تھا۔پھر خاموشی سے اکتا کر میں نے کیسٹ لگا دی۔کسی طور سفر کٹنا ہی تھا۔

''کتنا مشکل ہے دیکھو اس دنیا میں دل لگانا او یارا دل لگانا''

میں محض اس پر جتانے کی خاطر کہ اس سے بات کیے بغیر انجوائے کر سکتی ہوں خود بھی لہک لہک کر گانے لگی۔

''او یارا دل لگانا او یارا'' مر میں میری جب اس پر نظر پڑی آنکھیں بند اور ہونٹ ہل رہے تھے مجھے پہلے ہنسی آئی پھر اس کے ہلتے ہونٹوں پر غور کیا تو وہ کہہ رہا تھا۔

''استغفراللہ'' میں نے جھنجھلا کر ٹیپ بند کر دیا تو جیسے وہ سکون سے ہو گیا تب میں نے پوچھا۔

''کیا تم بالکل ٹیپ نہیں سنتے۔''

''ٹیپ سنتا ہوں گانے نہیں سنتا۔'' اس کا جواب میری سمجھ میں نہیں آیا۔

''کیا مطلب؟۔'' میں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا تو وہ کُرتے کی سائیڈ والی جیب میں سے کیسٹ نکال کر بولا۔

''میرے پاس یہ کیسٹ ہے اگر آپ.....؟۔''

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی میں نے جھپٹنے کے انداز میں اس کے ہاتھ سے کیسٹ لیا اور بغیر دیکھے لگا کر آن کر دیا اس وقت میرے ذہن میں صرف یہ بات تھی کہ شاید وہ پرانے گانے سنتا ہو گا اور میں اس کی گھسی پٹی پسند پر اس کا مذاق بھی اُڑاؤں گی اور یہ بھی کہوں گی پرانا ہو یا نیا گانا تو گانا ہے لیکن وہ گانا نہیں تھا میرے سارے احساسات برف ہو گئے۔

دل کو ان سے خدا جدا نہ کرے
بے کسی لوٹ لے خدا نہ کرے
یہ وہی ہیں کہ بخش دیتے ہیں



کون ان جرموں پر سزا نہ کرے
سب طبیبوں نے دے دیا ہے جواب
آہ عیسیٰ اگر دوا نہ کرے
ضعف مانا مگر یہ ظالم دل
ان کے رستے میں تھکا نہ کرے
لے رضا سب چلے مدینہ کو
میں نہ جاؤں ارے خدا نہ کرے

یہ پتا نہیں کون سا راستہ تھا جس پر عابد علی چل رہا تھا میں نے ڈرتے ڈرتے مر میں اس پر نظر ڈالی بند پلکوں کے اندر سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی داڑھی میں جذب ہو رہے تھے یہ تو نہیں تھا کہ میں نے پہلے نعت سنی نہیں تھی البتہ اس طرح روتے ہوئے کسی کو دیکھا نہیں تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ کیوں وہ رہا ہے بڑی مشکل سے میں اس کی طرف سے توجہ ہٹا سکی اور سامنے دیکھنے لگی۔اس کے بعد دوسری پھر تیسری نعت اور جب پڑھنے والے نے یہ اشعار پڑھے۔

بہر سو نغمہ صلی علیٰ گونجا فضاؤں میں
خوشی نے زندگی کی روح دوڑا دی ہواؤں میں
وہ ننھی بچیاں چھتوں چڑھ کر دف بجاتی تھیں
رسول پاکؐ کی جانب اشارے کر کے گاتی تھیں
کہ ہم ہیں بچیاں نجار کے عالی گھرانے کی
خوشی ہے آمنہ کے لال کے تشریف لانے کی
آمنہ بی بی کے پیارے کا جشن مناؤ مل کے

میں نے کچھ چونک کر توجہ سے سنا پھر کیسٹ آف کر دیا۔اور عابد کی طرف دیکھا تو نہیں البتہ اس کی ہر حرکت محسوس کر رہی تھی۔اس نے ہاتھ سے آنکھیں چہرہ اور داڑھی صاف کی اور کچھ دیر بعد جب میں نے محسوس کیا کہ وہ اس کیفیت سے نکل آیا ہے تب میں نے اس سے مخاطب کر کے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''سنو عابد اس روز تم موسیقی کو برا کہہ رہے تھے میں نے قصداً حرام کا لفظ استعمال نہیں کیا ابھی تم نے سنا اس وقت بھی خوشی کے اظہار پر بچیاں دف بجا رہی تھیں۔

ہوں۔ وہ ہوں کہہ کر کتنی دیر کے لئے خاموش ہو گیا اور میں سمجھی لاجواب ہو گیا لیکن وہ مجھ سے پوچھنے لگا۔

کبھی آپ نے دف کی آواز سنی ہے۔ میں سوچ میں پڑ گئی تب وہ کہنے لگا۔ نہیں بی بی آپ نے نہیں سنی ہو گی خوشی اور غم سب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور ان کے اظہار پر پابندی نہیں ہے لیکن حد مقرر کی گئی ہے اور حد سے بڑھ جانا ہی برا ہوتا ہے امید ہے آپ میری بات سمجھ گئی ہوں گی۔

تم کیا حد مقرر کرتے ہو۔ مجھے اپنا سوال احمقانہ، اس کا جواب سن کر لگا۔

میں کون ہوتا ہوں حد مقرر کرنے والا یہ حد بندیاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقرر ہیں اور ان سے انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ قدرے توقف کے بعد کہنے لگا چند روز کی زندگی ہے بی بی نفس کو رام کرنا مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں۔

تم مجھے بی بی کیوں کہتے ہو اور آپ جناب، میں تم سے بڑی تو نہیں ہوں۔''

''آپ میرا نام لے کر مجھے تم سے کیوں مخاطب کرتی ہیں میں آپ سے چھوٹا تو نہیں ہوں۔'' اس نے الٹا سوال کر دیا اور میں نے ذرا سے کندھے اچکائے پھر پوچھا۔

''کیا تمہیں برا لگتا ہے؟''

''نہیں۔؟'' پھر غالباً اس موضوع سے ہٹنے کی خاطر کہنے لگا۔

''میرا خیال ہے اب آپ آرام کریں مجھے ڈرائیو کرنے دیں۔''

''ہاں، واقعی میں تھک گئی ہوں۔''

میں نے کہتے ہوئے فوراً گاڑی روک دی اور ٹانگیں سیدھی کرنے کی غرض سے نیچے اتر آئی۔ وہ چکر کاٹ کر ڈرائیونگ کی طرف آیا تو کہنے لگا۔

''آپ چاہیں تو پچھلی نشست پر آرام سے لیٹ جائیں کیونکہ ابھی کافی سفر باقی ہے۔''

میں نے گہری سانس کھینچتے ہوئے اُسے دیکھا ہر قسم کے تاثر سے عاری سیدھا سپاٹ



چہرہ میں جاننے سے قاصر رہی کہ وہ فاصلوں کا قائل ہے یا مجھ سے خائف اور پتہ نہیں اس کا حد درجہ گریز مجھے طیش کیوں دلاتا تھا اس وقت میرا دل چاہا میں اسے دھکا دے کر نیچے گرا دوں پھر سپیڈ سے گاڑی اس کے اوپر سے گزار لے جاؤں۔ تھا ہی کیا اس میں' پورا ڈھانچہ' اور اس ویرانے میں دور دور تک اس کی ہڈیاں چٹخنے کی آواز سنائی دے گی۔

''چلیں بی بی۔'' وہ منتظر کھڑا تھا تب میں پچھلی نشست پر بیٹھ گئی اور کچھ تک اسے ڈرائیونگ کرتے ہوئے دیکھتی رہی اور پھر اطمینان سے لیٹ گئی خلاف معمول صبح جلدی اٹھی تھی اس لئے اب نیند آنے میں دیر نہیں لگی۔ اور پھر ظاہر ہے باقی سفر کا پتہ بھی نہیں چلا۔ پتا نہیں اس نے کتنے گھنٹے ڈرائیونگ کی مجھے بہر حال اس نے اسی وقت اٹھایا جب گھر کے سامنے گاڑی روکی۔

میں ہڑبڑا کر اٹھی اور سامنے میاں جی کا گھر دیکھ کر حیران رہ گئی بہت پہلے غالباً دس بارہ سال پہلے میں ایک بار مما اور پاپا کے ساتھ آئی تھی تو اس وقت بھی یہی ہرے رنگ کا دروازہ تھا کچھ دیر کو میں سب بھول گئی بس میاں جی کی کشش تھی جو میں فوراً اتر کر اندر بھاگی آنگن میں بندھی بکریاں ادھر ادھر بکھرا ان کا چارہ' اور غلاظت پہلی نظر میں کچھ نظر نہیں آیا۔ سب پھلانگتی ہوئی میاں جی کے کمرے میں داخل ہوئی تو ان کی آواز نے دروازے کے پاس ہی قدم روک دیئے۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

بس ایک پل اور اگلے پل بے اختیار آگے بڑھ کر میں نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

''کون ہے؟'' انہوں نے میرے ہاتھ چھو کر پوچھا تو میں سامنے آ کر روٹھ کر بولی۔

''آپ نے مجھے نہیں پہچانا میاں جی۔''

''مریم۔'' انتہائی شفقت سے انہوں نے پہلے میرا چہرہ ہاتھوں میں تھاما پھر اپنے سینے سے لگا لیا۔ جانے کیسی نرمی اور کیسی گرمی تھی۔ میری پلکیں نم ہو گئیں۔ حیرت کی بات تھی کیونکہ میرے اندر گداز کہاں تھا شاید میں محبتوں پر بھی یقین نہیں رکھتی تھی۔ بلکہ میرا خیال تھا کہ سب رشتے ناتے رواداریاں ضرورت کی محتاج ہیں گو کہ میں میاں جی کے پاس کسی ضرورت سے نہیں آئی تھی۔ نہ ہی مجھے شوق تھا بس عابد کی بات کہ ''نہیں میرے ساتھ نہیں'' اور میں ضد میں اسی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ساتھ آ گئی۔ پھر پتہ نہیں میاں جی کی آغوش میرے اندر کون سا احساس پیدا کر رہی تھی جس نے میری پلکیں بھی نم کر دیں۔

''کس کے ساتھ آئی ہو؟'' میاں جی پوچھ رہے تھے میں چونکی اور ان کی آغوش سے نکلتے ہوئے بتایا۔

''عابد کے ساتھ۔'' تب ہی عابد اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔

''السلام علیکم میاں جی۔''

''وعلیکم اسلام۔ مریم کو تم لے کر آئے ہو'' جواب دینے کے ساتھ ہی انہوں نے سوال کر دیا تو وہ سر جھکا کر بولا۔

''چچا جی نے کہا تھا اور میں ان کی بات رد نہیں کر سکا۔'' خاصا مجرمانہ سا انداز تھا اور میں بری طرح کانپ گئی۔

''کیوں میاں جی کیا آپ کو میرا آنا اچھا نہیں لگا۔''

''نہیں بیٹی' تمھیں دیکھ کر تو میں جی اٹھا ہوں۔'' انہوں نے میری پیشانی چومی پھر اٹھتے ہوئے بولے ''چلو منہ ہاتھ دھو لو میں تمھارے لئے کھانے کا بندوبست کرتا ہوں''

''ہاں میاں جی! بھوک بھی لگ رہی ہے۔''

میں ان کے ساتھ کھڑی ہوئی پھر وہ کچن میں اور میں برآمدے میں ہی کھڑی رہ گئی آتے ہوئے پتہ نہیں میں کیسے آنگن میں سے گزر کر آئی تھی۔ اب ہینڈ پمپ تک جانا محال لگ رہا تھا عجیب ناگوار سی مہک پورے آنگن میں پھیلی ہوئی تھی غالباً بکریوں اور ان کے لوازمات کے باعث میری نازک طبع کے لئے سخت آزمائش تھی میں نے وہیں سے چلانا شروع کر دیا۔

''میاں جی! یہ اتنی گندگی مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی۔ بکریوں کو ہٹائیں یہاں سے۔''

میری آواز پر عابد اندر سے نکل کر آیا اور کچھ کہے بغیر جھاڑو اٹھا کر آنگن صاف کرنے لگا دھول اڑتے ہی مجھے کھانسی شروع ہو گئی تو وہ ہاتھ روک کر بولا۔

''بی بی! آپ اندر چلی جائیں۔''

''ہونہہ۔'' میں پاؤں پٹختی ہوئی میاں جی کے پاس کچن میں چلی آئی لیکن یہاں دھویں



کی صورت ایک نئی افتاد میرا کھانستے کھانستے برا حال ہو گیا آنکھوں اور ناک سے الگ پانی بہنے لگا۔

میاں جی جو چولہے میں منہ دیئے لکڑیوں پر پھونکیں مار رہے تھے اٹھ کر میرے پاس آ گئے اور اپنے کندھے پر رکھے رومال سے میرا چہرہ صاف کرتے ہوئے بولے۔

''تم یہاں آ گئیں اندر چل کر بیٹھو آؤ۔'' وہ مجھے کندھوں سے تھام کر کچن سے نکلے تو کھلی فضا میں مَیں نے گہرا سانس کھینچا لیکن ناگوار سی مہک سے میرا دل الٹنے لگا۔

''اف! میں میاں جی کا خیال کئے بغیر بھاگتی ہوئی اندر آ گئی اور ان کی چارپائی پر گر کر تکیے میں منہ چھپا لیا تو اپنے آپ پر جھنجھلانے لگی۔ کہ میں آخر کیا سوچ کر یہاں آئی تھی پتا نہیں کیسے لوگ گاؤں کی فضا کو کثافتوں اور آلودگیوں سے پاک بتاتے ہیں' مجھے تو سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ پھر کوئی گھنٹے بعد میاں جی کھانا لے کر آئے اور مجھے اٹھاتے ہوئے بولے۔

''مریم بیٹی! ٹھوکھانا کھالو'' میں بادل نخواستہ اٹھ بیٹھی۔ میاں جی نے ٹرے میرے سامنے رکھی اور خود بھی بیٹھ گئے تو میں اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

''ہاتھ دھوؤ گی۔'' انہوں نے کہا ساتھ ہی گلاس میں پانی ڈال کر میری طرف بڑھایا تو میری سمجھ میں نہیں آیا کیا کروں۔

''ادھر کرو ہاتھ۔'' انہوں نے خود ہی میرے ہاتھ چارپائی کے کنارے سے باہر کئے اور پانی ڈالنے لگے۔ میں حیران پریشان تھی ہاتھ تو دھل گئے لیکن کمرے کے اندر مجھے یہ طریقہ پسند نہیں آیا۔

''کھانا کھاؤ۔'' میاں جی نے میری توجہ کھانے کی طرف دلائی تو مجھے عابد کا خیال آیا اور میں نے فوراً پوچھ لیا۔

''عابد کہاں ہے، کھانا نہیں کھائے گا؟۔''

''تم تو کھاؤ اس کی فکر بعد میں کرنا۔''

''میاں جی نے یونہی بات کی تھی اور میں نے اندر ہی اندر کھولتے ہوئے سوچا۔

''مجھے کیا ضرورت ہے اس کی فکر کرنے کی، میری جوتی کو بھی پروا نہیں۔''

کھانا خاموشی سے کھایا گیا پھر میاں جی خود ہی برتن رکھ کر آئے تو اطمینان سے میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



پاس بیٹھ کر مما اور پاپا کا حال احوال پوچھنے لگے اور میں نے پاپا کی ہدایت کے مطابق انہیں پورا اطمینان دلایا۔ پھر اتنی دیر سے جو بات کھٹک رہی تھی وہ کہے بغیر نہیں رہ سکی۔

''میاں جی! آپ یہاں کیوں رہتے ہیں میرا مطلب ہے ہمارے پاس کیوں نہیں آ جاتے۔''

''بیٹی، تیرے ماں باپ بھی یہی کہتے ہیں لیکن میں کیا کروں میرا دہاں دل نہیں لگتا۔''

میاں جی معذوری ظاہر کرتے ہوئے کہنے لگے ''عجیب افراتفری ہے شہروں میں، لوگوں کو ایک دوسرے کی پروا نہیں سب کو اپنی اپنی پڑی ہے۔''

''افراتفری تو زندگی کا حصہ ہے میاں جی! بھاگتے دوڑتے لوگ چیختی چنگھاڑتی گاڑیاں، ایک ہلچل کا احساس ہوتا ہے۔ بھلا ٹھہری ہوئی زندگی میں کیا مزہ، روزانہ ایک جیسے کام، کوئی نیا پن نہیں، صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے اور بس۔'' میری بات پر وہ کھل کر مسکرائے

''کیا تمہارے ہاں صبح کے بعد شام نہیں ہوتی۔''

''ہوتی ہے لیکن ہماری ساری شامیں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔''

''ہا.....آں۔'' وہ کتنی دیر تک پرسوچ انداز میں سر ہلاتے رہے۔ پھر کہنے لگے ''بیٹی! ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو ہم یہیں خوش ہیں۔''

''یہاں کیا ہے، میاں جی! کوئی سہولت بھی تو آپ کو میسر نہیں ہے ابھی تک لکڑیاں پھونکتے ہیں وہاں آ جائیں اتنا بڑا گھر، اتنے سارے نوکر سب آپ کی خدمت کریں گے۔'' میں نے ایک طرح سے انہیں لالچ دیا۔

''یہ تو ہے سب میری خدمت کریں گے۔'' ان کے جھریوں زدہ چہرے پر شوخی بڑی بھلی لگ رہی تھی پھر میری ٹھوڑی چھو کر بولے۔

''اور تم کیا کرو گی؟ کیا اپنے ہاتھوں سے مجھے روٹی پکا کر کھلاؤ گی۔''

''میں.....'' اپنی طرف اشارہ کر کے میں نے نفی میں سر ہلانا شروع کیا۔ ''نہیں میاں جی! مجھے روٹی پکانی نہیں آتی''

''تو سیکھ لینا۔'' انہوں نے بڑے آرام سے کہہ دیا۔

''نہیں.....''



''کیوں.....؟''

''خانساماں ہے ناں پھر مجھے کیا ضرورت ہے۔''

میں اکتا کر بولی۔

تب ہی قریبی مسجد سے اذان کی آواز آنے لگی تو میاں جی ایک دم خاموش ہو گئے اور جیسے ہی اذان ختم ہوئی اٹھتے ہوئے بولے۔

''میں نماز کے لیے جا رہا ہوں تم بھی نماز پڑھ لو۔''

میں کچھ نہیں بولی اور جب وہ چلے گئے تو میں اطمینان سے لیٹ گئی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ آنگن سے باتوں کی آواز آنے لگی میں دوبارہ بیٹھ گئی اور کھڑکی سے باہر دیکھا دو لڑکیاں تھیں جو اسی طرف آ رہی تھیں پھر کمرے کے دروازے تک آ کر رک گئیں اور پراشتیاق نظروں سے مجھے دیکھنے لگیں۔

''کیا بات ہے؟'' میرے سپاٹ لہجے پر ان کے ہونٹوں کی مسکراہٹ غائب ہو گئی اور ایک قدرے رک کر بولی۔

''وہ جی، آپ مولوی صاحب کی مہمان ہو۔''

''کون مولوی صاحب۔'' میں نے پوچھا پھر فوراً خیال آیا شاید میاں جی کو کہہ رہی ہیں ہنوز اسی انداز میں بولی ''ہاں پھر.....!''

''ہم آپ سے ملنے آئے ہیں۔''

''کیوں؟'' میرے پوچھنے پر دونوں سٹپٹا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں پھر ایک نے جرات کی۔

''آپ مہمان ہو اور اماں نے کہا ہے آپ رات کا کھانا ہمارے گھر کھانا۔''

''کیا.....؟'' انتہائی نخوت کے ساتھ میری چیخ بے ساختہ تھی اور وہ دونوں مزید کچھ کہے بغیر بھاگ گئیں۔

''بہت مشکل ہے یہاں رہنا کل ہی واپس جانا ہو گا۔''

میں بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئی تو نہ صرف آنگن صاف ستھرا تھا بلکہ وہ ناگوار سی مہک بھی نہیں تھی۔ تب میں نے ہینڈ پمپ پر آ کر منہ ہاتھ دھویا پھر تار پر سے تولیہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اتار رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہونے لگی۔

''کون.....؟'' میں نے وہیں کھڑے کھڑے اونچی آواز میں پوچھا۔

''میں ہوں بی بی عابد۔''

''عابد!'' میں حیران ہو کر دیکھنے لگی کیونکہ دروازے کا ایک پٹ آدھا کھلا ہوا تھا پھر اس کا باہر سے پکارنا میری سمجھ میں نہیں آیا۔ کچھ دیر انتظار کیا پھر جھنجھلا کر دروازے تک آئی وہ ہاتھ میں دودھ کی بالٹی لیے کھڑا تھا مجھے دیکھ کر فوراً سر جھکاتے ہوئے بولا۔

''کیا میں اندر آجاؤں؟''

''آیئے تشریف لایئے۔'' میں بری طرح بھنائی اور جیسے ہی وہ اندر آیا میں نے اسے لتاڑنا شروع کیا۔

''تمہارا یہ انداز میری سمجھ میں نہیں آیا عابد دستک دینے کی کیا ضرورت تھی تمہارا اپنا گھر ہے اور دروازہ بھی کھلا تھا۔''

''دروازہ کھلا ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہے بی بی کہ انسان بے دھڑک اندر داخل ہو جائے۔''

وہ رکے بغیر رسان سے بولا اور میں اس کے پیچھے چلتی آئی۔

''کیوں، آپ نے تو مجھ سے زیادہ جاننے کا دعویٰ کیا تھا۔'' وہ کہتا ہوا کچن میں چلا گیا اور میں اسے نان سنس اسٹوپڈ جیسے کلمات سے نوازتی ہوئی آنگن میں رکھی چارپائی پر آبیٹھی۔ شام اتر رہی تھی اور مجھے اپنے شہر کی رونقیں یاد آنے لگیں روما، پنکی، شجاع اور میں نے صبح ہی واپسی کا فیصلہ کرلیا۔

''بی بی! چائے لے لیں۔'' عابد کی آواز پر میں نے چونک کر سر اٹھایا اور اس کے ہاتھ سے چائے کا پیالہ لیتے ہوئے میاں جی کا پوچھا تو وہ کہنے لگا۔

''میاں جی، عشاء کے بعد ہی آئیں گے آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیں۔''

''نہیں، کچھ نہیں چاہیے۔''

''پھر میں چلوں۔''

''کہاں میرا مطلب ہے میں یہاں اکیلی کیا کروں؟''



''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' وہ عاجزی سے کہہ کر کچھ دیر منتظر رہا جب میں کچھ نہیں بولی تو سلام کرتا ہوا باہر نکل گیا اور میں ایک بار پھر اپنے آپ پر جھنجھلانے لگی۔ کہ میں یہاں کیوں آئی اور پہلی بار خیال آیا کہ شاید عابد اسی لیے مجھے نہیں لانا چاہتا تھا۔ جان گیا ہوگا کہ یہاں میں بور ہی ہوں گی اور میں ناحق اس کی ضد میں چلی آئی۔

پھر عشاء کے بھی بہت دیر بعد میاں جی آئے عابد بھی ان کے ساتھ تھا۔ فوراً کھانا گرم کر کے لے آیا مجھے بالکل بھوک نہیں تھی۔ لیکن میاں جی نے بہت اصرار سے کھلایا پھر مجھ سے سونے کی بابت پوچھا تو میں نے صاف کہہ دیا کہ میں الگ کمرے میں سوؤں گی۔ یوں عابد اپنا بستر لے کر میاں جی کے کمرے میں چلا گیا پھر اپنے کمرے میں میرے لیے صاف ستھرا بستر بچھا دیا تو میں کیونکہ صبح ہر صورت واپسی کا فیصلہ کر چکی تھی اس لیے اسی وقت سونے کے لیے کمرے میں آگئی تاکہ صبح جلدی اٹھ سکوں، لیکن مجھے نیند آ کے نہیں دی۔ ایک تو جگہ کی تبدیلی دوسرے چارپائی کی چرچراہٹ سے میرا سر درد کرنے لگا پھر ساتھ والے کمرے سے میاں جی اور عابد کی باتوں کی آواز بھی آرہی تھی۔ جب میں کروٹیں بدلتے بدلتے تھک گئی تو سوچا کیوں نہ میاں جی کے پاس جا بیٹھوں جب نیند پوری طرح غالب آنے لگے گی تب آ کر سو جاؤں گی۔ اس خیال کے ساتھ ہی میں نے بستر چھوڑ دیا اور ابھی پیروں میں چپل ڈال ہی رہی تھی کہ اپنا نام سن کر ٹھٹک گئی۔ میاں جی کہہ رہے تھے۔

''مریم میرا خون ہے، غلط ماحول اور غلط تربیت نے اسے حد درجہ آزاد خیال بنا دیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں ابھی کم عمر ہے اس کی اصلاح کی جاسکتی ہے تمہارا کیا خیال ہے؟''

''جی۔'' عابد کا جی بے معنی سا تھا اور اپنے بارے میں میاں جی کی رائے سن کر میرا دماغ گھوم گیا۔ ابھی سنبھل نہیں پائی تھی کہ وہ مزید گویا ہوئے۔

''میں تم پر زبردستی نہیں کر رہا۔ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں شہباز سے بات کروں۔''

''نہیں میاں جی۔'' عابد فوراً بولا تھا ''میں مریم سے شادی نہیں کر سکتا۔''

''میرے خدا.....'' مجھے سچ مچ چکر آ گیا۔

بھلا اس کی اوقات ہی کیا تھی یوں منع کر رہا تھا جیسے میں اس کے لیے مری جا رہی ہوں۔ مائی فٹ اور میاں جی کیا سوچ کر میرے متعلق بات کر رہے تھے دل چاہا ابھی ان کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



مقابل جا کھڑی ہوں اور بتاؤں انہیں کہ کیسے کیسے لوگ میری اک نگاہ التفات کے منتظر رہتے ہیں عابد سے تو وہ بعد میں بات کرتے پہلے مجھ سے تو پوچھتے۔ جس شخص کو میں اپنی دوستوں کے سامنے کزن نہیں کہہ سکی اسے شوہر کی حیثیت سے متعارف کرانے سے میں مرجانا پسند کروں گی۔ سر تک تو اٹھا نہیں سکتا میرے سامنے ہونہہ.....

کھولتے دل و دماغ کے ساتھ میں جانے کیا کچھ سوچے جا رہی تھی پتا بھی نہیں چلا ان دونوں کے درمیان مزید کیا باتیں ہوئیں اور وہ کب سو گئے مجھے ساری رات نیند نہیں آئی فجر کی اذان میں نے پورے ہوش میں سنی اور اذان کی آواز کے ساتھ ہی غالباً میاں جی اور عابد اٹھ گئے کچھ دیر تک بہت دھیرے دھیرے ان کے چلنے پھرنے کی آوازیں آتی رہیں پھر ایک دم خاموشی چھا گئی اور میرے ساتھ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اشتعال کے عالم میں پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی اپنے گھر میں تو میں ذرا سی بات پر چیخ چلا کر اور بعض اوقات ہر شے تہس نہس کر کے اپنا غصہ ٹھنڈا کر لیا کرتی تھی اور یہاں بھی میں ایسا کر تو سکتی تھی لیکن میں نہیں چاہتی تھی کہ میاں جی یا عابد جان لیں کہ میں ان کی باتیں سن چکی ہوں کیونکہ مجھے سخت توہین کا احساس بھی ہو رہا تھا۔

بہر حال پوری رات آنکھوں میں کٹی تھی اور ابھی بھی میں سونا نہیں چاہتی تھی۔ خیال تھا اجالا پھیلتے ہی یہاں سے نکل جاؤں گی لیکن جانے کیسے میری آنکھ لگ گئی اور بہت زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ میں اٹھ بھی گئی یوں لگا تھا جیسے کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر اٹھایا ہو۔ میں حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی کمرے میں کوئی نہیں تھا البتہ ساتھ والے کمرے سے آواز آ رہی تھی شاید عابد تھا۔

البحر علا والموج طغا
من بے کسو طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا
موری نیا پار لگا دینا

آواز میں بلا کا درد تھا یا شاید ماحول ہی ایسا تھا ملگجا سا اجالا ہر سو پھیلی خاموشی یوں لگ رہا تھا جیسے ساری کائنات سو رہی ہو اور ایک بس وہی جاگ رہا ہے۔

موری نیا پار لگا دینا

بار بار دہراتے ہوئے وہ شاید رو بھی رہا تھا کچھ دیر پر سوز ماحول کی گرفت مجھ پر مضبوط



رہی پھر جب میاں جی نے سبحان اللہ سبحان اللہ کہنا شروع کیا تو میں اٹھ بیٹھی۔ سر بہت بھاری ہو رہا تھا آنکھیں بھی بوجھل اور ایسی حالت میں سفر کرنا واقعی بہت مشکل تھا لیکن میں نے اپنا ارادہ نہیں بدلا۔ اسی وقت اٹھ کر میاں جی کے کمرے میں آئی تو مجھے دیکھ کر وہ کہنے لگے۔

''اٹھ گئیں بیٹی نماز پڑھ لی۔'' میں کچھ نہیں بولی کن اکھیوں سے عابد کو دیکھا وہ ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں اور چہرہ صاف کر رہا تھا۔ پھر اسی طرح میری طرف دیکھے بغیر بولا۔

''شاید بی بی ٹھیک سے سو نہیں سکیں۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔'' میرا لہجہ تیز، طنز آمیز اور جتانے والا تھا۔

''مجھے لگا جیسے میں جہنم میں آ گئی ہوں اف توبہ، میاں جی آپ کیسے رہتے ہیں یہاں۔''

''ہمارے لیے تو یہ جنت سے کم نہیں بیٹی۔'' غالباً میرے جہنم کہنے پر میاں جی نے جنت کہنا ضروری سمجھا اور میرے اندر تو پوری رات لاوا پکتا رہا تھا کسی طور تو نکلنا ہی تھا۔

''بس کریں میاں جی! مت خود کو بہلائیں یہ جگہ ہرگز بھی رہنے کے قابل نہیں ہے۔ میرے ساتھ چلیں وہاں آپ کو ہر آسائش ملے گی اور عابد تم کب تک دوسروں کی زمین پر ٹریکٹر چلاتے رہو گے شہر چلو اگر کہیں نوکری نہیں بھی ملی تو پاپا اپنے آفس میں کسی کام سے لگا دیں گے۔ پڑھے لکھے لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا ہو گا تو جلد انسان بن جاؤ گے''

میرے منہ میں جو آیا کہتی چلی گئی اور براہ راست اسے بھی نشانہ بنایا جواباً وہ ایک لفظ نہیں بولا سر جھکائے سکون سے سنتا رہا اور میاں جی بھی برا منائے بغیر کہنے لگے۔

''تمہیں ابھی انسانوں کی پہچان کہاں ہے بیٹی! چمکتی چیزیں تمہیں لبھاتی ہیں اور جنہیں تم آسائشات کہتی ہو وہ بھلا کب تک ساتھ دیں گی۔ زندگی ختم تو سب ختم''

''میں زندگی ہی کی بات کر رہی ہوں میاں جی! اور زندگی ایک بار ملتی ہے پھر اسے یونہی گنوا دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔''

''تم سے کس نے کہا کہ ہم یونہی گنوا رہے ہیں۔ ہمارا جینا مرنا سب اللہ کے لیے ہے ہم ہر کام میں اس کی رضا ڈھونڈتے ہیں اس کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں۔''

''آپ کے خیال میں ہم اس کی ناراضگی سے نہیں ڈرتے۔''

''یہ میں نے کب کہا۔'' میرے روٹھے لہجے پر میاں جی ذرا سا ہنسے پھر میرا چہرہ ہاتھوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



میں لے کر میری پیشانی چوم کر بولے۔

"تم تو میری بہت پیاری، بہت نیک بچی ہو۔"

"پھر آپ میری بات کیوں نہیں مانتے۔"

"کون سی بات؟"

"میرے ساتھ چلیں، مجھے آپ کا یہاں رہنا بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔"

"تمہارے باپ کو بھی میرا یہاں رہنا اچھا نہیں لگتا لیکن میں یہیں خوش ہوں سکون سے ہوں تم بار بار مجھے ساتھ چلنے کے لیے مت کہو، مجھے تمہاری بات رد کرتے ہوئے دکھ ہو رہا ہے۔"

ان کی عاجزی پر میں خاموش ہو رہی اور قدرے توقف سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"اچھا تو پھر مجھے اجازت دیجئے"

"کیا مطلب؟" میاں جی حیران ہوئے اور عابد کو میں نے چونکتے ہوئے دیکھا۔

"بس میاں جی! رات میں بہت پریشان ہوئی اگر بس چلتا تو اسی وقت یہاں سے چلی جاتی بڑی مشکل سے صبح کا انتظار کیا اور اب تو کسی صورت نہیں رک سکتی۔"

میرے حتمی انداز پر میاں جی گڑبڑا گئے۔

"لیکن بیٹی یہ تو اچھی بات نہیں ہے کل ہی تو تم آئی ہو اور ابھی تو میں نے جی بھر کر تمہیں دیکھا بھی نہیں۔"

"دیکھنے کی بات ہے تو جاتے ہی اپنی تصویر بھیج دوں گی جی بھر کر دیکھتے رہیے گا۔" میں نے مذاق میں بات اڑائی پھر عابد کو دیکھ کر بولی۔

"کیوں عابد چائے ملی گی یا وہ بھی راستے میں پینی پڑے گی۔"

میری بات سن کر وہ فوراً اٹھ گیا جب کہ میاں جی مجھ پر خفا ہونے لگے۔ وہ کسی طرح مجھے جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے اور میں کسی طرح رکنے پر تیار نہیں تھی بالآخر انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے اور عابد غالباً پہلے ہی مقام پر سمجھ گیا تھا کہ میرا جانا طے ہے اس لیے چائے کے ساتھ حلوہ پوری کا ناشتا بھی لے آیا اور ناشتا کرتے ہی میں جانے کے لیے تیار ہو گئی تو میاں جی کو نئی فکر.....



"اکیلی کیسے جاؤ گی! اتنا لمبا سفر ہے۔"

"آئی بھی تو اکیلی تھی۔" میں نے ہنس کر کہا تو میاں جی حیران ہو کر بولے۔

"کیوں عابد ساتھ نہیں تھا۔"

"عابد.....ہا.....ہا.....۔ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اگر راستے میں کوئی مشکل پیش آ جاتی تو یہ کیا کر سکتا تھا بھلا الٹا مجھے ہی اسے سنبھالنا پڑتا۔" میں نے حد کر دی اس کے سامنے ہی اس کا مذاق اڑایا، اور ہنستے ہوئے نظر اس پر پڑی اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ فوراً میرا سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گیا تو میاں جی مجھے سمجھانے لگے۔

"بری بات ہے بیٹی، ایسے نہیں کہتے۔"

میں نادم ہونے کے بجائے ہنستی رہی۔ پھر میاں جی کے سینے سے جا لگی۔ انہوں نے حسب عادت ڈھیروں دعائیں دیں اور اسی طرح مجھے ساتھ لگائے ہوئے باہر آئے، وہ گاڑی کے پاس مؤدب کھڑا تھا۔

"اچھا بیٹی! شہباز کو اور اپنی ماں کو میرا بہت سلام اور دعائیں دینا اور شہباز سے کہنا اپنی صورت دکھا جائے۔"

"فکر نہیں کریں میں جاتے ہی پاپا کو آپ کے پاس بھیجوں گی۔"

میں انہیں تسلی دیتے ہوئے گاڑی میں آ بیٹھی اور عابد کو یکسر نظر انداز کر کے گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆☆☆

مما سے اور پھر میاں جی سے بھی میں نے کتنے آرام سے کہہ دیا تھا کہ عابد کے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے اور اب جب میں تنہا تھی تو اچانک ہی اس کے نہ ہونے کا احساس جاگا تھا۔ گو کہ جاتے ہوئے جب وہ ساتھ تھا تو لاتعلق اور خاموش سا ہی رہا تھا پھر بھی ڈھارس سی رہی حالانکہ اب بھی میں خود کو یقین دلا رہی تھی کہ کسی مشکل وقت میں وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا پھر بھی ایک انجانا سا خوف مجھے گرفت میں لے گیا جس سے چھٹکارا پانے کی خاطر میں نے کیسٹ لگا دیا۔ لیکن موسیقی کا شوریوں لگا جیسے بہت سارے لوگ میرا تعاقب کرتے آ رہے ہوں میں نے گھبرا کر ٹیپ بند کر دیا تو وہی خاموشی غالباً میرے پاس ہلکی پھلکی غزلوں کا کیسٹ بھی تھا۔ اسی کی تلاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



میں میں نے سارے کیسٹ ٹرائی کر لیے اور جب آخری کیسٹ لگایا تو وہ عابد کا تھا غالباً وہ گاڑی ہی میں بھول گیا تھا میں نے بند کرنا چاہا لیکن میرا ہاتھ وہیں رک گیا۔

یہ نام کوئی کام بگڑنے نہیں دیتا
بگڑوں کو بنا دیتا ہے نام محمدؐ
ہم کو طوفان کی موجوں کا کوئی خوف نہیں ہے
ہم اسی نام سے پالیں گے کنارہ اپنا
نام محمدؐ کتنا میٹھا میٹھا لگتا ہے

مجھے نہیں معلوم کون سا احساس تھا جس نے نہ صرف احساس تنہائی کو مٹایا بلکہ اب کوئی خوف بھی نہیں رہا تھا میں بڑی ہلکی پھلکی ہو کر ڈرائیو کرتی رہی اور آرام سے دوپہر تک گھر پہنچ گئی۔

مما مجھے دیکھ کر بے حد حیران ہوئیں اور اس سے پہلے کہ کچھ کہتیں میں ان کے گلے میں بازو ڈال کر بولی۔

''مما! میرا وہاں بالکل دل نہیں لگا۔ اس لیے میں فوراً چلی آئی۔''

''مجھے پتا تھا تمہارا دل نہیں لگے گا پھر بھی تمہیں اتنی جلدی نہیں آنا چاہیے تھا۔'' مما نے خفگی کا اظہار کیا ''کیا سوچیں گے میاں جی۔''

''کچھ نہیں سوچتے وہ'' میں لاپروائی سے کہتے ہوئے صوفے پر ڈھے گئی اور پیروں کو چپلوں کی قید سے آزاد کرنے لگی تو غالباً مما نے مزید اس سلسلے میں کچھ کہنا فضول خیال کیا اور مجھ سے کھانے کا پوچھا تو میں چپل ہاتھوں میں لے کھڑی ہو گئی۔

''نو مما، بس اب میں سونے جا رہی ہوں اور پلیز میرا کوئی فون بھی آئے تو منع کر دیجیے گا۔''

اور ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر میں اپنے کمرے میں آ گئی۔ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی پھر سفر کی تھکان نیند تو آنی ہی تھی اور ٹوٹ کر آئی۔

شام میں اگر مما زبردستی نہ اٹھاتیں تو میں خود سے کبھی نہیں اٹھ سکتی تھی۔ اس وقت بھی میرا دل چاہا دوبارہ سو جاؤں لیکن مما نے سختی سے ڈانٹا ان کا کہنا بھی ٹھیک تھا کہ مجھے اتنی دیر تک خالی پیٹ نہیں رہنا چاہیے بہرحال شاور لینے کے بعد میں بہت فریش ہو گئی اور کمرے سے نکل کر آئی تو



لاؤنج میں مما چائے کے ساتھ میرا فیورٹ کیک لیے منتظر تھیں میں خوش ہو گئی۔

''یو آر سو سوئیٹ مما۔'' میں نے بیٹھتے ہی کیک اپنی طرف کھسکا لیا اور شوق سے کھانے لگی۔

''میاں جی تمہیں دیکھ کر خوش تو ہوئے ہوں گے۔'' مما میرے لیے چائے بناتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''ہاں حیران بھی ہوئے، خوش بھی اور آپ لوگوں کو بہت یاد کر رہے تھے۔ کم از کم پاپا کو ضرور جانا چاہیے۔''

''کیا کریں تمہارے پاپا جانا تو چاہتے ہیں لیکن.....''

مما نے بات یہیں ختم کرتے ہوئے چائے کا کپ میرے سامنے رکھا پھر پوچھنے لگیں۔

''تم نے میاں جی سے کہا نہیں کہ وہ یہیں ہمارے پاس آ جائیں۔''

''بہت کہا لیکن وہ مانے ہی نہیں اور میں نے تو عابد سے بھی کہا تھا کہ یہاں پاپا اسے اپنے آفس میں کہیں سیٹ کر دیں گے۔''

اور عابد کے ساتھ ہی مجھے اس کی بات یاد آئی ''میں مریم سے شادی نہیں کر سکتا۔ میرے اندر سچ مچ اس نے آگ لگا دی تھی بھلا اس کی حیثیت ہی کیا تھی۔ ایک معمولی سا شخص جس کی شخصیت کے کسی پہلو میں چارم نہیں تھا۔ اگر وہ میرا کزن نہ ہوتا تو اس کی طرف اٹھنے والی میری غیر ارادی نظر میں بھی تحقیر ہی ہوتی، اس جیسے ہزاروں میری ٹھوکروں میں اور اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ مجھے ٹھکرا رہا ہو۔

''اف۔'' میں نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر زور سے جھٹکا۔ غالباً میرا چہرہ بھی سرخ ہو گیا تھا جب ہی مما پریشانی سے پوچھنے لگیں۔

''کیا ہوا مومی، ٹھیک تو ہو؟''

''میں.....'' میں نے چونک کر انہیں دیکھا پھر قصداً مسکرائی ''یس مما ٹھیک ہوں''

''میرا خیال ہے ابھی تمہاری تھکن اتری نہیں۔''

میں کچھ نہیں بولی چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا اور دو تین سپ لینے کے بعد میں نے سرسری انداز میں مما کو مخاطب کر کے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''ایک بات بتائیں مما! اگر میاں جی میرے لیے عابد کا پروپوزل لے کر آئیں تو آپ کیا کریں گے۔''

مما نے فوراً جواب نہیں دیا کچھ دیر کھوجتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھتی رہیں اور پھر قدرے توقف سے بولیں۔

''عابد اچھا لڑکا ہے پھر بھی میں منع کر دوں گی کیوں کیا میاں جی نے ایسی کوئی بات کہی ہے۔''

''نہیں انہوں نے کچھ کہا تو نہیں لیکن مجھے محسوس ہوا تھا جیسے ان کی یہی خواہش ہو۔'' میں نے ہنوز سرسری انداز اپنائے رکھا۔

''اور تمہاری کیا خواہش ہے؟''

مما نے معنی خیز مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر پوچھا حالانکہ ان کا اشارہ عابد کی طرف نہیں تھا لیکن کیونکہ اس وقت میرے ذہن پر وہی سوار تھا اور میرے اندر کا طوفان اس وقت تک نہیں تھم سکتا تھا جب تک میں اس کی بات اسے لوٹا نہیں دوں اس لیے مما کی بات پر میں بھڑک گئی۔

''مائی فٹ عابد کو تو میں ہزار نہیں لاکھ بار ریجیکٹ کروں گی۔''

''میں عابد کی بات تو نہیں کر رہی بیٹا۔'' مما نے میرے انداز پر چونک کر کہا تو میں چائے کا کپ پٹخ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ان کی بات ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

''او کے مما میں روما کی طرف جا رہی ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی میں باہر نکل آئی۔

شام کے سائے گہرے ہو گئے اب تاریکی پر پھیلا رہی تھی میں مین روڈ تک آئی تو اچانک شجاع کا خیال آیا اور جانے کس خیال کے تحت میں نے گاڑی روما کے بجائے اس کے گھر کی طرف موڑ دی اور مجھے دیکھ کر وہ خوشگوار حیرت میں گھر گیا۔

''مومی! مجھے یقین نہیں آ رہا۔''

''کیوں.....؟'' میں اترائی۔

''تم میرے گھر بخدا خواب میں تو بارہا دیکھا تھا لیکن تعبیر ملے گی یقین نہیں تھا۔'' وہ ایک جذب کے عالم میں بولا اور میں کھلکھلا کر ہنس پڑی۔



''آؤ اندر آؤ ناں۔'' وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اندر ڈرائنگ روم میں لے آیا اور بٹھاتے ہی پوچھنے لگا۔

''کہو گاؤں سے اتنی جلدی واپسی کیسے ہو گئی۔'' میں نے ایک نظر اسے دیکھا اور بڑے آرام سے کہہ دیا۔

''میری ایک چیز تمہارے پاس رہ گئی تھی۔''

''کیا.....؟'' اس کی عجلت نے اسے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیا ورنہ اگر ایک لمحہ بھی توقف کرتا تو جان لیتا اور میں نے شرارت سے کہا۔

''دل۔''

''مومی! کیا واقعی میں اتنا لکی ہوں۔'' اس نے بے اختیار میرا ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگا لیا پھر ایک انگلی سے میرا چہرہ اپنی طرف موڑتے ہوئے بولا۔ ''مجھے یقین دلاؤ کہ تم سچ کہہ رہی ہو''

''ارے تمہارے یقین کے لیے میری یہاں موجودگی کافی نہیں ہے کیا؟''

''ہاں.....!'' اس نے ہاں کی صورت گہری سانس کھینچی پھر پوچھنے لگا ''بتاؤ کیا سیوا کروں تمہاری؟''

''کچھ نہیں، چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔''

''گڈ آئیڈیا لیکن پہلے میری آپی سے مل لو، ایک منٹ میں انہیں لے کر آتا ہوں۔''

وہ کہتا ہوا اٹھ کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد اپنی آپی کو ساتھ لے کر آیا تو میں اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی، قدرے ادھیڑ عمر کی لیکن ماڈرن خاتون تھیں اور اسی انداز میں مجھ سے ملیں، یعنی قریب آ کر گال سے گال ملا دیا۔ پھر بیٹھتے ہوئے کہنے لگیں۔

''شجاع اکثر تمہارا ذکر کرتا ہے میں نے کئی بار اس سے کہا کہ تمہیں لے کر آئے لیکن.....تم کھڑی کیوں ہو بیٹھو ناں۔''

اچانک احساس ہونے پر انہوں نے مجھے ٹوکا تو شجاع فوراً بول پڑا۔

''بس آپی ابھی ہم باہر جا رہے ہیں۔''

''پھر کھڑے کیوں ہو جاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ان کے انداز پر مجھے ہنسی آ گئی بمشکل ان سے چھپاتے ہوئے جلدی سے باہر آ گئی۔

☆☆☆

میرے لیے رشتوں کی کمی نہیں تھی۔ بلکہ اس سوسائٹی میں ہر دوسرا شخص مجھ سے شادی کا خواہاں تھا اور کئی ایک پاپا تک رسائی حاصل کر چکے تھے۔ لیکن پاپا نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ پتا نہیں وہ کیا چاہتے تھے۔ بہرحال پہلے سے اتنے سارے پروپوزلز موجود تھے۔ اس لیے شجاع کے پروپوزل کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی اور ہوسکتا ہے پاپا اپنے طور پر ریجیکٹ بھی کر دیتے۔ کیونکہ مجھے سرے سے معلوم ہی نہیں تھا کہ شجاع کی آپی مما کے پاس آ چکی ہیں اور مما نے انہیں صاف منع تو نہیں کیا تھا لیکن کوئی اتنی اہمیت بھی نہیں دی تھی۔ اور غالباً میرے لیے آئے ہوئے دوسرے پروپوزلز کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔ جب ہی مجھے فون کرتے ہوئے شجاع خاصا بوکھلایا ہوا تھا۔

''مومی! کیا تم میرے ساتھ فلرٹ کر رہی ہو؟''

''واٹ ڈو یو مین کیا میں تمہیں فلرٹ نظر آتی ہوں؟'' میرے برا ماننے پر وہ سوری کرتے ہوئے بولا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''پھر.....؟''

''پھر یہ کہ میں تمہیں بہت زیادہ سوچنے لگا ہوں اور شاید اس معاملے میں تھوڑا خود غرض بھی ہو گیا ہوں۔''

پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔''

''ایسا ہے مومی، کہ میں نے آپی کو تمہارے گھر بھیجا تھا لیکن تمہاری مما نے میرے پروپوزل کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔''

اس نے بتایا تو میں تعجب سے بولی۔

''اچھا تمہاری آپی آئی تھیں۔ میں مما سے پوچھوں گی۔''

''سنو صرف پوچھنا ہی نہیں بلکہ انہیں یہ بھی بتانا کہ تمہارا دل میرے پاس ہے۔''

''اچھا.....!'' میں زور سے ہنسی اور فون بند کر کے اپنے کمرے میں آ گئی۔ مما گھر پر



نہیں تھیں ورنہ میں اسی وقت ان سے شجاع کے بارے میں بات کرتی خیر یہ بھی اچھا ہی تھا مجھے خود سوچنے کا موقع مل گیا۔

شجاع کو میں زیادہ قریب سے نہیں جانتی تھی۔ میرا مطلب ہے، وہ میرے خاص دوستوں میں شامل نہیں تھا۔ گزشتہ دو سالوں سے اکثر پارٹیوں میں نظر آتا اور گو کہ وہ مسلسل میرے اطراف منڈلاتا تھا بہانے بہانے سے بات کرتا اور میرے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی اس لیے اور لوگوں کی طرح اسے بھی میں نظر انداز کرتی رہی۔ حالانکہ وہ اپنی زبردست پرسنالٹی کے باعث سب میں ممتاز نظر آتا تھا اور یہ بھی نہیں تھا کہ مجھے کسی خاص بندے کی تلاش ہو بس یہ تھا کہ میں نے کبھی اپنے بارے میں سوچا نہیں تھا شاید اس کے لیے کہ میں خود سے آگاہ تھی۔ بے پناہ حسین اور امیر باپ کی اکلوتی بیٹی اور اس آگہی نے مجھے خاصا مغرور بنا دیا تھا۔ سب میری طرف لپکتے اور میں گردن اکڑا کر بے نیازی سے گزر جاتی۔

ادھر پچھلے کئی ماہ سے روما مجھے شجاع کا احساس دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کسی بھی پارٹی میں اسے دیکھتے ہی مجھے ٹوکنا شروع کر دیتی۔

''دیکھو کتنا ہینڈسم ہے''

''تمہاری طرف آ رہا ہے۔''

''پلیز اسے اگنور مت کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔''

اور اس روز اس نے کہا تھا۔

''آخر تمہیں شادی تو کرنی ہے، میں جانتی ہوں تمہارے لیے بہت پروپوزلز ہیں جنہیں اگر تم چاند پر محل بنوانے کو کہو گی تو تمہارے لیے وہ بھی بنوا دیں گے لیکن وہ تمہارے ساتھ سوٹ نہیں کریں گے۔ آئی مین حور کے پہلو میں لنگور والی بات، جب کہ شجاع کے ساتھ تمہیں کبھی کسی کمی کا احساس نہیں ہوگا۔''

روما ٹھیک کہہ رہی تھی اور اسی روز سے میں نے شجاع کو تھوڑی اہمیت دینی شروع کر دی اور میری ذرا سی اہمیت پر ہی کتنا خوش تھا فوراً پروپوز کر ڈالا غالباً اسی انتظار میں تھا اور میری ابھی اس کے ساتھ اتنی زیادہ انڈر اسٹینڈنگ نہیں تھی۔ جب ہی سوچ میں پڑ گئی کہ مما سے اس کے بارے میں کیا بات کروں جیسا کہ ابھی وہ کہہ رہا تھا کہ میرا دل اس کے پاس ہے۔ تو ایسا نہیں تھا۔ دل کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



معاملہ تو میرا کسی کے ساتھ بھی نہیں تھا نہ ہی میں اس پر یقین رکھتی تھی اور ہاں میں فلرٹ بھی نہیں تھی جب ہی تو کبھی کسی کو اتنی اہمیت نہیں دی ورنہ ہر دوسرا شخص یہ دعوا کرتا کہ میرا دل اس کے پاس ہے۔ میرا دل میرے اپنے سینے میں دھڑکتا تھا اور مکمل طور پر میرے اختیار میں تھا بہر حال شجاع کے بارے میں سوچتے ہوئے ابھی میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچی تھی۔ کہ روما آ گئی ایک تو پتا نہیں اس لڑکی کو سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے میں کیا مزہ آتا تھا ہمیشہ کی طرح بس دو منٹ بیٹھی پھر اس کی تکرار شروع ہو گئی۔

''چلو لانگ ڈرائیو پر چلتے ہیں۔''

''شٹ اپ روما! آج میرا کہیں جانے کا موڈ نہیں ہے'' میرا واقعی موڈ نہیں تھا۔

''ہاں ابھی شجاع آ جائے تو اس کے ساتھ فوراً موڈ بن جائے گا۔''

''کیا؟'' میں نے چونک کر دیکھا تو وہ اسی طرح چیونگم چباتے ہوئے بولی۔

''جی مجھ سے چھپانا فضول ہے، بہت بار اپنی آنکھوں سے تمہیں اس کے ساتھ دیکھ چکی ہوں۔''

''ضرور دیکھا ہوگا لیکن اس وقت میں اس کے ساتھ بھی نہیں جاؤں گی۔''

''پھر کیا ''اس'' کے ساتھ جاؤ گی۔'' اس کی معنی خیز مسکراہٹ پتا نہیں کس کی طرف اشارہ کر رہی تھی میں بالکل نہیں سمجھی۔ سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ شرارت سے بولی۔

''وہی جس کے ساتھ گاؤں گئی تھیں تمہارا کزن تھا ناں۔''

''کون عابد۔'' میں حیران ہوئی پتا نہیں اسے کس نے بتایا تھا۔

''ہاں ہاں تمہاری مما نے یہی نام بتایا تھا کہاں ہے وہ؟''

''کیوں؟'' میں اندر ہی اندر جز بز ہو کر بولی۔

''یار ذرا اسے قریب سے دیکھوں گی مجھے اپنے ڈرائنگ روم کے لیے ایک مجسمہ چاہیے سوچ رہی ہوں۔''

''شٹ اپ۔'' میں اس کی بات کاٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور الماری میں سے ایک سوٹ نکال کر فوراً واش روم کا رخ کیا۔

مجھے مما پر غصہ آ رہا تھا جنہوں نے عابد کے بارے میں سچ بتا کر اسے مذاق اڑانے کا



موقع فراہم کر دیا تھا۔ شاور لیتے ہوئے میں مسلسل کڑھتی رہی پھر وہیں ڈرائر سے میں نے بال خشک کیے اور جب دوبارہ کمرے میں آئی تو محض اس کا دھیان دوسری طرف لے جانے کی خاطر میں نے خوشگوار لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہا۔

''سنو روما! شجاع نے بھی مجھے پرپوز کیا ہے؟''

''اچھا کب؟'' اس نے جتنے اشتیاق سے پوچھا میں نے اسی قدر لاپروائی کا مظاہرہ کیا۔

''پتہ نہیں اس کی آپی آئی تھیں مما کے پاس، مجھے ابھی شجاع نے فون پر بتایا ہے اور کہہ رہا تھا میں اس کی سفارش کر دوں۔''

''پھر تم نے کیا کہا؟''

''سوچوں گی'' میرے انداز میں ذرا فرق نہیں آیا کارنر سے گاڑی کی چابی اٹھائی پھر اسے دیکھ کر بولی ''چلیں۔''

''لیکن ابھی تو تمہارا موڈ نہیں تھا۔''

''تمہارے لیے موڈ بنانا پڑا اب چلو گی یا۔''

میری بات پوری ہونے سے پہلے وہ کھڑی ہو گئی پھر مختلف سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے میں قصداً شجاع کے بارے میں باتیں کرتی رہی حالانکہ میں نے کبھی کسی شخص کو اس طرح موضوع نہیں بنایا تھا لیکن اس وقت غالباً میرے اندر خوف سا تھا کہ کہیں وہ عابد کا ذکر نہ چھیڑ دے اس لیے میں شجاع شجاع کرتی رہی۔

''بالآخر تم پر شجاع کا جادو چل ہی گیا۔'' وہ میری مسلسل تکرار پر گہری سانس کھینچ کر بولی اور قدرے توقف سے مزید گویا ہوئی۔

''میں تو پہلے ہی شجاع کے حق میں ووٹ دے چکی ہوں آگے تمہاری مرضی۔''

''میں بھی سوچ رہی ہوں مما سے اس کی سفارش کر دوں۔'' میں نے احتیاط سے موڑ کاٹتے ہوئے کہا تو وہ خوش ہو کر بولی۔

''گڈ اس کا مطلب ہے میں تیاری شروع کر دوں؟''

''کیسی تیاری۔'' میں نے ایک نظر اسے دیکھ کر پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''بھئی تمہاری شادی کوئی عام شادی تو نہیں ہوگی۔''

''یہ تو ہے۔'' میں نے گردن اکڑائی پھر کچھ دیر ڈرائیو کے بعد میں نے اکتا کر گاڑی واپسی کے راستے پر ڈال دی۔ وہ کیسٹ دیکھنے لگی تھی اس لیے اسے پتا نہیں چلا کچھ دیر تک سب کیسٹیں الٹتی پلٹتی رہی پھر غالباً جونیا لگا اسے لگا دیا۔

منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا
موری نیا پار لگا دینا

''ارے تمہارے پاس یہ کیسٹ بھی ہے۔'' اس نے حیرت سے پوچھا اور میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

''عابد کی ہے۔''

''ہاں وہ مذہبی ٹائپ کا لگ رہا تھا کیا سچ مچ وہ تمہارا فرسٹ کزن ہے۔''

میں نے صرف ہوں کہنے پر اکتفا کیا اور ایک دم گاڑی کی اسپیڈ بڑھائی تو وہ چونک کر بولی۔

''کیا مطلب کیا ابھی سے گھر جا رہی ہو۔''

''ہاں وہ شجاع سے بات کرنی ہے اس نے کہا تھا نو بجے ضرور فون کرنا۔''

میں نے جھوٹ بولا صرف عابد کے ذکر سے بچنے کی خاطر اور مزید اسپیڈ بڑھا کر منٹوں میں گھر پہنچ گئی۔

''کل کا کیا پروگرام ہے؟'' حسب عادت اس نے یہ پوچھنا ضروری سمجھا۔

''کل کی کل دیکھی جائے گی۔'' میں نے اسے اس کی گاڑی کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا اور اس کے جانے کا انتظار کیے بغیر اندر چلی آئی۔

پھر میں نے مزید سوچے بغیر مما سے شجاع کی سفارش کر دی۔ یعنی ان سے کہہ دیا کہ میں شجاع ہی سے شادی کروں گی اور سچ تو یہ ہے کہ میں نے یہ فیصلہ عابد کی ضد میں کیا تھا۔ حالانکہ میں اسے رتی برابر اہمیت دینے کو تیار نہیں تھی اور یہ کتنی عجیب بات تھی کہ جس کی میرے نزدیک کوئی حیثیت، کوئی اہمیت نہیں تھی اس کی بات میرے دل میں ترازو ہو گئی۔ ''نہیں میں مریم سے شادی نہیں کر سکتا'' اس کا انداز ہی ایسا تھا جیسے میں اس کے لیے مری جا رہی ہوں ورنہ میں اس کے



برعکس بڑے آرام سے سوچ سکتی تھی۔ کہ وہ خود کو میرے قابل نہیں سمجھتا اس لیے منع کر رہا ہے بہرحال بغیر کسی اعلان کے ایک جنگ کا آغاز ہو چکا تھا جس میں میرا حریف عابد تھا اور میں ہر صورت اسے نیچا دکھانے کا تہیہ کر چکی تھی۔ عجیب بات تو یہ تھی کہ اسے خبر ہی نہیں تھی غالباً اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا کہ اس کی بات نے میرے اندر کیسی آگ لگا دی تھی۔ جسے سرد کرنے کے لیے میں جانے کیا کچھ سوچنے لگی تھی۔

☆☆☆

روما نے ٹھیک کہا تھا میری شادی کوئی عام شادی نہیں ہوگی شجاع سے میری بات طے ہوتے ہی ہماری سوسائٹی میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ کتنوں کے دل ٹوٹے تھے کتنوں کی آس اور میں نے کب کسی کی پروا کی تھی۔

شادی سے دو دن پہلے پاپا خود جا کر میاں جی اور عابد کو لے آئے۔ میں اس وقت شجاع کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی ہوئی تھی واپس آئی تو مما نے میاں جی کا بتایا۔ میں بھاگتی ہوئی ان کے کمرے میں آئی تو پہلی نظر عابد پر پڑی۔ غالباً وہ آہٹ پر متوجہ ہوا تھا لیکن مجھے دیکھتے ہی ہمیشہ کی طرح فوراً سر جھکا لیا اور اس کی یہی بات میرے اندر کی آگ کو اور ہوا دیتی تھی۔ یعنی لوگ تو مجھے دیکھ کر پلکیں جھپکانا بھول جاتے تھے اور وہ فوراً نظر ہٹا لیتا تھا۔

''السلام علیکم میاں جی۔'' میں اسے نظر انداز کر کے میاں جی کی طرف بڑھی اور ان کے سینے میں منہ چھپا لیا۔

''جیتی رہو خوش رہو۔''

انہوں نے میرے سر کو چومتے ہوئے دعا دی اور پھر میرا چہرہ ہاتھوں میں لے کر جانے کیوں چپ چاپ دیکھنے لگے۔ میں کچھ نروس سی ہو پیچھے ہٹ گئی۔ اور قدرے توقف سے شکایتی انداز میں کہا۔

''میاں جی! آپ اتنی دیر سے کیوں آئے ہیں بالکل مہمانوں کی طرح۔''

میاں جی ذرا سا ہنس دیئے بولے کچھ نہیں تب میں نے عابد کو دیکھا۔

''تم کیسے ہو عابد؟''

''الحمدللہ آپ کیسی ہیں۔'' میں نے قصداً جواب نہیں دیا اور فوراً میاں جی کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



متوجہ ہو کر بولی۔

''میاں جی! مجھے آپ کے آنے کی بہت خوشی ہو رہی ہے بس اب آپ یہیں رہیے گا ہمارے پاس۔''

''تمہارے پاس، تم تو خود یہاں دو دن کی مہمان ہو۔'' میاں جی نے مسکرا کر کہا تو میں جھینپے بغیر بڑے آرام سے بولی۔

''تو کیا ہوا، روزانہ آپ سے ملنے آیا کروں گی۔''

میاں جی کی مسکراہٹ معدوم ہو گئی میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولے۔

''میری خواہش تھی کہ تم میرے پاس آ جاؤ لیکن شاید خدا کو منظور نہیں تھا خیر اس کے ہر کام میں بہتری ہوئی ہے تمہیں گاؤں پسند نہیں اور عابد کو شہر۔''

''جی.....!'' اپنے ساتھ عابد کا نام سن کر میں نے چونک کر انہیں دیکھا تو وہ صاف گوئی سے بولے۔

''میں چاہتا تھا تمہاری شادی عابد سے ہو لیکن.....''

''میاں جی۔'' اس سے پہلے کہ وہ کہتے عابد نے منع کر دیا۔ میں فوراً بول پڑی۔ ''کیسے سوچ لیا تھا آپ نے، کہاں میں کہاں عابد، زمین آسمان کا فرق ہے ہم میں، اف میرے خدا میرے لیے تو ایسا تصور بھی ہولناک ہے۔''

اپنے طور پر میں نے بدلہ لیا اس پر جتایا کہ میں اس کے سامنے اسے ریجیکٹ کر رہی ہوں پھر کن اکھیوں سے اس کے تاثرات دیکھنے چاہے۔ وہ اسی طرح پرسکون تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تب میں نے تلملا کر براہ راست اسے مخاطب کرتے ہوئے بے حد طنز آمیز لہجے میں کہا۔

''سنا عابد تم نے، میاں جی کیا کہہ رہے ہیں او مائی گاڈ تم سے شادی سے بہتر میں مرجانا پسند کرتی ہوں۔''

اس کے چہرے پر ایک پل کو سایہ سا لہرایا اور اگلے پل وہ پہلے جیسا ہو گیا تب ہی ملازم نے آ کر کھانا لگنے کی اطلاع دی۔

''چلیں میاں جی۔'' میں میاں جی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

☆☆☆



پھر دو دن گزرتے پتا بھی نہیں چلا میں مریم شہباز سے مریم شجاع بن گئی اور اس سے اگلے روز ہم ہنی مون کے لیے روانہ ہو گئے ہمارا پہلا قیام ٹوکیو میں تھا اور یہ مجھے وہیں معلوم ہوا کہ شجاع نے ٹوکیو کا انتخاب کیوں کیا۔ وہ مزید ایک گارمنٹ فیکٹری لگا رہا تھا جو تکمیل کے مراحل میں تھی اور اب وہ یہاں مختلف پارٹیوں سے مل کر آرڈرز لینا چاہتا تھا میرے لیے اس کا یہ اقدام خوش کن تھا کہ وہ اپنے بزنس کو بین الاقوامی سطح تک لے جانا چاہتا تھا بہرحال ٹوکیو میں اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور اس نے بڑی فراخدلی سے اس کا سہرا میرے سر باندھا۔

''سچ مومی! تم نے میری قسمت کے ستارے کو عروج پر پہنچا دیا ہے۔''

''ارے۔'' میں نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔ ''میں نے کیا کیا ہے تمہاری اپنی کوشش ہے''

''میں تو ایک عرصے سے کوشش کر رہا تھا لیکن کامیابی تمہارے ساتھ نے بخشی ہے۔''

''اچھا.....!'' میں نے اترا کر کہا۔ ''اگر ایسی بات ہے تو پھر مجھے کیا ملے گا''

''سب کچھ تمہارا ہی تو ہے مجھ سمیت اور کیا چاہیے۔''

''اور.....'' میں سوچ میں پڑ گئی، کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو اسے دیکھ کر ہنس پڑی۔

پھر ٹوکیو کے بعد امریکہ اور وہاں اچانک مجھے احساس ہوا کہ یہ ہنی مون کم بزنس ٹور زیادہ ہے، سارا دن شجاع مختلف کمپنیوں سے کانٹیکٹ (contact) کرنے میں گزار دیتا اگر میں کہیں چلنے کے لیے کہتی خوبصورتی سے ٹالتا اور شام میں کسی پارٹی کے ساتھ ڈنر کرتے ہوئے صرف بزنس کی باتیں ہوتیں، میں بہت جلد اکتا گئی اور اسی وقت ڈنر سے واپسی پر میں نے جھنجھلا کر کہہ دیا۔

''شجاع! بزنس کے لیے ساری زندگی پڑی ہے تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ہمارا ہنی مون پیریڈ ہے۔''

''کم آن ڈارلنگ۔'' اس نے میری کمر میں ہاتھ ڈال کر قریب کر لیا۔ ''بزنس سیٹ ہو جائے پھر سمجھو ہمارا ہنی مون کبھی ختم نہیں ہوگا۔ کبھی جاپان، کبھی امریکہ اور کبھی پاکستان''

''لیکن.....''

''اوں ہوں'' اس نے میری ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔ ''تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔ مسٹر ڈیوڈ تمہاری اسمائل کی تعریف کر رہے تھے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"پھر میں کیا کروں۔" میں اسی طرح منہ پھلائے ہوئے دور جا بیٹھی تو وہ شوخ نظروں سے دیکھتا ہوا ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"او کے بابا! اب میں یاد رکھوں گا کہ یہ ہمارا ہنی مون پیریڈ ہے بس اب فوراً مان جاؤ ورنہ۔"

پھر جتنے دن ہم وہاں رہے شجاع کی یہی مصروفیات رہیں کسی کسی وقت مجھے بہلا لیتا خصوصاً اس بات کا بہت خیال رکھا کہ میرا موڈ نہ بگڑے۔ پھر میں نے خود کو سمجھا لیا کہ وہ یہ سب میرے لیے تو کر رہا ہے اور اس کا کہنا بھی ٹھیک ہے کہ بزنس سیٹ ہو جائے پھر ہمارا ہنی مون کبھی ختم نہیں ہوگا بہر حال ٹوکیو میں ہم صرف پندرہ دن رہے اور امریکہ میں پورے دو ماہ اس کے بعد واپسی پر شجاع نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ جتنے آڈرز لے چکا ہے اگر مقررہ مدت تک سپلائی میں کامیاب ہو گیا تو پھر مجھے پہلی فرصت میں پیرس لے جائے گا۔

وہ بے حد خوش تھا بلکہ ہواؤں میں اڑنے لگا تھا۔ پاکستان آتے ہی اس کی مصروفیات میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ ایک دن بھی اس نے آرام کا نہیں سوچا اور اس کے برعکس میں کچھ دن آرام کرنا چاہتی تھی اپنے گھر سے باہر خواہ انسان فائیو اسٹار ہوٹلوں میں ہی کیوں نہ رہے گھر جیسا آرام کہیں نہیں ملتا یہ مجھے اپنے گھر آ کر پتا چلا۔

شادی سے پہلے شجاع اپنی آپی کے ساتھ رہتا تھا گو کہ اس کا اپنا بنگلہ موجود تھا لیکن تنہا ہونے کے باعث وہ زیادہ تر آپی کے پاس رہتا اور اب ظاہر ہے میں ساتھ تھی تو امریکہ سے واپسی پر ہم سیدھے اپنے بنگلے پر آئے شجاع نے کہا بھی کہ میں مما کو فون کر لوں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ ہم آ چکے ہیں لیکن مجھ پر تھکن کا احساس غالب تھا اس لیے میں شاور لینے کے بعد لمبی تان کر سو گئی۔

میرا خیال تھا، شجاع بھی میری تقلید کرے گا لیکن شام میں جب میں سو کر اٹھی تب ملازم کی زبانی پتا چلا کہ وہ کچھ دیر بعد ہی فیکٹری چلا گیا تھا میں نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا اور تیار ہو کر مما کے پاس چلی آئی۔

"ارے موی۔" مما مجھے دیکھ کر خوش ہو گئیں گلے لگا کر پیار کیا، پھر پوچھا "شجاع کہاں ہے؟"

"پتا نہیں۔" میں نے لاپروائی سے کندھے اچکائے تو وہ حیران ہو کر بولیں۔



"کیا مطلب؟"

"اوہ مما میں سو کر اٹھی تو وہ گھر پر نہیں تھا فیکٹری میں ہو گا یا دوستوں کے پاس۔"

"اچھا خیر تم آئی کب ہو؟"

"دوپہر سے کچھ پہلے یعنی گیارہ بجے اب آپ کہیں گی آتے ہی فون کیوں نہیں کیا تو....."

"نہیں، اچھا ہوا تم نے فون نہیں کیا کیونکہ میں خود دو بجے کے بعد آئی ہوں۔" مما نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا تو میں نے یونہی پوچھ لیا۔

"آپ کہاں گئی تھیں؟"

"میں اور تمہارے پاپا گاؤں گئے ہوئے تھے عابد کی شادی میں۔"

"کیا..... عابد کی شادی....." میں حیرت سے چیخی تو مما نے ٹوکا۔

"یہ کوئی حیران کن بات تو نہیں ہے۔"

"لیکن مما! اتنی جلدی آئی مین میری واپسی کا انتظار تو کیا ہوتا میاں جی نے۔"

میں نے اپنی حیرت کا رنگ بدلا تب مما سمجھ کر کہنے لگیں۔

"اصل میں میاں جی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اور تم تو جانتی ہو بوڑھے آدمی کو زکام بھی ہو جائے تو سمجھتا ہے کہ اب اس کے جانے کا وقت آ گیا، بس اسی لیے انہوں نے عابد کی شادی میں جلدی کی ورنہ وہ تمہاری واپسی کا انتظار ضرور کرتے۔"

"اس کے باوجود میں ان سے شکوہ ضرور کروں گی۔ ویسے اب کیسی طبیعت ہے میاں جی کی؟"

"کچھ بہتر ہیں لیکن۔" مما کے مایوسی سے سر ہلانے پر میں ٹھٹھک گئی۔

"کیا ہوا مما سچ بتائیں کیا وہ بہت بیمار ہیں۔"

"بیٹا! بڑھاپا بذات خود ایک بیماری ہے۔ تم شجاع کے ساتھ ان کے پاس ہو آؤ وہ خوش ہو جائیں گے۔"

مما نے گول مول جواب دے کر مجھے جانے کا مشورہ بھی دیا پھر کہنے لگیں۔

"میں نے اور تمہارے پاپا نے تو بہت کہا ان سے کہ ہمارے ساتھ آ جائیں لیکن وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



نہیں مانے۔"

"بہت ضدی ہیں میاں جی۔"

"ضد کی بات نہیں ہے بیٹا! ساری زندگی ان کی وہیں گزری ہے اب آخری وقت میں وہ اپنا گھر کیسے چھوڑ دیں۔

میں نے چونک کر دیکھا تو میرا دھیان بٹانے کی خاطر وہ فوراً اٹھتے ہوئے بولیں۔

"میں چائے کا کہتی ہوں۔تم جب تک شجاع کو فون کرو کہ رات کا کھانا یہیں کھائے گا تمہارے پاپا بھی آتے ہوں گے۔"

میں پرسوچ انداز میں سر ہلاتی ہوئی لابی میں آ گئی اور ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ شجاع کو کہاں رنگ کروں کہ ان کا فون آ گیا۔

"کہاں ہو تم؟" میں نے چھوٹتے ہی پوچھا تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"واقعی یہ سچ ہے کہ میں شادی کر چکا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی آج سے پہلے کہا ہوں، والا سوال کسی نے نہیں کیا تھا" ویسے موی! کیا یہ مڈل کلاس والا سوال نہیں ہے۔"

"اوں ہوں۔" میں نے برا سا منہ بنایا۔"میں نے تو اس لیے پوچھا کہ میں تمہیں رنگ کرنا چاہتی تھی۔"

"میں گھر آ چکا ہوں اب بتاؤ تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"آج کوئی پروگرام نہیں بس تم فریش ہو کے یہاں آ جاؤ ڈنر مما اور پاپا کے ساتھ کریں گے۔"

"اوکے میڈم۔" اس نے تابعداری کا مظاہرہ کیا تو مجھے ہنسی آ گئی فون بند کر کے دوبارہ لاؤنج میں آئی تو مما کے ساتھ مسز خان موجود تھیں میں نے کھڑے کھڑے ان سے ہیلو ہائے کیا اور مما کے اشارے پر چائے کا کپ اٹھا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔لائٹ آن کرتے ہی پہلی نظر بہت سارے پیکٹوں پر پڑی قریب آ کر دیکھا تو وہ سب میری فرینڈز کے گفٹس تھے جو غالباً انہوں نے میری شادی پر دیئے ہوں گے اور ظاہر ہے میرا تجسس اور اشتیاق فطری تھا۔



بہت احتیاط سے میں نے تمام گفٹ پیک نیچے قالین پر رکھے پھر آرام سے بیٹھ کر ایک ایک پیکٹ پر نام دیکھ کر کھولنے لگی، تیسرے کے بعد چوتھے پیکٹ پر عابد کا نام تھا۔جانے کیوں مجھے ہنسی آ گئی۔ایک تو پیکٹ بہت بڑا تھا دوسرے یہ خیال کہ اس پینڈو کو بھی تحفہ دینے کا خیال آ گیا اور ابھی میں اس کا ریپر اتار رہی تھی کہ شجاع آ گیا۔

"تو یہ تھا تمہارا کمرہ۔" وہ تنقیدی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوا بولا تو میں پیکٹ اسی طرح رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تھا نہیں ابھی بھی میرا ہے۔" اس نے مزید کچھ نہیں کہا۔اطمینان سے بیڈ پر لیٹ گیا تو میں اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی۔

پھر کھانے کے دوران وہ پاپا کو اپنے نئے کونٹیکٹس (contacts) کے بارے میں بتاتا رہا ساتھ ہی بار بار یہ بھی کہتا کہ یہ موی کی لک ہے ورنہ میں تو پہلے بھی کئی بار کوشش کر چکا تھا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔

"ہاں موی بہت لکی ہے۔" مما کو موقع مل گیا میری پیدائش سے لے کر اب تک ساری خوش آئند باتوں کو مجھ سے منسوب کرنے لگیں۔شجاع نے مسکرا کر مجھے دیکھا تو میری گردن تن گئی تھی۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔میرے روز و شب میں کوئی خاص فرق نہیں آیا تھا۔کم و بیش ویسے ہی تھے جیسے شادی سے پہلے۔بارہ بجے سو کر اٹھتی تو شجاع جا چکا ہوتا اور شام تک کا وقت میں یونہی گزار دیتی۔میوزک سننا انگلش میگزین دیکھنا یا فون پر کبھی روما، پنکی اور کبھی تیمور سے دیر تک بے سروپا باتیں کرنا اور کبھی دل چاہتا تو مما کے پاس چلی جاتی۔پھر شام کے اختتام پر شجاع آتا تو کچھ دیر آرام کے بعد کہیں نہ کہیں جانے کے لیے تیار ہو جاتا۔مجھے پہلے ہی مطلع کر دیتا تھا کہ آج فلاں جگہ جانا ہے اور میں اسی حساب سے تیار رہتی۔

بس فرق صرف اتنا پڑا تھا کہ پہلے میرے ساتھ روما ہوتی تھی اور اب شجاع یا پھر ایسا تھا کہ پہلے پارٹیز میں میری اتنی زیادہ پذیرائی پر کبھی کبھی روما جیلس ہو جاتی تھی جبکہ شجاع کھل اٹھتا۔اس کی خواہش ہوتی تھی کہ میں سب میں نمایاں نظر آؤں اور اس کے لیے وہ میرے ڈریسز کے ساتھ میچنگ شوز، جیولری اور میک اپ سب باہر سے خصوصی آرڈر پر منگواتا تھا اور میں تو پہلے ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ان سب چیزوں کی دلدادہ تھی۔ گو کہ کمی پہلے بھی نہیں تھی لیکن کبھی کبھی مما کچھ پابندی لگا دیا کرتی تھیں اور اب تو کوئی حد نہیں تھی۔ شادی کو چھ ماہ ہو گئے تھے اور یہ وقت گزرتے پتا بھی نہیں چلا تھا۔

اس روز شجاع کی آپی آئیں تو احساس دلاتے ہوئے کہنے لگیں۔

''ابھی تک تیسرے فرد کی آمد کے آثار نہیں، فوراً ڈاکٹر سے رجوع کرو۔''

مجھے ان کی بات سخت ناگوار گزری، اس لیے نہیں کہ مجھے بچے پسند نہیں اس لیے کہ میں ابھی بہت عرصہ تک آزاد رہنا چاہتی تھی اور شام میں جب شجاع آیا تو میں نے پہلی بات جب کی اور وہ میری تائید کرتا ہوئے بولا۔

''آپی کی باتوں پر دھیان مت دو، میں خود ابھی بچے کے حق میں نہیں ہو۔ زندگی پڑی ہے ابھی ہم خود تو انجوائے کر لیں۔''

اور میں مطمئن ہو گئی۔ اس کے بعد جب بھی آپی ٹوکتیں میں بڑے آرام سے جھوٹ بول دیتی کہ میں چیک اپ کرا چکی ہوں سب ٹھیک ہے۔

اس روز حسب معمول میں بارہ بجے سو کر اٹھی شاور لینے کے بعد لاؤنج میں آئی اور بیٹھنے سے پہلے ٹیپ آن کرنا نہیں بھولی۔ فوراً ہی ملازم چائے لے کر آ گیا تو میں نے اسے جانے کا اشارہ کر کے ٹرالی اپنی طرف گھسیٹ لی اور ابھی کپ میں چائے بنا رہی تھی کہ ملازم نے آ کر عابد کے آنے کی اطلاع دی میں ذرا سا چونکی پھر اسے یہیں بھیجنے کا کہہ کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

''السلام علیکم بی بی۔''

اس کی آواز پر میں نے گردن موڑ کر دیکھا۔ چھ سات ماہ میں وہ کتنا بدل گیا تھا۔ گو کہ حلیہ اب بھی وہی تھا۔ ٹخنوں سے اونچی شلوار ڈھیلا ڈھالا لمبا کرتا سر پر عمامہ لیکن ویسا دبلا پتلا نہیں تھا۔ بھرا بھرا مضبوط بدن اور دراز قد نمایاں ہو گیا تھا۔

''بیٹھو۔'' میں نے دائیں طرف اشارہ کیا تو بیٹھتے ہوئے اس نے ایک سرسری نظر مجھ پر ڈالی پھر ہمیشہ کی طرح سر جھکا کر بولا۔

''کیسی ہیں آپ۔''

''کیسی نظر آ رہی ہوں۔'' بلا ارادہ میرے منہ سے نکلا پھر میں زور سے ہنس



پڑی۔ ''تمہیں کیا پتا کبھی آنکھ اٹھا کر بات کرو تب تو پتا چلے کہ میں پہلے کیسی تھی اور اب کیسی ہوں۔''

''میں دیکھے بغیر بتا سکتا ہوں کہ آپ اب بھی ویسی ہیں۔''

میں نے محسوس کیا۔ پہلے کی نسبت اب وہ اعتماد سے بات کر رہا تھا اور اس سے پہلے کہ میں مزید کچھ کہتی۔ وہ فوراً بات بدل کر کہنے لگا۔

''مجھے میاں جی نے خاص طور سے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''ٹھیک تو ہیں وہ.....؟''

''بس جب تک زندگی ہے۔''

فون کی بیل سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ میں نے ایکسکیوزمی کہہ کر ریسور اٹھا لیا۔ دوسری طرف شجاع تھا۔ اس کے پوچھنے پر میں نے بتایا۔

''بس ابھی اٹھی ہوں، یہ عابد آیا ہوا ہے۔ اس سے بات کر رہی ہوں۔''

''وہی میرا فرسٹ کزن۔''

''ہاں وہی''۔

''میاں جی کا میسج لے کر آیا ہے وہ ہمیں بہت یاد کر رہے ہیں۔''

''کم آن شجاع، تمہاری مصروفیات تو کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ کچھ وقت نکالو، تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی میاں جی کے پاس ہو آتے ہیں۔''

''میں چلی جاؤں؟ نہیں بھئی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔''

''اچھا کب۔ ہاں ہاں۔ فکر نہیں کرو، زبردست تیاری ہو گی۔ او کے۔''

میں نے فون رکھ کر عابد کو دیکھا وہ اسی طرح سر جھکائے لاتعلق بیٹھا تھا لیکن مجھے یقین ہے اس نے میری باتیں ضرور سنی ہوں گی کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے اسے مخاطب کیا۔

''ہاں عابد! ایسا ہے کہ اس ہفتے تو مشکل ہے۔ اگلے ہفتے میں اور شجاع آئیں گے'' اس کے خاموش رہنے پر جانے کیوں میں وضاحت کرنے لگی۔

''اصل میں آج شام ٹوکیو سے ایک پارٹی آ رہی ہے اور انہیں اٹینڈ کرنا ضروری ہے۔ زیادہ نہیں میرا خیال ہے تین چار روز رہیں گے وہ لوگ، اس کے بعد ہم آ جائیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''وہ تو ٹھیک ہے بی بی لیکن۔''

وہ جانے کیا کہتے کہتے رک گیا پھر قدرے توقف کے بعد کہنے لگا۔

''شجاع بھائی کی تو مجبوری ہے آپ چلی چلیں۔''

''تم سمجھے نہیں، میں شجاع کے ساتھ ہوتی ہوں، آئی مین اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔''

''میں سمجھ گیا ہوں ہاں میں سمجھ گیا ہوں۔''

وہ کتنی دیر تک پرسوچ انداز میں سر ہلاتا رہا، جانے کیوں اس کا انداز تاسف بھرا تھا میں نے ملازم کو بلا کر چائے وغیرہ کا کہا پھر اچانک خیال آنے پر پوچھا۔

''ہاں عابد، تمہاری بیوی کیسی ہے۔ مجھے تو اس کا نام بھی معلوم نہیں۔''

''ٹھیک ہے، آمنہ نام ہے۔''

''اسے بھی لے آتے۔'' میں نے یونہی باتیں کرنے کی غرض سے کہہ دیا۔

''میاں جی کی وجہ سے نہیں لایا، وہ اکیلے ہو جاتے۔''

میرے پاس اب جیسے کرنے کی کوئی بات نہیں تھی اس لیے آرام سے صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا اور وہ جانے کیا سمجھا فوراً بولا۔

''مجھے اجازت دیجئے۔''

''نہیں ابھی بیٹھو۔ چائے آ رہی ہے۔''

میں کہہ کر پھر اسی طرح ہو گئی۔ کچھ دیر بعد ملازم چائے لے کر آیا تو میں نے اسے ہی بنانے کا اشارہ کیا اور جب وہ کپ اسے تھما کر چلا گیا تب یونہی بھٹکتی ہوئی میری نظر اس پر جا پڑی گھنی سیاہ داڑھی اور ایسی ہی پلکیں۔ ایک بار پہلے بھی میرا دل چاہا تھا کہ وہ میری طرف پلکیں اٹھائے اور میں اس کی آنکھوں میں اپنا آپ دیکھوں پتا نہیں اس نے اپنے چہرے پر میری نظریں محسوس کر لی تھیں یا کیا تھا کہ فوراً کپ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

''اچھا بی بی میں چلتا ہوں۔''

میں کچھ نہیں بولی اسی خاموشی سے اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی اور جیسے ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوا میں پہلے چونکی پھر اپنے آپ پر جھنجلانے لگی۔



پھر اگلے تین چار روز واقعی بہت مصروف گزرے میں جانتی تھی جہاں شجاع کی صلاحیتیں کام نہیں آتی، وہاں میری ایک ذرا سی مسکراہٹ کام کر دکھاتی ہے اور شجاع بھی، اچھی طرح جانتا تھا اسی لیے ٹوکیو سے آئے ہوئے مہمانوں کو اٹینڈ کرنے کی زیادہ تر ذمہ داری اس نے میری سر ڈال دی اور میں نے بھی اپنی ذمہ داری کو خوب نبھایا۔

فیکٹری کے لیے نئی مشینری پھر لاکھوں ڈالر کے آڈرز۔ شجاع اس روز اتنا خوش تھا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اظہار کیسے کرے عجیب و غریب حرکتیں کر رہا تھا میں خاصی محظوظ ہوتی رہی اور جب اس نے عادت کے مطابق پوچھا۔

''اب کیا پروگرام ہے۔'' تو اتفاق سے مجھے اسی وقت یاد آ گیا اور میں نے فوراً کہا۔

''میاں جی کے پاس چلنا ہے۔''

''اوکیس یس چلو ابھی نکل چلتے ہیں شام تک پہنچ جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے جلدی سے بیگ میں اپنے اور شجاع کے دو دو سوٹ رکھے اور ہم اس وقت چل پڑے۔

اور میں چل تو پڑی تھی لیکن راستے میں جب میاں جی کے گھر کا نقشہ اور وہاں کی فضا میں رچی ناگوار سی مہک کا خیال آیا تو میں یہ سوچ کر پریشان ہو گئی کہ جانے شجاع وہاں جا کر کیا محسوس کرے پھر میں اپنے طور پر خواہ مخواہ صفائیاں پیش کرنے لگی۔

''میاں جی بہت سادہ آدمی ہیں انہیں شہر کی آب و ہوا راس نہیں آئی اس لیے گاؤں میں رہتے ہیں۔ میں ایک بار ان کے پاس گئی تھی لیکن مجھے گاؤں بالکل اچھا نہیں لگا اگلے دن واپس آ گئی۔''

''پھر تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا۔'' میری بات سن کر اس نے کہا تو میں بالکل نہیں سمجھی۔

''کب۔''

''یاد نہیں گاؤں سے واپسی پر تم نے کہا تھا کہ تمہارا دل میرے پاس رہ گیا تھا جب ہی چلی آئی۔''

اس نے یاد دلایا اور میں زور سے ہنس پڑی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''دل پاس نہیں تھا جب ہی تو گاؤں اچھا نہیں لگا تھا۔'' بات تو بنانی ہی تھی ورنہ سچ تو یہ تھا کہ میرا دل میرے اپنے سینے میں دھڑکتا تھا۔

شام سے کچھ پہلے ہم میاں جی کے گھر پہنچ گئے۔ دروازہ کھلا تھا میں بے دھڑک اندر داخل ہوگئی۔ سامنے یقیناً عابد کی بیوی تھی مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹ ذرا سے کھلے لیکن جیسے ہی شجاع پر نظر پڑی وہ فوراً اندر چلی گئی۔ میں نے شجاع کو دیکھ کر نہ سمجھنے والے انداز میں کندھے اچکائے پھر اسے لے کر سیدھی میاں جی کے کمرے میں آ گئی۔ میاں جی اپنے تخت پوش پر سیدھے لیٹے ہوئے تھے آہٹ پر پوچھنے لگے۔

''کون ہے۔''

''میں ہوں میاں جی۔'' میں فوراً بڑھ کر ان کے پاس بیٹھی اور ان کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

''مریم میری بیٹی۔'' انہوں نے میرا سر اپنے سینے پر رکھ لیا اور جانے کیوں رونے لگے۔

''میاں جی آپ اچھے ہو جائیں گے۔'' میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''دیکھیں شجاع بھی آئے ہیں۔''

''اچھا۔'' انہوں نے شجاع کی طرف دیکھا تو اس نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔

''خوش رہو میاں، اللہ تمہاری عمر دراز کرے۔ آؤ بیٹھو۔''

شجاع ادھر ادھر دیکھنے لگا تب ہی عابد آ گیا۔ سلام کرنے کے ساتھ شجاع سے مصافحہ کیا پھر کونے میں سے موڑھا کھینچ کر شجاع کے قریب کیا اس کے بعد مجھ سے کہنے لگا۔

''اچھا ہوا بی بی آپ آ گئیں، میاں جی صبح سے آپ کو بہت یاد کر رہے تھے۔ میں ابھی چچا جان کو فون کر کے آ رہا ہوں، وہ اور چچی جان آ رہے ہیں۔''

''مما، پاپا آ رہے ہیں۔'' میں نے چونک کر پوچھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر میاں جی سے کہنے لگی، ''بس میاں جی اب آپ یہاں نہیں رہیں گے پاپا آ جائیں پھر ہم آپ کو ساتھ لے جائیں گے۔''

اور میاں جی کو ایک تو اپنے گاؤں سے محبت تھی دوسرے ان کی جان جیسے مجھ میں اٹکی



ہوئی تھی کہ مما پاپا کا انتظار ہی نہیں کیا چپ چاپ آنکھیں بند کر لی تھیں۔

☆☆☆

زندگی میں پہلی بار میرے اندر ایک ذرا سی خلش نے انگڑائی لی تھی کہ مجھے بہت پہلے میاں جی کے پاس آنا چاہیے تھا۔ اس وقت جب ہنی مون سے واپسی پر مما نے ان کی طبیعت کی خرابی کا بتایا تھا اور میں نے ایک دو بار ارادہ تو کیا تھا لیکن پھر اپنی رنگینیوں میں کھو گئی تھی۔ پھر ہفتہ بھر پہلے جب عابد بلانے آیا تھا تب بھی میں نے ٹوکیو سے آئی ہوئی پارٹی کو ترجیح دی تھی اگر اس وقت میں آ جاتی تو کچھ وقت میاں جی کے پاس رہ سکتی اور وہ اب جب میں آئی تھی تو میاں جی منہ موڑ گئے تھے۔

مجھے یوں لگا جیسے انہوں نے بہت مشکل سے زندگی کو گھسیٹا ہو۔ صرف ایک نظر مجھے دیکھنے کے لیے حالانکہ میں محبتوں پر یقین نہیں رکھتی تھی لیکن جاتے جاتے میاں جی جانے کیسا احساس دلا گئے تھے کہ میرے اندر دور تک سناٹا پھیل گیا تھا۔ اور عابد کی بیوی آمنہ بہت دھیرے دھیرے اس سناٹے میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔

''میاں جی آپ سے بہت پیار کرتے تھے، میرے ساتھ ہر وقت آپ کی باتیں کرتے۔ انہیں آپ کی بہت فکر تھی۔''

''میری فکر کیوں۔'' میں نے الجھ کر پوچھا تو وہ سادگی سے بولی۔

''پتا نہیں جی، میں نے انہیں ہمیشہ آپ کے لیے دعا کرتے دیکھا آخری دنوں میں تو ان کی زبان پر بس آپ کا ہی نام تھا۔''

''ہاں، میں نے بہت کوشش کی آنے کی لیکن۔'' میں نظریں چرا گئی پھر بات بدلتے ہوئے بولی۔ ''تم کبھی آنا میرے پاس عابد سے کہنا تمہیں لے آئے گا۔''

''ہاں جی، مجھے بڑا شوق تھا شہر دیکھنے کا ایک دو بار عابد سے کہا کہ مجھے لے چلیں لیکن وہ کہتے ہیں وہاں بڑا اندھیرا ہے۔''

''اندھیرا۔'' میں واقعی بہت حیران ہوئی۔ پھر سمجھ کر کہنے لگی۔ ''عابد تمہیں شہر دکھانا نہیں چاہتا۔ اس لیے اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے ورنہ وہاں تو اتنی روشنیاں ہیں کہ رات میں بھی دن کا گمان ہوتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"لیکن عابد جھوٹ نہیں بولتے۔" میں اس کی سادگی پر ذرا سا ہنسی تھی۔

پھر سوئم کے بعد ہم واپس آ گئے۔ تو کچھ دن تک میں کافی ڈسٹرب رہی یعنی کسی بات میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ نہ میوزک سننے کو دل چاہتا نہ کوئی پارٹی اٹینڈ کر رہی تھی شجاع روزانہ کہیں نہ کہیں چلنے کو کہتا اور میں سہولت سے منع کر دیتی۔ لیکن زیادہ دن تک میں خود کو الگ تھلگ نہیں رکھ سکی بمشکل دس دن اس کے بعد میری وہی روٹین شروع ہو گئی اور یہی دنیا کی ریت ہے لوگ جانے والے کو کتنے دن یاد کرتے ہیں اس کے غم میں اپنے سب کام چھوڑ کر نہیں بیٹھ جاتے پھر میاں جی تو ایک عمر گزار چکے تھے۔ بس کسی کسی وقت اچانک ان کا خیال آتا تو میں کچھ دیر کو احساس جرم کا شکار ہو جاتی کہ ان کے اتنا بلانے پر بھی میں نہیں گئی۔ اگر کچھ دن پہلے چلی جاتی وہ میں خوش ہو جاتے۔ وقت آخر ان کی آنکھوں میں سمٹی حسرت مجھے یاد تھی۔

پھر یہ اتفاق ہی تھا کہ جس روز میاں جی کا ایصال ثواب تھا اس روز اچانک مجھے ان کا خیال آیا اور پھر محض اپنے اندر کے مجرمانہ احساس کو کم کرنے کی خاطر میں اسی وقت گاؤں کے لیے روانہ ہو گئی۔ یہ خیال بھی نہیں آیا کہ شجاع کو فون کر کے بتا دیتی نہ ہی مما، پاپا سے پوچھنا یاد رہا کہ آیا وہ بھی جا رہے ہیں یا نہیں بس اکیلی ہی پہنچ گئی۔ عصر سے پہلے کا وقت تھا۔ میں ابھی آنگن میں تھی کہ کچن سے نکلتے ہوئے عابد نے مجھے دیکھا اور اس قدر حیران ہوا کہ ہمیشہ کی طرح فوراً نظریں جھکانا بھول گیا، اور اس وقت پتا نہیں کیسے میری نظریں جھک گئیں۔

"آپ کیسے آئیں بی بی۔" وہ چند قدم آگے آ کر پوچھ رہا تھا اور اتنی بولڈ ہو کر بھی میں بولتے ہوئے رک گئی۔

"وہ آج شاید میاں جی کا ایصال ثواب تھا۔"

تبھی آمنہ اندر سے نکل کر آ گئی۔ مجھے دیکھ کر وہ بھی حیران ہوئی لیکن فوراً بڑھ کر گلے ملی پھر کہنے لگی۔

"اندر چلیں بی بی! عورتیں کلام پاک پڑھ رہی ہیں۔"

"ہاں چلو۔" میں نے کہا لیکن دو قدم کے بعد یہ احساس ہوتے ہی کہ گلے میں دوپٹہ نہیں ہے میں رک گئی اور اس سے پہلے کہ آمنہ ٹوکتی عابد نے سر سے عمامہ اتار کر پھر پورا کھول کر میری طرف بڑھا دیا۔



"لیں بی بی یہ اوڑھ لیں۔"

میں نے جلدی سے لے کر سر ڈھانپا اور تیزی سے اندر چلی آئی۔ کافی عورتیں تھیں لیکن چند ایک کے ہاتھوں میں سپارے تھے۔ شاید باقی سب پڑھے جا چکے تھے۔ میں ایک کونے میں بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے میں تب بھی چپ چاپ سب کو دیکھتی رہیں۔ اس کے بعد جب آمنہ نے درمیان میں بڑا سا دسترخوان بچھایا تو میں اسی خاموشی سے کمرے سے نکل کر آئی تو اچانک خود اپنے آپ پر حیران ہونے لگی کہ میں یہاں کیوں آئی بغیر کسی پروگرام کے شجاع کو بھی نہیں بتایا۔

جب ہی اب میں خود پر جھنجلا رہی تھی۔ عابد کچن میں کھڑا چاولوں کے تھال بھر بھر کے آمنہ کو دے رہا تھا اور وہ اندر پہنچا رہی تھی کوئی آدھ گھنٹے تک یہ سلسلہ رہا اس کے بعد عورتیں رخصت ہونے لگیں۔

میں اس وقت بیچ آنگن میں کھڑی تھی قریب سے گزرتی ہوئی بوڑھی عورتیں میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے جاتیں۔ آخر ایک عورت نے سر پر ہاتھ رکھنے کے ساتھ یہ بھی کہا۔

"میاں جی کی پوتی ہو، اللہ نصیب اچھے کرے۔"

"ہونہہ میں اچھا نصیب لے کر ہی پیدا ہوئی ہوں۔"

میں نے تفاخر سے سوچا اور گہری سانس لے کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو آمنہ کہنے لگی۔

"آؤ بی بی بیٹھو ناں، میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"نہیں بس، اب میں چلوں گی۔" میں نے کہا تو وہ دونوں حیران ہو گئے۔ پھر قدرے توقف سے عابد نے کہا۔

"اس وقت کیسے جائیں گی، میرا مطلب ہے ابھی شام ڈھل جائے گی۔"

"تو کیا ہوا۔" وہی ہمیشہ والی رعونت میرے لہجے میں عود کر آئی۔

"نہیں بی بی۔"

"افوہ تم کیوں پریشان ہو رہے ہو۔" میں نے جھنجلا کر اسے ٹوک دیا، میں ابھی جاؤں گی کیونکہ میں شجاع سے کہہ کر نہیں آئی۔"

"میں شجاع بھائی کو فون کر دیتا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"کوئی ضرورت نہیں، بس میں جا رہی ہوں۔"

میری خودسری نے اسے پریشان کر دیا منت سے بولا۔

"ایک منٹ رکیں، میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔"

"تم۔" میں نے اسی قدر کہا جبکہ میرا انداز وہی تھا۔ تمہارے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ پتا نہیں سمجھا یا نہیں آمنہ سے کہنے لگا۔

"آمنہ! تم اپنی ماں کے گھر چلی جاؤ میں بی بی کو چھوڑنے جا رہا ہوں صبح تک واپس آؤں گا۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔ فوراً اندر جا کر برقع اوڑھ کر آ گئی۔ پھر پہلے میں نے آمنہ کو اس کے میکے چھوڑا، اس کے بعد جب گاڑی مین روڈ پر دوڑانے لگی تب وہ کہنے لگا۔

"میں جانتا ہوں آپ کو میرے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"جب جانتے ہو تو پھر میرے ساتھ آنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہ میری مجبوری ہے کہ میں اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے کوتاہی نہیں کر سکتا۔"

میرے تند لہجے کے باوجود آرام سے بات کر رہا تھا جس سے میری آواز بجائے دھیمی ہونے کے اور تیز ہو رہی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"سیدھی سی بات ہے۔ جب آپ اپنے گھر سے چلی تھیں تو میری ذمہ داری نہیں تھیں لیکن اپنے گھر سے بحفاظت آپ کو آپ کے گھر تک پہنچانا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔"

اس کی وضاحت پر میں زور سے ہنسی۔

"بس کرو عابد علی تم پتا نہیں کون سی دنیا میں رہتے ہو۔ جن حقوق و فرائض کی بات کر رہے ہوں ان کی ہمارے ہاں کوئی اہمیت نہیں۔"

"یہ تو سراسر خود فریبی ہے بی بی ورنہ آپ کے اہمیت نہ دینے سے اہمیت ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ حقوق و فرائض اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے عائد کردہ ہیں اور ان سے کوتاہی گناہ ہے۔"

میں نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن پھر فوراً بھینچ لیے اور قدرے توقف سے



وہ کہنے لگا۔

"یہ دنیا ایک مرد اور ایک عورت سے وجود میں آئی ہے اور ان دونوں کی ایک دوسرے سے غفلت ہی برائیوں کو جنم دیتی ہے۔"

"جسے تم غفلت کہہ رہے ہو وہ میرا اور شجاع کا ایک دوسرے پر اعتماد ہے۔" میں تفاخر سے گردن اکڑا کر مزید گویا ہوئی۔

"شجاع نہیں جانتا کہ میں کہاں ہوں اور اگر میں چار دن بعد بھی گھر داخل ہوں گی تو وہ مجھ سے کوئی سوال نہیں کرے گا۔"

"یہ اعتماد نہیں قصداً چشم پوشی ہے بی بی اور قصداً چشم پوشی کرنے والا مرد نہیں ہوتا۔" غالباً اس نے اپنی توہین کا بدلہ لیا اور میں تلملا کر چیخی۔

"عابد۔"

"چلائیے مت بی بی۔ میں غلط نہیں کہہ رہا مرد وہ ہوتا ہے جو خدا کے بعد اپنی قوت بازو پر بھروسہ کر کے حلال کماتا، حلال کھلاتا ہے۔ بیوی کو نمائش کے طور پر پیش کرنے والے کو میں مرد نہیں کہتا اور ایسے ہی لوگ قصداً چشم پوشی کرتے ہیں۔"

"تم۔" میں نے انتہائی غصے کے عالم میں گاڑی کو بریک لگا کر خونخوار نظروں سے اسے دیکھا تو وہ دھیرج سے بولا۔

"میں جانتا ہوں، آپ کو میری بات بری لگی ہے اور اس میں آپ کا قصور اتنا ہے کہ آپ خود اپنا مقام نہیں پہچانتیں۔"

"بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں اپنا مقام سمجھے تم۔"

میں نے پھر جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھائی تو کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ کہنے لگا۔

"اگر جانتی ہیں تو پھر اپنے فرائض بھی پہچانیے۔"

"کیا ہیں میرے فرائض۔" میں نے تنک کر پوچھا۔

"گنتی کے چند فرائض میں بی بی اپنے شوہر کی عزت و مال کی خیانت نہ کرنا اور اس کی اجازت کے بغیر گھر میں نہ کسی کو آنے دینا اور نہ خود کہیں جانا اور جب وہ بلائے تو منع نہیں کرنا۔"

اس کی بات سمجھنے کی کوشش میں میں فوراً کچھ نہیں بول سکی اور وہ اپنی بات جاری رکھتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ہوئے کہنے لگا۔

''چند روز کی زندگی ہے بی بی اور عورت کے لیے تو بہت آسان ہے جو اپنا مقام پہچاننے کے ساتھ ان فرائض کو نبھا دے تو آخرت میں تو یقیناً اس کے لیے فلاح ہی فلاح ہوگی۔''

''تم آخرت کی زندگی پر بہت زور دیتے ہو اور یہ جو زندگی ہمیں ملی ہے۔ اس کا بھی تو کچھ حق ہے ہم پر۔''

میں اب باقاعدہ اس سے بحث کرنے کے موڈ میں آ گئی۔

''بالکل ہے وہ زور دے کر بولا۔'' سب سے پہلے ہم سے اسی زندگی کی بابت سوال کیا جائے گا کہ ہم نے جو تمہیں زندگی دی تھی اسے کن کاموں میں گنوایا اور آخرت کی زندگی کا دارومدار اسی پر ہے اگر اچھے کام کیے تو اچھا صلہ ملے گا۔''

''تمہارے خیال میں اچھے کام کون سے ہیں۔''

''مجھ سے نہ پوچھیں بی بی بس یہ دیکھیں کہ اللہ اور رسول ﷺ کی نظر میں کون سے کام پسندیدہ ہیں۔''

میں نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا، اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ کتنی دیر بعد میں نے اسے مخاطب کیا۔

''تمہاری ساری باتیں ٹھیک ہیں عابد! لیکن میں نے جس ماحول میں آنکھ کھولی، پرورش پائی اور ابھی بھی وہی ماحول ہے تو میں اس سے الگ تو نہیں ہو سکتی۔''

''میں کب کہہ رہا ہوں کہ آپ الگ ہو جائیں۔''

''پھر۔''

''آپ صرف اپنا مقام پہچانیں، باقی ذمہ داری آپ کے شوہر کی ہے۔''

''میرا شوہر ہر قدم مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔'' میرے لہجے میں پھر تفاخر سمٹ آیا۔

''کیوں۔'' پہلی بار اس نے ایک اچٹتی نظر مجھ پر ڈالی اور میں کندھے اچکا کر بولی۔

''اس لیے کہ اسے میری قسمت پر بہت بھروسہ ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ میں جب اس کے ساتھ ہوتی ہوں تو اس کا کام آسان ہو جاتا ہے۔''



''بھروسہ اسے آپ کی قسمت پر نہیں بلکہ آپ کے حسن و خوب صورتی پر ہے۔''

''عابد۔'' اس کی اس قدر صاف گوئی پر میں ششدر رہ گئی پھر ناگواری سے کہا۔

''تمہیں شجاع کے بارے میں ایسا نہیں کہنا چاہیے۔''

''معاف کر دیجیے بی بی میرا مقصد آپ کی دل آزاری ہرگز نہیں تھا۔ لیکن آپ کو یہ حقیقت ضرور سمجھنی چاہیے کہ وہ آپ کو اپنے ساتھ کیوں رکھنا چاہتا ہے۔

میں ہونٹ بھینچ کر بالکل خاموش ہو گئی اور بقیہ تمام راستہ کچھ نہیں بولی۔ اس کی بات نے پھر میرے تفکر کو ہوا دی تھی میں مسلسل اندر ہی اندر جھنجھلاتی رہی اور جب گھر کے سامنے گاڑی روکی تو گہری سانس کھینچ کر اس پر طنز کیا۔

''ہاں بھئی عابد تم نے اپنا فرض نبھا دیا۔''

''الحمدللہ۔'' اس نے کہا اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ پھر چکر کاٹ کر میری طرف آیا تو کہنے لگا۔

''اچھا بی بی اب مجھے اجازت دیجیے۔''

''کیا مطلب اندر نہیں چلو گے۔''

''نہیں بی بی میں نے آپ کے سامنے آمنہ سے صبح آنے کا کہا تھا اور اسی وقت ویگن پکڑوں گا تبھی صبح تک پہنچ سکوں گا۔'' اس نے توجیہہ کے ساتھ منع کیا۔

''اگر نہیں پہنچو گے تو کیا ہوگا۔''

''ہوگا تو کچھ نہیں لیکن میری بات جھوٹ ہو جائے گی۔''

''عجیب آدمی ہو، خوامخواہ اتنی زحمت کی حالانکہ مجھے۔''

میں کہنے جا رہی تھی کہ تمہارے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ لیکن اس سے پہلے ہی اس نے میری طرف کے شیشے پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے اور جھک کر براہ راست میرے آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''اپنے ہونے کا احساس دلانا مشکل نہیں ہے بی بی ایک نظر ہی کافی ہوتی ہے۔ میرا کیا جاتا مرد ہوں لیکن میں اسے مردانگی نہیں کہتا مرد وہ ہے جو اپنے ہونے کا احساس نہ دلائے۔ نفس کو رام کرنا آسان نہیں ہے۔ اندر جائیے اور اسے خواب غفلت سے بیدار کر کے اپنے ہونے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



احساس دلایئے جس کی چشم پوشی کو آپ اعتماد کہتی ہیں۔ خدا حافظ۔"

وہ پیچھے ہٹا پھر پلٹ کر مضبوط قدموں سے تیز تیز چلتا گیا اور میں ایسے ہی گم صم اس کے پیچھے نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ شاید کبھی میں نے انجانے میں خواہش کی تھی کہ اس کی آنکھوں میں اپنا آپ دیکھوں اور اب جب اپنا آپ نظر آیا تھا تو میرا دل اندر ہی اندر بیٹھا جا رہا تھا۔ بہت چاہا سر جھٹک کر اس کی نفی کر دوں لیکن اس کے ہونے کا احساس بہت قوی تھا۔ کتنی دیر بعد میں آہٹ پر چونکی غالباً چوکیدار تھا۔ تب میں نے ہارن بجایا اور گیٹ کھلنے پر گاڑی اندر لے آئی۔ ایک بج رہا تھا اور ابھی کوئی اتنی رات تو نہیں تھی۔ میں اور شجاع عموماً اسی وقت گھر آیا کرتے تھے لیکن جانے کیسے شجاع سو رہا تھا۔ میں نے احتیاط سے بیڈ روم کا دروازہ بند کیا اور کچھ دیر شجاع کو بے خبر سوئے ہوئے دیکھتی رہی پھر اچانک جانے کیا ہوا میں نے بڑھ کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"شجاع۔ شجاع اٹھو، دیکھو میں آئی ہوں۔"

"اوں ہوں" وہ کروٹ بدلنے لگا کہ میں نے اس کے کندھے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور زور زور سے ہلا کر بولی۔

"دیکھو شجاع! کتنی رات ہو گئی ہے اور میں اکیلی آ رہی ہوں مجھ سے پوچھو، میں کہاں گئی تھی شجاع اٹھو، مجھ سے پوچھو۔"

میں جذباتی انداز میں چیخنے لگی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور جب میری بات پر غور کیا تو برا سا منہ بنا کر بولا۔

"ڈونٹ بی سلی مومی! کیا کہہ رہی ہو؟"

"مجھ سے پوچھو شجاع! میں کہاں گئی تھی۔ تمہیں بتائے بغیر، تمہاری اجازت کے بغیر۔"

"کم آن مومی! کیا ہو گیا ہے تمہیں شاید، تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں سو جاؤ آرام سے۔"

اسے غالباً میری دماغی حالت پر شبہ ہوا اور اپنے طور پر ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔

لیکن میں نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نہیں، مجھے نیند نہیں آ رہی۔"

"تو ایسا کرو، کوئی موویز دیکھ لو۔"

وہ بڑے آرام سے مشورہ دے کر دوبارہ لیٹ گیا تو میں کچھ دیر تک کھڑی اسے دیکھتی



رہی پھر بیڈ روم سے نکل آئی۔

عجیب سا سناٹا تھا جیسے ہر شے ساکت ہو گئی ہو۔ میرے اندر گھٹن بڑھنے لگی تو میں ٹیرس پر آ گئی اور گہری سانس کھینچتے ہوئے دور تک نظر دوڑائی تو ایک خیال چپکے سے چھو گیا۔

عابد کی ویگن مس ہو جائے تو شاید وہ لوٹ آئے۔ پھر فوراً ہی میں نے خود کو سرزنش کی اور ایزی چیئر پر نیم دراز ہو کر پلکیں موند لیں۔

"یہ اعتماد نہیں قصداً چشم پوشی ہے اور قصداً چشم پوشی کرنے والا مرد نہیں ہوتا۔"

"میرے خدا۔" میں نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھنسا کر سر کو زور سے جھٹکا دیا۔ میں اس کی ہر بات کو ذہن سے نکال پھینکنا چاہتی تھی لیکن وہ تو جیسے آکٹوپس کی طرح چپک گیا تھا۔

"بھروسہ اسے آپ کی قسمت پر نہیں بلکہ آپ کے حسن و خوبصورتی پر ہے۔"

مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے بھرے مجمعے میں میرے منہ پر طمانچہ دے مارا ہو۔ وہ ایک عام سا شخص جس کی میرے نزدیک کوئی حیثیت نہیں تھی اور جسے میں نے خود سے حریف مان لیا تھا مجھے شکست سے ہمکنار کر رہا تھا اور میں ایک ہی وقت میں متضاد کیفیات میں گھری ہوئی تھی۔ کبھی اسے جھٹلاتی کبھی سچ مانتی اور یونہی جانے کب نیند مہربان ہو گئی۔

صبح چڑیوں کی چہچہاہٹ پر میری آنکھ کھل گئی تو میں حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی، کیونکہ ابھی اجالا پوری طرح نہیں پھیلا تھا۔ اس لیے میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کون سا وقت ہے صبح یا شام۔ اٹھنے کی کوشش کی تو سارا بدن دکھ رہا تھا غالباً ایک ہی زاویے سے بیٹھنے کے باعث۔ بڑی مشکل سے کھڑی ہوئی اور جیسے ہی قدم بڑھانا چاہا ایک شانے پر جھولتا عابد کا دیا ہوا عمامہ پیروں میں الجھ گیا اور اسے ہاتھ میں لیتے ہی یاد آیا کہ میں کل گاؤں گئی تھی اور اس کے بعد تمام باتیں جنہیں میں جھٹلاتے اور کبھی سچ مانتے ہوئی سو گئی تھی اور اب بیداری کے ساتھ پھر ذہن کو جھنجھوڑنے لگی تھیں۔

میں اتنی آسانی سے ہار ماننے والی کب تھی محض ان سے چھٹکارے کی خاطر تیز قدموں سے اندر آئی اور اپنی جگہ پر گرتے ہی تکیہ منہ پر رکھ لیا اور دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔ کتنی دیر گزر گئی لیکن مجھے نیند نہیں آئی اور میں جیسے سونے کا تہیہ کر چکی تھی۔ اس لیے بے حس و حرکت پڑی رہی۔ پھر شجاعت اٹھ گیا اور اس کے کچھ ہی دیر بعد ملازم اس کے لیے بیڈ ٹی لے آیا تو مجھے بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



چائے کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی منہ پر سے تکیہ ہٹایا تو شجاع حیرت سے بولا۔

''ارے تم جاگ رہی ہو۔''

میں کچھ نہیں بولی اٹھ کر بیٹھی اور اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے کر پینے لگی تو اس نے پہلے ملازم کو اپنے لیے چائے لانے کا کہا پھر مجھ سے پوچھنے لگا۔

''اب تمہاری طبیعت کیسی ہے۔''

''مجھے کیا ہوا۔'' میں نے الٹا پوچھا تو کندھے اچکا کر بولا۔

''تم بتاؤ، رات اتنا چلا رہی تھیں۔ کہ مجھ سے پوچھو، میں کہاں گئی تھی کیا تمہارے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا تھا۔''

''حادثہ۔'' اور میری ذہنی رو یوں بہکی کہ پتا ہی نہیں چلا میں کیا کہہ رہی ہوں۔

''ہاں شاید حادثہ ہی تھا۔ ایک بہت عام سا شخص اچانک مجھے اپنے ہونے کا احساس دلا گیا اور اب مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میری کشتی بیچ منجدھار میں ہچکولے کھا رہی ہو۔''

وہ سرسری انداز میں میری بات سن رہا تھا۔ اکتا کر بولا۔

''کم آن موی! تمہاری نیند پوری نہیں ہوئی۔ ایسا کرو ایک گولی لے لو۔''

پھر اس نے خود ہی دراز میں سے ایک ٹیبلٹ نکالی اور میرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے بولا۔

''بھرپور نیند لے لو، شام میں تمہیں فریش ہونا چاہیے۔''

''کیوں۔''

''یاد نہیں آج تیمور کے ہاں جانا ہے اور اس سے مسٹر ڈیوڈ والے کانٹریکٹ کی بات کرنی ہے۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کر واش روم میں چلا گیا اور مجھے یاد آیا، دو روز پہلے شجاع بتا رہا تھا کہ وہ مسٹر ڈیوڈ کے آرڈرز مقررہ وقت تک تیار کرنے میں ناکام ہو رہا ہے، اس کے پاس صرف ایک مہینہ تھا اور کام بہت زیادہ گو کہ فیکٹری میں دن رات کام ہو رہا تھا پھر بھی ایک مہینے میں سپلائی مشکل تھی اور اگر مقررہ وقت پر سپلائی نہ دی گئی تو معاہدے کے مطابق مسٹر ڈیوڈ آرڈر کینسل کر سکتے تھے جس سے ظاہر ہے شجاع دیوالیہ ہو جاتا اور اب شجاع چاہتا تھا، میں تیمور سے کہوں کہ وہ بقیہ مال تیار کرنے میں اس کی مدد کرے۔ غالباً پہلے وہ خود تیمور سے بات کر چکا تھا اور اس نے منع تو نہیں کیا



تھا لیکن ہامی بھی نہیں بھری تھی اور شجاع کو یقین تھا کہ تیمور میری بات کبھی نہیں ٹالے گا۔ یقین تو مجھے بھی تھا لیکن۔

شام میں مجھے سیدھے سادے حلیے میں دیکھ کر شجاع سمجھا میں ابھی تیار نہیں ہوئی۔ لیکن جب میں نے اسی طرح چلنے کے لیے کہا تو اس نے پہلے حیران ہو کر سرتاپا مجھے دیکھا پھر ناگواری سے بولا۔

''کیا اسی طرح جاؤ گی۔''

''ہاں کیوں۔'' میں نے قصداً انجان بن کر کہا تو وہ چڑ گیا۔

''کیا بات کرتی ہو موی تمہیں تیمور کے سامنے جانا ہے اور ہر صورت اس سے اپنی بات منوانی ہے۔ اس حلیے میں جاؤ گی تو میرا خیال ہے وہ تمہیں لفٹ بھی نہیں کرائے گا۔''

''تو پھر میں نہیں جاتی۔ تم خود اس سے بات کر لو۔''

پتا نہیں مجھے کیا ہو رہا تھا۔ بس دل چاہ رہا تھا ہر شے سے بے نیاز ہو کر کسی کونے میں جا بیٹھوں میری بیزاری محسوس کرتے ہوئے شجاع نے باقاعدہ میری خوشامد شروع کر دی۔ خود ہی وارڈروب سے میرے کپڑے نکالے اور میرے ساتھ لگا کر بولا۔

''دیکھو یہ پنک کلر تم پر کتنا سوٹ کرتا ہے۔ ایمان سے دیکھنے والوں کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ جاؤ جلدی سے چینج کر کے آؤ۔''

میں نے بے دلی سے اس کے ہاتھ سے ہینگر لے لیا اور ڈریسنگ روم میں آ گئی۔ پھر تیار ہوتے ہوئے میرا موڈ آپ ہی آپ بدل گیا آئینے میں اپنا آخری جائزہ لیتے ہوئے ہمیشہ کی طرح مجھ پر سب میں نمایاں نظر آنے کا احساس غالب آ گیا اور شجاع تو مجھے دیکھ کر کھل اٹھا۔

''مجھے یقین ہے موی! تیمور تمہاری بات کبھی رد نہیں کر سکتا۔'' تمام راستہ شجاع بار بار یہی بات دہرا رہا تھا۔

تیمور کے ہاں اور بھی کافی لوگ مدعو تھے۔ جس وقت میں شجاع کے ہمراہ اس کے ہال کمرے میں داخل ہوئی تو ہمیشہ کی طرح سب کی نظریں ہماری طرف اٹھ گئی تھیں اور تیمور بہت بے تابی سے دوسرے کونے سے میری طرف بڑھ رہا تھا۔

''دیکھو تیمور آ رہا ہے۔ اسے زیادہ سوچنے کا موقع مت دینا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



شجاع میرے کان میں سرگوشی کرتا ہوا دوسری طرف بڑھ گیا اور تیمور نے آگے آ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔

''سچ مومی! تمہارے آنے سے محفل میں رونق آ جاتی ہے۔ کیسی ہو۔''

''تم سناؤ۔''

''کیا سناؤں، حال دل۔''

اس کی بات پر زور سے ہنستے ہوئے میں نے ایک طائرانہ نظر پورے ہال پر ڈالی سب ہی متوجہ تھے اور میری توجہ حاصل کرنے کو بے تاب نظر آ رہے تھے۔ تب میں نے تیمور کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے تم مہمانوں کو ریسیو کر لو پھر اطمینان سے بات کریں گے۔''

اس کے ساتھ ہی میں اس کے پاس سے ہٹ کر ماریہ کے پاس آ گئی تو حسب عادت ماریہ نے پہلے سر تا پا میرا جائزہ لیا پھر ایک ایک چیز کی تعریف کرنے لگی۔ تبھی میں نے دیکھا شجاع دور ہی سے مجھے اشارہ کر رہا تھا میں سمجھ گئی وہ مجھے تیمور کے ساتھ رہنے کو کہہ رہا ہے۔

میں نے بھی اشارے سے اسے اطمینان دلایا پھر ماریہ سے معذرت کر کے جیسے ہی پلٹی سکندر اس طرح میرے سامنے آ گیا کہ مجھے مجبوراً اس سے ہیلو ہائے کرنی پڑی پھر ہر دوسرے قدم پر کوئی نہ کوئی مجھے روکتا رہا اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی شروع ہی سے سب میری توجہ چاہتے تھے اور کسی نہ کسی بہانے مجھے روک کر اپنے ہونے کا احساس دلاتے۔ سب کا تقریباً ایک ہی جیسا انداز ہوتا تھا۔ نظروں میں حد درجہ بے باکی کوئی لاکٹ کی تعریف کے بہانے میری گردن چھو لیتا اور کسی کو میری کانوں میں ٹاپس اتنے پسند آتے کہ انہیں چھو کر دیکھنے کے بہانے انگلیاں میرے رخسار سے مس کرتے اور میں ہمیشہ سب کی ایسی حرکتوں پر بہت محظوظ ہوا کرتی تھی اور بعد میں پہلے روما پھر شجاع کو بتاتے ہوئے میں بہت ہنستی تھی۔

روما کا کہنا تھا کہ ایک تو سب لوگ تمہیں چھو کر یہ یقین کرنا چاہتے ہیں کہ تم اسی دنیا کی باسی جیتی جاگتی انسان ہو دوسرے وہ تمہارے اندر اپنے لیے کسی احساس کو بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ کتنی عجیب بات تھی کہ آج تک میرے اتنے قریب آ کر بھی کوئی میرے کسی احساس کو چھو نہیں سکا تھا۔ ورنہ میں دل لگی تو آرام سے کر سکتی تھی۔ دل کا معاملہ تو میرا کسی کے ساتھ تھا ہی نہیں شاید اس



لیے کہ میں محبت پر یقین نہیں رکھتی تھی۔ اس کے برعکس میرا خیال تھا سب ضرورت کے رشتوں میں بندھے ہیں اور کم از کم میں نے کہیں بھی اپنے خیال کی نفی ہوتے نہیں دیکھی تھی۔

بہر حال اس وقت میں بڑی مشکل سے تیمور تک پہنچ سکی، تو مجھے دیکھ کر اس نے دونوں ہاتھ ذرا سے پھیلا کے ہاہا کے انداز میں گہری سانس لی پھر پوچھنے لگا۔

''شجاع کہاں ہے۔''

''ہوگا کہیں۔'' میری لاپروائی پر اس نے بھنویں اچکائیں پھر بڑھ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اچانک جانے کیا ہوا مجھے یوں لگا جیسے کسی نے لوہے کی گرم سلاخ میرے کندھے میں اتار دی ہو۔

میں ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ ہٹا کر پیچھے ہٹی۔ ایک پل میں میرا سانس بہت تیز تیز چلنے لگا اور اندر کوئی دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔

''آپ صرف اپنا مقام پہچانیں، باقی ذمہ داری آپ کے شوہر کی ہے۔''

''شجاع۔'' میں نے بے اختیار پوری قوت سے اسے پکارا تو پورے ہال میں کھلبلی مچ گئی۔ شجاع سب کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا میرے پاس آیا۔

''کیا ہوا مومی۔''

''شجاع! مجھے گھر لے چلو۔'' میرے لہجے میں ایسی منت ایسی عاجزی کہ میں رو دینے کو ہو گئی۔

''مومی۔'' اس نے مجھے ریلیکس کرنا چاہا لیکن میں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''پلیز شجاع! یہ میرا کام نہیں ہے۔ اپنی ذمہ داریاں تم خود نبھاؤ اور مجھے میرے مقام پر رہنے دو۔ پلیز پلیز شجاع مجھے گھر چھوڑ آؤ۔''

''اوکے۔ اوکے۔'' سب کے متوجہ ہونے پر وہ پریشان ہو گیا اور تیمور سے معذرت کرتے ہوئے بولا۔

''سوری تیمور! مومی کی طبیعت کل سے خراب ہے۔ تم پلیز مائنڈ نہیں کرنا۔''

''پہلے بتایا ہوتا پارٹنر! میں پارٹی کینسل کر دیتا۔ اب بتاؤ مومی نہیں ہو گی تو کیا خاک مزہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



آئے گا۔" پھر مجھ سے کہنے لگا "کم آن مومی میرے بیڈ روم میں لیٹ جاؤ کچھ دیر میں ٹھیک ہو جاؤ گی۔"

"تیمور ٹھیک کہہ رہا ہے۔" شجاع نے اس کی تائید کی تو میں نے سناٹے میں آ گئی۔ پھر سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے چیخ کر نہیں کہا اور جھپٹنے کے انداز میں شجاع کی جیب سے گاڑی کی چابی نکال کر باہر بھاگ آئی۔ پھر کچھ دیر سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر میں نے اپنی سانسوں کو ہموار کیا۔ اس کے بعد گاڑی اسٹارٹ کی تو شجاع پیچھے بھاگتا ہوا آیا۔

"رکو مومی! میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔"

میں چپ چاپ برابر کی سیٹ پر کھسک گئی اور اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ تمام راستہ وہ کچھ نہیں بولا۔ غالباً خفگی کا اظہار کر رہا تھا لیکن میں نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ گھر آ کر سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی اور شجاع نے آنے میں بہت دیر کی میں اس وقت تک لباس تبدیل کرنے کے بعد کافی حد تک خود پر قابو پا چکی تھی وہ آیا تو پرسوچ انداز میں مجھے دیکھے گیا۔

"کیا بات ہے۔" بالآخر مجھے تو ٹوکنا پڑا اور اس کی پیشانی پر بے شمار شکنیں ابھر آئیں..... انتہائی ناگواری سے پوچھنے لگا۔

"اس سارے ڈرامے سے تمہارا مقصد کیا تھا؟"

"کیا مطلب میں ابھی۔"

"انجان مت بنو مومی!" تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں اس وقت کس مشکل میں ہوں پھر تم بجائے تیمور سے بات کرنے کے اس طرح کیوں چلی آئیں۔

وہ اپنے غصے پر بمشکل قابو پا رہا تھا، وہ بھی شاید اس لیے کہ ابھی اسے میری ضرورت تھی اور میں نے بجائے اسے کوئی آس دلانے کے صاف گوئی سے کام لیا۔

"بس شجاع! میں تیمور سے بات نہیں کروں گی، بلکہ تمہارے بزنس سے متعلق کسی سے بھی نہیں۔"

"کیوں؟" اس کے استفسار میں جرح تھی۔ پھر بھی میں نے آرام سے جواب دیا۔

"اس لیے کہ یہ میرا کام نہیں ہے۔"

"کام میرا ہو یا تمہارا، ایک ہی بات ہے۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ تمہاری بات سنی بلکہ



مانی جاتی ہے۔ پھر میں یہ سب تمہارے لیے ہی تو کر رہا ہوں۔ تمہارے آرام و آسائش کے لیے۔"

وہ بہت خوبصورتی سے مجھے گھیرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"دیکھو مومی! تم جانتی ہو مسٹر ڈیوڈ کو وقت پر سپلائی دے کر ہم کتنا منافع کمائیں گے اس کے بعد پتا ہے میں نے کیا سوچا ہے تمہارے لیے واشنگٹن میں وائٹ ہاؤس کے عین سامنے ایک خوب صورت سا بنگلہ خریدوں گا پھر ہم۔"

"بس کرو شجاع۔" میں نے اکتا کر ٹوک دیا تو اس نے بظاہر نرمی سے پوچھا۔

"تم کیا چاہتی ہو۔"

"میں۔" اپنی طرف اشارا کرتے ہوئے میں نے اسے دیکھا پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔ "مجھے کچھ نہیں چاہیے، صرف چادر اور چار دیواری کا تحفظ دے دو اور بس۔"

"مومی" کتنی دیر تک وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتا رہا پھر زور زور سے ہنستے ہوئے بولا۔ "اچھا مذاق ہے، واقعی اچھا مذاق ہے۔"

"شجاع۔" میں نے چیخ کر اسے خاموش کرایا پھر بولی۔ "میں مذاق نہیں کر رہی۔"

"مذاق نہیں کر رہی۔" اس نے دہراتے ہوئے بغور مجھے دیکھا پھر میرا بازو گرفت میں لے کر جھٹکے سے اپنی طرف کھینچتے ہوئے دانت پیس کر بولا۔

"سنو مومی! میں مڈل کلاس کا عاشق نہیں ہوں جو تمہاری اس بات پر خوش ہو جاؤں گا، میں نے تم سے شادی ہی اس لیے کی تھی کہ تم لوگوں کے ہوش اڑا دیتی ہو۔"

"میرا بازو چھوڑو۔" اس کی انگلیوں کی گرفت اتنی سخت تھی کہ میں تکلیف سے رو پڑی۔ تب اس نے مجھے دھکا دے کر صوفے پر گرا دیا پھر کہنے لگا۔

"تیمور کو جانے دو، ایسا کرو امریکہ جا کر مسٹر ڈیوڈ سے مزید کچھ ماہ کی مہلت لے آؤ۔ مجھے یقین ہے وہ تمہاری بات نہیں ٹالیں گے۔"

"نہیں، میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"سوچ لو۔ تم نہیں جاؤ گی تو کوئی اور چلی جائے گی۔ یہاں مومیوں کی کمی تو نہیں ہے۔ البتہ اس کے بعد یہ جو چار دیواری تمہیں میسر ہے اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گی۔"

وہ نہایت سفاکی سے کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا پھر اچانک پلٹ کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"میں تمہیں سوچنے کے لیے صرف ایک دن دے سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"شجاع۔" میں نے روکا تو وہ مجھے مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر تمسخر اڑاتا ہوا بولا۔

"چادر۔ چار دیواری ہاہا بی بی! یہ چیزیں تو تمہیں وہ مولانا ہی دے سکتا ہے۔ کیا نام ہے اس کا، استغفراللہ۔"

وہ عابد کے انداز کی نقل اتارتا ہوا اور بے تحاشا ہنستا ہوا چلا گیا جبکہ میں کتنی دیر تک گم صم بیٹھی رہ گئی۔

پھر میں یکسوئی سے سوچنا چاہتی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے لیکن میرا ذہن بالکل کام نہیں کر رہا تھا۔ تب میں نے مما کو فون کر کے ساری صورتحال کہہ سنائی اور وہ الٹا مجھے ٹوکنے لگیں۔

"پاگل مت بنو مومی! تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ اگر مسٹر ڈیوڈ نے اپنا آرڈر کینسل کر دیا تو شجاع کا کتنا نقصان ہوگا اور یہ صرف شجاع کا نہیں تمہارا نقصان ہے۔ تم فوراً مریکہ مسٹر ڈیوڈ سے بات کرو۔"

مما اور بھی جانے کیا کچھ کہے گئیں۔ میں نے فون بند کر دیا اور برآمدے میں نکل آئی۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کروں۔ جانے کیوں میں خود کو اتنا بے بس محسوس کر رہی تھی۔ حالانکہ سب کچھ میرے اختیار میں تھا۔ صرف ایک اشارا ہی تو کرنا تھا مجھے اور شجاع سمیت ہر شے میرے قدموں میں ہوتی لیکن جانے کون سی طاقت تھی جو مجھے اشارے سے روک رہی تھی اور یہی طاقت مجھے اس گھر میں رکنے پر مجبور بھی کر رہی تھی ورنہ میرے لیے شجاع کو ٹھوکر مار کر چلے جانا کون سا مشکل تھا۔ آگے میرے لیے زندگی ختم تو نہ ہو جاتی ابھی بھی ایک نہیں ایک ہزار طلب گار تھے۔ لیکن یہ ضد کا معاملہ نہیں تھا جو میں اس انداز سے سوچتی اور فوراً عمل بھی کر ڈالتی۔

یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ جتنی بار میں نے سوچنا چاہا کہ مجھے شجاع کی بات مان لینی چاہیے، میرے اندر کی عورت سسک سسک کر رونے لگی۔ اب تک غالباً میں بہت تماشا بن چکی تھی اور اس میں خوش بھی تھی۔ کبھی احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ اس طرح ننگے سر نامحرموں کے درمیان اٹھلا کر چلتے ہوئے میں اپنا اصلی مقام کھو رہی ہوں۔ گو کہ اس میں زیادہ قصور میرا نہیں تھا، میں نے آنکھ ہی ایسے ماحول میں کھولی تھی پھر تربیت اور انگلش تعلیم نے مجھے مزید اپنے اصل سے دور رکھا



اور اب جب ایک شخص نے مجھے راستہ دکھا دیا تھا تو میں کسی طرح اس سے نظریں نہیں چرا پا رہی تھی۔

میں واقعی اس وقت بہت مشکل میں تھی اور جب کوئی حل سمجھ میں نہیں آیا تو نہ صرف جھنجھلانے لگی بلکہ عابد کو گالیاں بھی دینے لگی۔ اسی نے تو مجھے ڈسٹرب کیا تھا ورنہ میں تو بہت آرام سے تھی۔ کیا ضروری تھا کہ وہ مجھے عورت کا مقام یاد دلاتا اور پھر میں نے کیوں اس کی باتوں کو اتنا سیریس لے لیا تھا۔

اسی طرح جھنجھلاتی ہوئی میں اندر آئی تو فون کی بیل بج رہی تھی۔ میں نے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف تیمور تھا۔ میری آواز سنتے ہی پوچھنے لگا۔

"اب تمہاری طبیعت کیسی ہے۔"

"ٹھیک ہوں۔" میں نے انتہائی کرخت لہجے میں جواب دیا۔

"کیا ہو گیا تھا تمہیں۔"

"پتا نہیں۔" میرا انداز جان چھڑانے والا تھا اور غالباً اس نے سمجھ لیا جبھی اس موضوع سے ہٹ کر بولا۔

"شجاع کہاں ہے؟"

"گھر پر نہیں ہے اور کچھ بتا کر بھی نہیں گیا۔"

"اچھا سنو وہ آئے تو اس سے کہنا میں نے ایگریمنٹ تیار کر لیا ہے صبح پہلی فرصت میں آ کر سائن کر لے۔"

اس نے کہا تو میں نے یونہی پوچھ لیا۔

"کیسا ایگریمنٹ۔"

"مسٹر ڈیوڈ والا۔ یاد سے کہہ دینا۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے سلسلہ منقطع کر دیا لیکن میرے کانوں میں اب بھی اس کی آواز گونج رہی تھی۔

"مسٹر ڈیوڈ والا۔"

بار بار دہراتے ہوئے میں خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ میری نیا منجدھار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


سے نکل آئی ہے اور جب کسی حد تک کامیاب ہوگئی تو سوال اٹھا کر یہ سب ہوا کیسے، تیمور آپ ہی آپ کیسے مان گیا۔

اور یہ وہی طاقت تھی جو مجھے اشارہ کرنے سے روک رہی تھی۔

جس نے مجھے اس چار دیواری کی اہمیت کا احساس دلا کر مجھے یہیں رکنے پر مجبور کیا۔

اور مجھے اس راستے سے نظریں بھی نہیں چرانے دیں جس کی نشاندہی اپنا احساس نہ دلانے والے شخص نے کی تھی۔ بہرحال وہ طاقتور ہستی خوب اچھی طرح جانتی ہے کہ اس راستے پر میں نے بھی نیا نیا چلنا شروع کیا ہے اگر اس نے تھام نہ لیا تو گر پڑوں گی اور اس نے مجھے گرنے نہیں دیا۔ میری آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں اور شجاع کے انتظار میں وہیں بیٹھتے ہوئے مجھے عابد کا خیال آیا۔ جو جانے کس خیال میں ڈوب کر پڑھتا ہے۔

یاد رہ جائیں گی بے باکیاں
نفس تو رام ہو ہی جائے گا
اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

☆☆☆